وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

سوانح حیات

سراج الائمہ افضل التابعین

امام اعظم ابو حنیفہ

از

مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

ناشر

مدنی دار التالیف بجنور۔ یو۔ پی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب — امام اعظم ابوحنیفہ

مصنف — مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

صفحات — ۳۳۶

قیمت مجلد PRICE — [illegible] روپے [illegible] پیسے

سن طباعت — ۱۹۶۲ء

ناشر

ادارہ مدنی دار التالیف بجنور یوپی

(ہندوستان لیتھو پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظر اور نظارے

حیات امام اعظم ابو حنیفہؒ اردو میں ایک جدید ریسرچ ہے۔ مصنف نے پانچ سال کی انتھک محنت کے بعد اس کو ترتیب دیا ہے ہر اعتبار سے عجیب و غریب کتاب ہے مشاہیر ہندوستان نے اس کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اُس کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

صدر مفتی دار العلوم دیوبند حیات امام اعظم ابو حنیفہ مولفہ جناب مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مدنی دار الافتاء بجنور کا میں نے اول سے آخر تک مطالعہ کیا ہے۔ عزیز موصوف نے بجد کاوش اور مطالعہ کتب سے امام صاحب کی سوانح حیات کو جمع کیا ہے اور ہر پہلو پر ان کی حیات کے موضوعات پر سلیقہ اور احترام کے ساتھ بحث کی ہے اور بعض مواضع میں نئی تحقیق نے کتاب کی افادیت میں اور اضافہ کر دیا ہے، جو اب تک پردہ خفا میں تھی، میں نے اس سلسلہ میں سیرۃ النعمان، احسن البیان ابو حنیفہ لابی زہرہ، خیرات الحسان، تبیض الصحیفہ، مناقب بزازی، مناقب کردری مناقب ابی حنیفہ للذہبی وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ امام صاحب کے حالات میں اردو میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن مفتی صاحب موصوف کی تالیف امام اعظم ابو حنیفہ سب سے بہتر ہے، طلباء ہی نہیں بلکہ علماء کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہے، کیونکہ اس میں ہر شبہ کا جواب مستند حوالہ جات سے موجود ہے۔ دینی و علمی اور سیاسی زندگی دونوں سے بحث کی ہے جو مطالعہ سے تعلق رکھتی ہے۔ زندگی کے ہر پہلو کو لیکر اس کے لئے

خاص خاص سرخیاں دی ہیں اور اس پر سلیقہ کے ساتھ بحث کی ہے۔ مخالفین کے جوابات میں تحریری صورت ایسی نہیں اختیار کی جو طبائع پر گراں ہو۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے کتاب مفید اور قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مقبول عام اور مفید انام کر دے مؤلف مذکور کو احناف کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ایک اہم فریضہ علمی ادا کیا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا الجزاء

مؤلف مذکور کی متعدد تصنیفات ہیں جو سب مفید انام ہیں طلباء کو چاہیئے کہ امام ابو حنیفہ کا خصوصیت سے مطالعہ کریں۔ (مولانا مفتی) سید مہدی حسن صاحب ۲۰ رجب ۸۵ھ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب۔ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب (مدنی دار الافتاء بجنور) کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے اپنی تازہ تصنیف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ پیش فرما کر استفاضہ اور استفادہ کا موقع دیا۔ جزاہم اللہ

احقر نے از اول تا آخر تقریباً تمام کتاب کا مطالعہ کیا جس کے بعد میرے وجدان نے شہادت دی کہ یہ کتاب محققانہ ترتیب و تالیف کی ایک قابل قدر مثال ہے حضرت امام اعظم کے متعلق عربی میں بہت سی کتابیں ہیں اردو میں بھی متعدد جلیل القدر مصنفین نے حضرت امام کی سوانح اور سیرت لکھی ہے مگر مولانا عزیز الرحمن صاحب کی اس تصنیف کی خصوصیت ہے کہ اس میں حضرت امام کی زندگی کے کسی ایک رخ پر نہیں بلکہ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ صرف مجتہد ہی نہیں تھے بلکہ ان جملہ کمالات کے حامل اور ان تمام صفات سے متصف تھے۔ جو ایسے کامل و مکمل میں ہونی چاہئیں جس کو دنیا رفقہ د اجتہاد) امام اعظم تسلیم کرنے پر مجبور ہو۔ حفظ احادیث، فہم قرآن بلاشبہ کمالات ہیں اور ایسے کمالات ہیں کہ ان پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے مگر تفقہ یعنی بصیرانہ فکر اور مجتہدانہ فیصلوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام سیاسی، اقتصادی، معاشی، عمرانی اور معاشرتی معاملات سے پوری واقفیت اور بڑی حد تک تجربہ رکھتا ہو جن کے متعلق وہ احادیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات کتاب اللہ سے فیصلہ چاہتا ہے جس شخص کو تجارتی کاروبار کا تجربہ نہیں ہوگا یا جس نے مثلاً منطق، فلسفہ، کی موشگافیوں کے سمجھنے میں اپنا دماغ نہیں کھپایا ہوگا وہ اقتصادی سوالات کس طرح حل کر سکیگا یا ان شبہات کو کس طرح رفع کریگا۔ جو کسی منطق یا فلسفی کو پیش آتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی زندگی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کی ان تمام نوعیتوں اور تمام نہیں تو اکثر و بیشتر نوعیتوں کا گلدستہ ہیں جن سے انفرادی یا اجتماعی زندگی متنوع ہوتی ہے، اپنے زمانے کی سیاسیات سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا ہے اور اجتماعیات سے بھی، وہ بہت بڑے سوداگر بھی تھے اور بہت بڑے امین بھی جن کے یہاں بہت سے لوگوں کی امانتیں بھی رہا کرتی تھیں اور لوگ ان سے قرض بھی لیا کرتے تھے، وہ عیالدار بھی تھے اور جائدادوں کے مالک بھی، وہ بہترین مناظر اور بلند پایہ متکلم بھی رہے تھے اور زندہ داری شب دیجور بھی ان کی خصوصیت تھی۔ عرب سے بھی ان کا تعلق تھا اور عجم سے بھی وہ آزاد بھی رہے اور پابند سلاسل بھی۔ زندگی شاہانہ تھی اور طبیعت فقیرانہ، وہ صاحب لباس بھی تھے اور گوشہ نشین، عزلت گزیں بھی ہنڈیوں اور بازاروں سے بھی اُن کا تعلق تھا۔ اور بحث و نظر کی مجلسوں اور درس و تدریس کی محفلوں سے بھی۔

مولانا عزیز الرحمن صاحب کی اس کتاب کی ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں کو اس میں اجاگر کیا گیا ہے اور اس طرح کے جن مضامین کے لئے کئی جلدیں درکار تھیں ان کو تقریباً سوا تین سو صفحات کی ایک جلد میں سمو دیا گیا ہے۔ تقامت کمتر، بقیمت بہتر۔

اس تصنیف لطیف میں اعتراضات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں اور حضرت امام کے مخالفین کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے مگر یہ اعتدال و استقامت قابل صد تحسین ہے کہ فرق مراتب، احترام اکابر، اور پاس ادب کے توازن میں کہیں بھی فرق نہیں آیا ہے فجزاہ اللہ عنا عن سائر المسلمین خیرا و شکر اللہ سعیہ محتاج دعا محمد میاں ۱۷ شعبان ۱۳۸۵ھ

مفتی دارالعلوم دیوبند : ۔ میں نے کتاب امام اعظم ابو حنیفہ جس کے مصنف و مولف مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب ہیں جو حضرت شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی کے خلیفہ اور مجاز ہیں اور آجکل شہر بجنور میں تدریس عربی اور افتار کا کام انجام دے رہے ہیں اول سے آخر تک مطالعہ کیا مولانا صاحب ممدوح نے بڑی کاوش اور محنت سے امام صاحب کی یہ سوانح تیار فرمائی ہے حضرت امام اعظم کے تابعی ہونے کے بارے میں بہت بہترین کلام کیا ہے، اسی طرح آپ کے حافظ حدیث ہونے کو مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے ۔

کتاب کا آخری حصہ بہت ہی زیادہ قابل استفادہ ہے میرے نزدیک ہر حنفی کے پاس اس کا رہنا ضروری ہے اور حدیث کے طلبہ کے لئے میرا مشورہ ہے کہ اسکو ضرور اپنے پاس رکھیں اور مطالعہ کریں ۔ احقر کے خیال میں طلبہ اور علماء کے لئے یہ ایک بہترین ہدیہ ہے حق تعالیٰ قبولیت کی دولت سے نوازے ۔ آمین ۔ فقط ۔

فخر الحسن غفرلہٗ ۔ دارالعلوم دیوبند ۔ ۹ ار شعبان ۹۳ھ

مولانا قاضی سجاد حسین صاحب دہلی : مکرمی زید عنایتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ گرامی نامہ شرف صدور ہوا، میرے ذہن میں یہ نہ تھا کہ جناب کی عنایت کردہ کتاب حیات امام اعظم ابو حنیفہ کو پڑھ کر اس پر مجھے کچھ لکھنا بھی ہے جس وقت جناب نے کتاب عنایت فرمائی تھی مطالعہ تو میں نے اس کا اسی وقت شروع کر دیا تھا اور چند دن میں اس کو بالاستیعاب پڑھ لیا تھا ۔ یہ کچھ عجب اتفاق ہوا کہ اس عرصہ میں امام صاحب پر چند کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ سب سے پہلے علامہ ابو زہرہ مصری زید علمہٗ و فضلہٗ کی کتاب پڑھی ۔ اس کے بعد مولانا مناظر احسن کی کتاب پڑھی، اس کے فوراً ہی بعد جناب کی کتاب کے مطالعہ میں لگ گیا ۔ اُردو میں اس سے پہلے بھی کتابیں لکھی گئی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علامہ شبلی مرحوم کی سیرۃ النعمان بھی مشہور ہے، لیکن بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ جناب کی تصنیف

اس سلسلہ کا نقش آخر ہے ۔ مختلف عنوانوں پر جس قدر کاوش سے جناب نے مواد فراہم کیا ہے یہ آپ ہی جیسے یکسو عالم کا حصّہ ہو سکتا تھا ۔ جامعیت کے ساتھ آپ نے امام اعظم کی زندگی کے ہر گوشہ کو اس طرح اجاگر کر دیا ہے کہ اس سے کافی روشنی حاصل ہوتی ہے ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ امام صاحب کی زندگی کے اس قدر موضوعات پر تفصیلی کلام کا اس کتاب میں زیادہ موقع بھی نہ تھا ۔ غالباً ہمارے اکابر خلفائے اربعہ میں ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہی ترتیب فضیلت کے قائل ہیں یعنی افضلھم ابو بکر ، ثم عمر ثم عثمان ، ثم علی رضی اللہ عنھم کیا امام اعظم بھی اسی کے قائل تھے ۔ علامہ ابو زہرہ کی رائے ہے کہ امام صاحب افضلیت عثمانؓ کے قائل نہ تھے مجھے امام صاحب کا ایک مقولہ یاد ہے ۔ اہل سنت والجماعت کی تعریف میں فرمایا ہے من فضل الشیخین واحب الختنین اس سے بھی امام صاحب کے اسی رجحان کا پتہ چلتا ہے جس کی علامہ ابو زہرہ نے تصریح کی ہے ہو سکے تو دوسرے اڈیشن میں اس موضوع پر کچھ تحریر فرمایئے ۔ امام اعظم اور اہل بیت کا تعلق بھی وضاحت کا متقاضی ہے میں دست بدعا ہوں کہ حضرت حق جل مجدہٗ آپ کے علم و فضل اور عمر میں ترقی دے اور آپ کی یہ سعی اور اس جیسی اور مساعی عند اللہ مشکور ہوں ۔ والسلام ۔ سجاد حسین

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دہلی مخلصم و مکرم مولانا عزیز الرحمٰن دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ گرامی نامہ ملا تھا ۔ تین ہفتوں سے گردش میں تھا آج یہاں کل وہاں ، پرسوں ریل میں ، جلسے ، جلوس ، تقریریں ، آپ کو میرے خط کا انتظار ہو گا ۔ کتاب ساتھ رکھی تھی ، مگر ایک صفحہ بھی نہیں پڑھ سکا ۔ ایک روز ہی میں چند متفرق مقامات دیکھے تھے ، انشاء اللہ جلد باضابطہ اظہار رائے کروں گا ۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ نے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں عرق ریزی سے کام لیا ہے ۔ بعض مباحث جو مولانا شبلی کی سیرۃ النعمان میں نہیں تھے یا تشنہ تھے وہ اس میں آ گئے ہیں ۔ تابعیت کی بحث بھی

بہت خوب ہے۔ باب پنجم، ششم، ہفتم بھی اہم ترین ہیں ان میں فقہ حنفی سے متعلق تمام بحثیں آگئی ہیں، انداز بیان بھی سادہ، مؤثر اور دل پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول عام کی نعمت سے نوازے جن حالات میں آپ نے یہ قابل قدر خدمت انجام دی ہے وہ سبق آموز ہیں

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی :- میں آپ کی کتاب حیات امام اعظمؒ کا بالاستیعاب مطالعہ کر نہیں سکا ہاں جگہ جگہ سے اسکو پڑھا۔ ماشاء اللہ مجموعی طور پر آپ کی محنت قابل داد ہے، ایک آدھ مقام کے بعد انداز تحریر سنجیدہ ہے

حضرت مولانا محمد اللہ حمد رضا صاحب مدراس :- وی، پی وصول ہوا، امام صاحب کی کرامت ہے کہ اتنے عرصہ کے بعد ایسے عنوانوں اور حقائق پر آپ سے قضا و قدر نے یہ کتاب لکھوالی۔ صحیح یہ ہے کہ لقد فاق علی سیرۃ النعمان جزاکم اللہ خیر الجزاء و تقبل سعیکم

میں نے حیات امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق اسکی تعریف و توصیف میں جو کچھ لکھا ہے وہ علی بصیرۃ لکھا ہے اہل علم و فضل کی جلالت قدر سے اہل و فضل ہی متاثر ہوا کرتے ہیں مگر اس میں غلو نہیں چاہیئے اس کے علوم حقہ اور کمالات مطلوبہ کا اقرار نہ کرنا دینی خیانت ہے۔ مولانا شبلی بیشک بڑے درجے کے ہوئے مگر ان کے فضل سے اسقدر مرعوب ہونا کہ غالب کے بعد کے دور میں دوسرے کو شاعر ہی تسلیم نہ کریں علم و فن کی قدر افزائی نہیں ہے

الغزالی میں انھوں نے امام صاحب کے کمال کے مفہوم سے اپنے کو خود عاجز ملتا ہے ایسے ہی سیرت النعمان کے تشنہ مقامات خدا نے آپ سے اس تالیف کے ذریعہ سیراب کرائے۔ لوگ نگارش کی عمدگی اور لکھنے کے گویا عادی ہو گئے ہیں حالانکہ جس کے بارے میں نگارش ہے اس کے محاسن مدنظر رہنا ضروری ہیں۔

دعا ہے کہ یہ کتاب صرف برائے مطالعہ نہ رہے بلکہ آپ جیسے صلحا چراغ حمن نہیں

حضرت مولانا منت اللہ صاحب :- حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی زندگی فکری علمی اور عملی حیثیت سے پوری امت کی زندگی ہے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو امام اعظم کی عطا سے مستفید نہ ہو رہا ہو۔ اُردو زبان میں آپ پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس سے کم ہے، جو اب تک نہیں لکھا جا سکا ہے۔ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سلمہ اللہ کی تالیف "امام اعظم ابو حنیفہ" اس سلسلہ کی ایک اہم اور قیمتی خدمت ہے جو اپنی جامعیت اور حسن ترتیب میں ہر طرح قابل قدر ہے جس میں امام اعظم کی زندگی کے اکثر و بیشتر پہلو علمی، واجتہادی خدمات اور فکری و عملی کارنامے جدید و حسین ترتیب کے ساتھ جمع ہیں۔ کتاب علما اور طلبار کے استفادہ کے لائق ہے، حق تعالیٰ مصنف محترم کی محنت اور خدمت کو قبول فرمائے، اور اجر جزیل سے نوازے ۔ آمین

منت اللہ غفرلہ ۔ خانقاہ مونگیر ۔ یکم رجب ۱۳۸۵ھ

مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی :- اُردو زبان میں امام اعظم پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں مولانا شبلی، مرزا حیرت دہلوی، مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور مفتی عبد اللطیف صاحب کی کتابیں زیادہ بہتر جامع اور محققانہ ہیں مصر سے شیخ ابو زہرہ کی کتاب فقہ ابی حنیفہ و آثارہ امام صاحب کے تفقہ، اُن کے اصولِ استنباط احکام اور اُن کے طریق فکر و اجتہاد پر بڑی مبسوط اور مدلل کتاب ہے

زیر تبصرہ کتاب میں ان سب مذکورہ بالا کتابوں کے مباحث کا خلاصہ بڑی عمدہ ترتیب اور سلیقہ سے یکجا کر دیا ہے ۔ اور جہاں بات انہیں اپنے مسلک اور موقف کے خلاف نظر آئی ہے اُس پر کلام کیا ہے ۔ .. .. لیکن کلام کی نوعیت بجائے برہانی اور تحقیقی ہونے کے اقناعی یا الزامی زیادہ ہے ۔ مثلاً امام بخاری کو امام اعظم سے کد یا پرخاش تھی، اُس کا اصل پس منظر ارباب رائے اور محدثین کا شدید اختلاف اور مناقشہ تھا اور اُس عہد کے سیاسی حالات نے اس اختلاف کو غیر معمولی طور پر تیز تر

کر دیا تھا۔ امام بخاری کا لب و لہجہ کیسا ہی درشت اور کرخت ہو لیکن جب تک آپ اس تاریخی اور سیاسی پس منظر کو سامنے نہیں رکھیں گے، امام اعظم سے امام بخاری کے اختلاف کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ اس کے برخلاف مؤلف نے امام صاحب کی طرف سے جواب کا جو طریقہ اختیار کیا ہے (ص ۱۳۱ و ۳۲۳) اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ امام اعظم کی طرف سے دفاع ہو یا نہ ہو، صحیح بخاری کا وہ مقام باقی نہیں رہے گا جو اسے جمہور اُمت کے نزدیک حاصل ہے۔ اس نوع کی اور بھی چند کوتاہیوں کے باوجود کتاب مجموعی حیثیت سے بہت مفید ہے اور محنت و توجہ سے لکھی گئی ہے چونکہ اس میں ذاتی حالات و سوانح، ذہانت و فطانت، علم و فضل اور مکارم اخلاق کے علاوہ امام صاحب کے تفقہ اور مآخذ استدلال و قیاس کے مختلف گوشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے لائق مؤلف کے بقول موجودہ زمانہ کے نئے مسائل و معاملات پر غور و فکر کرنے کی راہیں بھی کھلیں گی اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ خود بڑا فائدہ ہے۔ مدارس عربیہ کے اساتذہ اور طلباء کو خاص طور پر اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مولانا محمد عثمان فارقلیط: ۔ یہ کتاب حضرت امام اعظمؒ کے حالات میں مراجعت کتب کے بعد تالیف کی گئی ہے۔ امام صاحب کے حالات میں علامہ شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان کو حرف آخر تصور کیا جاتا تھا، مصنف نے بھی اس کتاب میں سیرۃ النعمان سے مدد لی ہے اور بہت سے نئے علمی مباحث بھی آ گئے ہیں حضرت امام اعظم پر اب تک جس قدر بھی اعتراضات کیے گئے ہیں، ان سب کا جواب اس کتاب میں آ گیا ہے جہاں محدثین اور فقہاء کا مقابلہ کیا گیا ہے وہاں غیر جانبدار رہنا عموماً مشکل ہو جاتا ہے مصنف کتاب نے بھی اعتدال پسندی کا ثبوت دیا پھر بھی قدرے مجادلہ کی جھلک آ گئی ہے۔ کتاب میں تابعین کی بحث بہت مدلل ہے اور امام صاحب کو افضل التابعین ثابت کیا ہے اور اس میں بہت بڑی حد

تک کامیاب ہوئے ہیں حدیث میں امام صاحب کی کتاب کیا ہے۔ اس بحث کو بہت
غلط طریقے سے نباہنے کی کوشش کی ہے اور ثبوت میں امام صاحب کی مسانید کی فہرست
پیش کی گئی ہے۔ مصنف نے دلائل وشواہد سے ثابت کیا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب
ہی کی کتاب ہے اور انکار کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ کتاب
گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ گیارہویں باب میں امام صاحب کی عملی زندگی پر روشنی
ڈالی گئی ہے۔ اور تصوف، عبادات۔ اخلاقیات اور معاملات میں آپ کا جو مرتبہ
ہے اس پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب میں بعض جگہ غیر مقلدوں کا رد بھی
لکھا ہے لیکن روشن خیال علماء کو ان القاب سے احتراز کرنا چاہیئے جو دوسروں
کو ناپسند ہیں۔

مکتوب گرامی مولانا منت اللہ صاحب مکرم بندہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ۔ یاد دہانی والا گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا۔

"امام اعظم ابو حنیفہ" پر اپنی رائے منسلک کر رہا ہوں تفصیلی تبصرہ کا حق
تو اسے پہونچتا ہے جس کی معلومات مصنف سے زیادہ ہوں یا پھر اس موضوع
پر پوری تیاری کرے، ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ
میں نہیں۔ میں نے تو الٹ پلٹ کر کہیں کہیں سے دیکھا ہے اور پھر ایسا دیکھنے والا
جیسی رائے قائم کر سکتا ہے وہ بھی ظاہر ہے، بہر حال میں آپ کی اس تالیف کو حضرت
امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر وقیع اور کامیاب محنت سمجھتا ہوں، اللہ
کرے آپ کا قلم اس طرح کی تصنیفات برابر اہل علم کے سامنے پیش کرتا رہے
اور حق تعالیٰ اسے شرف قبول بھی بخشتا رہے

"سوانح حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ" آج نکال لی ہے۔ کل سے انشاء اللہ
دیکھونگا۔ خدا کرے پوری کتاب دیکھنے کا موقعہ مل جائے۔ انشاء اللہ اس کے
بعد اس پر بھی اپنی رائے لکھ کر بھیجوں گا میں آپ سے امید رکھتا ہوں کہ

آپ اس عاجز کو اپنی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں گے۔ مفتی صاحب!
کیا عرض کروں، عمر کا بڑا حصہ گزر چکا، جمادی الثانی کے مہینہ میں عمر کا پچپنواں
سال شروع کر دیا۔ اب پیچھے لوٹ کر دیکھتا ہوں تو زندگی کا ہر ورق سیاہ
نظر آتا ہے، منزل دور ہے، راستہ کٹھن، اور توشہ بالکل نہیں۔ خدا
کی رحمت۔ احباب، مخلصین، اور بزرگوں کی دعاؤں کے سوا کوئی اور سہارا
نظر نہیں آتا، اس لئے رسماً نہیں اپنے حال زار پر نظر ڈالتے ہوئے
واقعتاً لکھتا ہوں کہ مجھے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔

والسلام منت اللہ غفرلہٗ

غمِ عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے درد نے بنا دی مری زندگی فسانہ

عزیز الرحمٰن

حامداً و مصلیاً .... اما بعد

بندہ حقیر و ہیچمدان کی یہ پانچویں تصنیف یا تالیف ہے جس پر اس حقیر نے اپنی وسعت بھر محنت صرف کی ہے اس سے پیشتر چار کتابوں پر اگرچہ محنت اور وقت کافی صرف ہوا ہے لیکن وہ کتابیں نہ اتنی ضخیم ہیں اور نہ اُن میں اتنا اُلجھاؤ ہے۔

میں زمانہ طالبعلمی میں سوچا کرتا تھا کہ آج کل اہل علم اور اہل قلم خصوصاً اردو داں حضرات تحقیق اور ریسرچ کے نام سے علمائے متاخرین کی مختلف شخصیتوں مثلاً ابن تیمیہ ابن قیم، ابن رجب، ابن کثیر پر تحقیق فرما رہے ہیں لیکن اس شخصیت (جو بقول امام شافعی صاحبؒ ان سب کی علمی نانہ سے مربی کی حیثیت رکھتی ہے) پر کوئی کچھ نہیں لکھ رہا، حالانکہ موجودہ زمانہ میں جس قدر امام ابو حنیفہؒ پر تحقیق کی جائے گی اسی قدر عالمی مسائل آسانی کے ساتھ حل ہو سکیں گے۔

شکر خدا کہ اب گذشتہ آٹھ سات سال سے میں نے بعض اخبارات اور رسائل میں کبھی کبھی امام اعظم ابو حنیفہ پر مضامین پڑھے ہیں۔ بدیں وجہ بندہ کا دیرینہ جذبہ عود کر آیا اور قلب کے گوشہ میں جو باریک سی چنگاری دبی پڑی تھی وہ اس ہلکی سی ہوا سے کچھ چمک دینے لگی جس کی وجہ سے بتوفیق ایزد تعالیٰ امام صاحب پر کچھ تحقیقی طور سے لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ بہت دن خاکہ بنانے میں صرف ہو گئے۔ جوں جوں سوچتا تھا کام کا پھیلاؤ اور اس کا ثقل میری ہمت کو پیچھے کی طرف دھکیل دیتا تھا خدا خدا

کر کے ایک مضمون مرتب کر کے مدینہ اخبار میں شائع کیا۔ اتفاق کی بات وہ مضمون لوگوں کو اس قدر پسند آیا کہ ہندوستان اور پاکستان کے چند موقر جرائد نے اس کو مدینہ سے نقل کیا۔ اس طرح اس عاجز کی ہمت بندھ گئی اور ایک دن امام صاحب کی سوانح حیات لکھنے کی بسم اللہ کر ہی دی۔

یوں تو اُردو لٹریچر میں امام صاحب کے متعلق مختلف عنوانات کے تحت بہت کچھ موجود ہے لیکن مفصل اور جامعیت کے اعتبار سے بجز علامہ شبلی کی سیرت نعمان کے اور کوئی کتاب قابل ذکر یا معیاری نہیں ہے لیکن میں جس طرح امام صاحب کے متعلق تحقیق و ریسرچ کا متمنی تھا اس سے سیرت نعمان تقریباً خالی ہی سی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ قارئین کرام تحقیق و ریسرچ کے معیار پر میری اس حقیر کوشش کو علامہ شبلی نعمانی کی سیرت نعمان اور ابو زہرہ مصری کی کتاب "ابو حنیفہ" سے کمتر نہ پائیں گے (انشاء اللہ)

کتاب کی ترتیب

اس کتاب کی ترتیب و تدوین امام صاحبؒ کے ابتک کے تمام تذکروں میں بالکل نئی ہے۔ اس عاجز نے ترتیب کو درست اور مناسب رکھنے کیلئے ہفتوں سوچا ہے پھر کہیں جا کر مضامین کو قلمبند کیا ہے یوں ممکن ہے کہ قارئین کرام میں سے بعض کو اس ترتیب سے اتفاق نہ ہو لیکن

للعاشقین مذاهب

اس کتاب کے اخذ و استنباط کے لئے مجھے بہت اسفار کرنے پڑے ہیں۔ ایک دفعہ علی گڑھ یونیورسٹی کی لائبریری میں ہو چکر وہاں سے کچھ اخذ کیا ہے۔ چند مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کی بھی ورق گردانی کی ہے۔ رہا مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بجنور اور مولانا احمد رضا صاحب بجنوری .. .. اور جناب سید اختر صاحب مدیر مدینہ بجنور اور بندہ حقیر کا ذاتی کتبخانہ، سو یہ کتب ان ہی کتب خانوں کی مرہون منت ہے اس کیلئے اولاً میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور پھر ان حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق جب کبھی بھی مجھے یہ معلوم ہوگیا ہے کہ فلاں کتاب میں فلاں جگہ فلاں چیز دستیاب ہوسکتی ہے اس حقیر فقیر نے اللہ تعالیٰ کی امداد سے اس کتاب کے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ اس طرح یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق بے شمار قدیم وجدید، عربی، فارسی، اُردو زبان کے لٹریچر کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

راقم الحروف نے کم و بیش اس کتاب کی تدوین و ترتیب پر پانچ سال صرف کئے ہیں اور ایک انسانی کوشش کا جہاں تک تعلق ہے اس سے دریغ نہیں کیا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ درمیان میں بعض کتابیں مثلاً وصایا، محبت والے، اور اسی طرح مدینہ اخبار اور دوسرے رسائل کے لئے مختلف عنوانات کے تحت سینکڑوں مضامین لکھے ہیں لیکن تدبر و تفکر اور تجسس کے اعتبار سے یہ کتاب مجھے کسی بھی لمحہ فارغ نہ کر سکی۔

اہل علم سے گذارش حضرات! اس حقیر کی یہ ناچیز کوشش اس کے بعد آپ کے سامنے ہے جبکہ اس کے متعدد اقساط مدینہ اخبار بجنور میں اور میری بلا خواہش کے مدینہ سے منقول ہو کر نوائے وقت پاکستان، انقلاب بمبئی، چٹان لاہور، بصیرت لاہور میں شائع ہوچکے ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم قدردان حضرات نے جلدی سے جلدی اس کتاب کی طباعت کے لئے اصرار کیا ہے۔

تاہم مجھے نہ اپنے علم پر ناز ہے اس لئے کہ فوق کل ذی علم علیم سے یہ دنیا بھری پڑی ہے لیکن اہل علم اور قدردان حضرات کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے کہ انھوں نے جہاں کسی کی لغزش پر اطلاع پائی ہے، مطلع کیا ہے۔ یہی آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت میری ضعیف ترین انسانیت کو، جو خطا اور نسیان سے مرکب ہے فراموش نہ فرمائیں

کچھ اپنے بارے میں میرا وطن ضلع بجنور کا ایک قدیم ترین قصبہ شرفار اور اہل علم کی بستی نہٹور ہے۔ تاریخ پیدائش کا علم نہیں۔

البتہ میری مڈل کی سند پر جنوری ۱۹۲۷ء لکھا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میری پیدائش ۱۹۲۵ء کی ہے میرے دادا (حسین بخش) قصبہ منڈاور کے رہنے والے تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ان کے والدین قتل کر دیے گئے تھے۔ یہ بہت ہی کم سن تھے، ان کی پرورش موضع ترکولہ (نہٹور) کے ایک سید نے کی تھی۔ وہیں یہ رہا کرتے تھے اور اسی خاندان میں ان کی شادی بھی ہوئی تھی، بعد میں کسی وجہ سے میرے دادا نے نہٹور کی سکونت اختیار کر لی تھی۔

میرے دادا کے یہاں چار بیٹے (میرے والد عبدالرحمٰن، اور تین دوسرے یعنی عبدالرزاق، فضل احمد، صوفی محمد حسین، اور ایک بیٹی (سماۃ بانو) پیدا ہوئے۔ ان تمام کی شادیاں چاندپور کے علاقہ شیوخ کے مواضعات میں ہوئیں میری والدہ انھیں دیہات کے شیخ زادوں کی بیٹی تھیں میرے والد کی دوسری شادی قصبہ کوٹ قادر (بجنور) کے خاندان سادات میں ہوئی۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ میرا سلسلہ نسب کیا ہے کیونکہ ہمارے گھرانے میں پڑھنے لکھنے کا دستور نہیں تھا۔ اس پورے گھرانے میں سب سے پہلے میری بڑی بہن پڑھی اور ان کے بعد میرے بھانجے نے تعلیم حاصل کی۔ سب کے آخر میں میرے پڑھنے کا نمبر آیا۔ مجھے پڑھنے کے لئے کسی نے آمادہ نہیں کیا تھا، میں خود ہی محلہ کے بچوں کے ساتھ سرکاری اسکول میں پڑھنے جانے لگا تھا، اس لئے میں نے قرآن شریف شروع میں نہیں پڑھا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں، میں مڈل کے امتحان سے فارغ ہوا میں

---

[1] ۱۹۶۳ء میں مولانا قاضی شمس الدین قصبہ درویش ضلع ہزارہ نے ایک استفسار کے ذیل میں مجھ سے میرے حالات دریافت کئے تھے۔ وہی حالات میں نے اپنی کتاب "حیات امام اعظم ابوحنیفہ" میں شائع کر دیے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ماہنامہ دیوبند محترم سہارنپوری نے مجھ سے ایک انٹرویو لیا اور اپنے شمارہ میں شائع کیا وہی حالات کچھ اضافہ سے یہاں درج ہیں۔ یہ میری خواہش نہیں دوسروں کے سوال کا جواب ہے۔

میں جتنے دن بھی پڑھا نہایت شوق سے پڑھا۔ عام طور پر راستہ چلتے چلتے کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ چنانچہ مڈل تک پورا نصاب، معہ حساب و کتاب وجملہ مضامین مجھے ویسے ہی یاد ہیں جیسے اُس وقت یاد تھے۔ مڈل کے امتحان میں، پوری یو۔ پی میں میری ممتاز پوزیشن تھی اور تمام مضامین میں فرسٹ ڈویژن تھا۔

میں بارہ یا چودہ سال کی عمر سے، اپنے گھر سے ذرا فاصلے پر مردانے مکان میں اکثر تنہا رہا کرتا تھا۔ اسی وقت سے میری طبیعت ہنگامہ آرائی سے گریز کرتی ہے اور تنہائی پسند ہے۔ میں اکثر و بیشتر مجالس میں جم کر بیٹھنے سے گھبراتا ہوں۔ بایں ہمہ ۱۹۴۳ء میں مڈل پاس کرنے کے بعد میرا راستہ تبدیل ہو گیا اور میں نے پرائمری مدرسہ میں ملازمت کرلی اور عرصہ تک پڑھاتا رہا اور بعد ایک مدت کے استعفا دیدیا

۱۹۴۶ء سے میری زندگی میں پھر انقلاب آیا۔ مہینہ اور تاریخ یاد نہیں۔ ایک دن میں حسب معمول صوفی رحمت اللہ صاحب باربر کی دوکان پر شیو بنوانے گیا تھا۔ پہلے سے چند آدمی اور بھی بیٹھے تھے۔ میرا نمبر تیسرا یا چوتھا ہوگا، ان کے تخت پر ایک رسالہ "مولوی" پڑا ہوا تھا۔ اس میں حضرت ابو درداء کی سوانح حیات تھی وقت گذارنے کے لئے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ خدا کی ہدایت اور توفیق میرا انتظار کر رہی تھی۔ حضرت ابو درداؓ کے حالات نے قلب پر اثر کیا اور دنیا بدل گئی، جب نمبر آیا تو میں نے صوفی صاحب سے عرض کیا۔ انگریزی بالوں کو صاف کردیئے اور شیو کی بجائے ڈاڑھی کی تحریر بنا دیجئے۔ ذرا ایک مرتبہ انھوں نے میری طرف دیکھا اور پھر بسم اللہ پڑھ کر اپنا کام شروع کر دیا۔ گھر آیا قمیصوں کی کالریں کاٹ دیں۔ کوٹ اور پتلون اُتار پھینکا۔ پاجامے کو چھوٹا کر دیا۔ غرضکہ جب عصر کی نماز پڑھنے گیا تو لوگوں کو شناخت کرنے میں دشواری ہوئی ہے۔ یہ ملا ہے یا ماسٹر ہے؟

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

شام کو ایک دوکاندار نے، ردی میں آئی ہوئی، ایک کتاب مجھے دی۔ سرورق

اس کتاب کا نام نہیں تھا، اس وجہ سے آج تک نام نہ معلوم ہو سکا۔ تصوف کے فن میں کتاب تھی۔ اس کا ایک جملہ جو بہت اثرانداز ہوا۔ اب بھی یاد ہے۔

صاحبزادے، اگر بیا کی نظر میں محبوب بننا چاہیے
تو ماںجھے کے جوڑے پہن کر گوشہ میں بیٹھ جائے

بہرحال خداوند عالم نے جو کچھ توفیق دی، کیا۔ مدرسی سے استعفار دیدیا۔ بیاذئہ علم لیکر اپنے شہر کے مدرسہ میں پڑھنے جا بیٹھا۔ دن بھر اسی میں لگا رہتا تھا۔ رات کو جہالت میں جیسی اُلٹی سیدھی نماز پڑھی جاتی تھی پڑھ لیتا تھا۔ صوفی رحمت اللہ صاحب جو حضرت شاہ یٰسین صاحب نگینوی کے مرید تھے۔ انھوں نے حضرت شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں دیں۔ کچھ کتابوں کے ذریعہ، کچھ پوچھ کر ذکر شروع کیا۔ معلوم نہیں صحیح پڑھتا تھا یا غلط، مگر خدا کا نام تو ہر حال میں مؤثر ہے۔ تزکیہ اور تغذیہ دونوں تاثیریں اس میں موجود ہیں۔

نہٹور میں حضرت شاہ محمد یٰسین صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا گنگوہی کی بہت آمد رہتی تھی۔ ان کے بہت مرید وہاں تھے۔ انھیں سے کچھ کچھ سیکھ لیتا تھا۔ کچھ کتابوں سے پڑھ لیتا تھا حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جو معمولات تحریر فرمائے ہیں وہ سب کرتا تھا، اسم ذات، ذکر جہری، پاس انفاس، حضرت شاہ صاحبؒ کے فیض ہی سے کرنے لگا تھا۔ دعا کیا کرتا تھا کہ قرآن پاک آجائے۔ غالباً ایک سال بعد یعنی ۱۹۲۹ء میں۔ میں نے فارسی پڑھنا شروع کی عمر بیس بچیس کے درمیان تھی حضرت مولانا حامد حسن صاحب گنگوہیؒ شاگرد رشید حضرت شیخ الہندؒ میرے اُستاذ تھے۔ میں تنہا ان سے پڑھنے والا تھا۔ اس لئے دن میں دس دس مرتبہ سبق ہو جاتا تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ پہلے سال ہدایۃ النحو اور کافیہ تک میں نے پڑھ لیا تھا، اور دوسرے سال مختصر المعانی، شرح وقایہ، نورالانوار، سلّم وغیرہ تک پڑھ لیا تھا۔ اس زمانہ میں میری کتنی راتیں ایسی گذری ہیں کہ کتاب پڑھتے پڑھتے صبح کی اذان ہو جاتی تھی۔ میں نے جتنی کتابیں بھی نصاب میں داخل ہیں، سب کو بالاستیعاب

پڑھا ہے اس طرح پر کہ ہر کتاب کے شروع کے چند ورق تو اُستاذ مرحوم سے پڑھے ہیں اور پھر دس دس ورق معہ ترجمہ اور تشریح کے سنا دیا کرتا تھا۔ میں اُستاذ مرحوم کے سامنے تنہا پڑھنے والا تھا اس وجہ سے مغرب کے وقت تک ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ وہ بھی جہاں موقعہ دیکھتے سبق سننے بیٹھ جاتے کبھی کسی دُکان کے تختہ پر سبق ہونے لگتا تھا اور کبھی کسی محلہ کی مسجد میں۔ غرضکہ میں نے بھی خوب محنت سے پڑھا اور انھوں نے بھی خوب لگن سے پڑھایا۔ تیسرے سال غالباً ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۲ء میں، میں دارالعلوم دیوبند میں ہدایہ اولین، جلالین شریف، میبذی سراجی میں داخل ہوا۔ دوسرے سال مشکوٰۃ شریف، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف وغیرہ پڑھیں۔ تیسرے سال ۱۳۷۳ھ میں، میں نے سیدی و مرشدی مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے دورہ حدیث پڑھا۔

ہاں اتنا اور عرض کر دوں کہ میرے پاس اردو کتابوں کا بہت ذخیرہ تھا بہت سے دواوین تھے۔ ان سب کو فروخت کر کے میں نے عربی کی کتابیں خریدیں علماء سے معلوم کرتا تھا کہ کون سی کتابیں خریدوں؟ ہدایۃ النحو پڑھنے کے زمانہ میں میں نے مشکوٰۃ شریف کی شرح، تفسیر ابن کثیر، روح المعانی خریدی تھیں۔ اسی وجہ سے کہ مدرسہ کا دستور تھا کہ وہ پڑھی ہوئی کتابیں واپس لے لیتا تھا، مجھے خیال ہوا کہ بلا کتابوں کے آئندہ کس طرح کام چلے گا؟ چنانچہ دورۂ حدیث تک میرے پاس شروحات کا کتب خانہ ہو گیا تھا۔ میں نے کوئی کتاب ایسی نہیں ہے کہ جس کی متعدد شروحات نہ پڑھی ہوں۔ ہدایہ کے ساتھ عینی اور فتح القدیر کو بالاستیعاب پڑھا ہے۔ اسی طرح دورہ حدیث کے زمانہ میں ہر حدیث کی شرح فتح الباری، بذل، فتح الملہم، اور جزء المسالک کو میں نے بالاستیعاب پڑھا ہے غرضکہ خوب محنت سے پڑھا ہے۔ مجھے یہ افسوس نہیں ہے کہ میرا وقت ضائع ہوا ہے بلکہ مجھے جس قدر وقت ملا اس سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔ زمانہ طالب العلمی میں انجمن سازی، تقریر بازی سے میں ہمیشہ مجتنب رہا ہوں۔ میں نے کبھی ان

طلباء کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جو اس قسم کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں میں
اتنا یکسو رہا کہ بجز چند اساتذہ کے مجھ سے کوئی واقف بھی نہیں تھا۔ ان تمام
چیزوں کے مقابلہ میں میرا نظریہ یہ ہے کہ علم ہونا چاہیئے۔ تقریر، تحریر، مناظرے
سب آسان ہیں۔ خصوصاً علم فقہ جس کو آتا ہے اس کو سب کچھ آتا ہے۔ اور جو اس
سے ناواقف ہے اس سے کچھ نہیں آتا۔

دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر میں دارالافتاء میں داخل ہوا اور خارج
اوقات میں حکیم محفوظ علی صاحب مرحوم دیوبندی سے فن طب کی تکمیل کی اور
اور اسی سال میں حضرت مدنی رحؒ سے بیعت بھی ہو گیا۔ ذکر جہری اور پاس انفاس
پہلے ہی سے کرتا تھا یہی حضرت نے تعلیم فرمایا۔ میں نے حضرت کو سلوک کے
سبق کے لیئے کبھی کوئی پرچہ نہیں لکھا۔ وہ اپنی مرضی سے اس سلسلہ کے اذکار
اور مراقبہ تعلیم فرماتے رہے۔ اس زمانہ میں، میں نے بہت کتابوں کا مطالعہ کیا
ہے۔ البتہ چھ مہینہ کے لئے حضرت رحؒ نے مجھ سے مطالعہ چھوڑا کر صرف اذکار
اور مراقبہ ہی کا حکم دیا۔ بالآخر رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ قیام ٹانڈہ میں مجھے
انھوں نے اجازت بیعت مرحمت فرما دی اور شوال ۱۳۷۲ھ میں اپنی ایک مستعمل
ٹوپی بھی مرحمت فرمائی۔ انھوں نے مجھے کیسا پایا اُس کو وہ جانتے ہوں گے
میں اپنے بارہ میں نہایت صفائی سے کہتا ہوں کہ میں بہت خراب انسان
ہوں۔ خدا مجھے ہدایت دے اور معاف فرمائے۔

سودہ شد از سجدۂ بیش بتاں پیشانیم
چند بر خود تہمت دین مسلمانی نہم

۶ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو میں حضرت شیخ الاسلام رحؒ کے ارشاد سے بجنور آیا
یہاں کوئی عربی کا مدرسہ نہیں تھا، بس لے دیکر اسلامی یتیم خانہ بچوں کی دینی
تعلیم کے لیئے ایک ادارہ تھا۔ دوسرا مدرسہ جو محلہ قاضی پاڑہ میں تھا وہ
تقریباً بندہی تھا۔ یہاں پہونچ کر میں نے یتیم خانہ کی حدود میں مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم

کے نام سے جاری کیا، جو قریباً بارہ سال تک مختلف مقامات پر تبدیل ہوتا رہا۔ اور بقول شخصے کہ بارہ سال میں تو کوڑی کے بھی دن پھر جاتے ہیں، اور یہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مدرسہ تھا اس کے دن بھی پھرے۔ چنانچہ بارہ سال بعد اس کے لئے ایک مستقل آراضی خرید کر اس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کیا۔ اب بحمد اللہ مدرسہ عربیہ مدینتہ العلوم بجنور ضلع کا سب سے بڑا دینی مدرسہ ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ اسی مدرسہ کا ایک شعبہ مدنی دار الافتا ہے جو نہ صرف ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی جانا پہچانا جاتا ہے۔

یہ تعجب ہوگا کہ اس مدرسہ کے قیام میں کسی سرمایہ داری کو دخل نہیں بلکہ فقر و فاقہ اور تمام قسم کے مصائب و آلام اس کی بنیادوں میں بسے ہیں اور سرمایہ داری زمینداری، صاحبزادگی اور پیرائیت کے تند و تیز جھونکوں نے اس کے حق میں وہی کام کیا ہے کہ جو سبزۂ نورستہ کے ساتھ تیز ہوائیں کرتی ہیں کہ اس کی ہر حرکت کے ساتھ سبزہ کو نمو حاصل ہوتا ہے اور انجام کار ہوائیں غائب ہو جاتی ہیں اور سبزۂ نورستہ ایک دن سایہ دار تناور درخت بن جاتا ہے اور پھر باد مخالف اس سے ٹکرا کر فنا ہو جاتی ہے اور یہ اپنی جگہ موجود رہتا ہے اور مخلوق اس کے سایہ سے فائدہ حاصل کرتی ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح اس ملک کو سرمایہ دارانہ اور زمیندارانہ ذہنیت سے نقصان پہونچا ہے اسی طرح ان دونوں ذہنیتوں اور نظام صاحبزادگی نے دین کی جڑوں کو اکھاڑ ڈالا ہے اور وہ ذوات انتہائی منحوس ہیں کہ جن کی وجہ سے اخوتیت عناد اور انتشار کا بادہ اوڑھ لیتی ہے۔ بہر حال یہ مدرسہ اس ضلع میں خدا کی بڑی رحمت ہے اور اس کے دین کا بڑا کام کر رہا ہے

لکھنے کا کام نہ میں نے کسی سے سیکھا اور نہ اب اس کی مشق کی کیونکہ اس کے بارے میں میرا ذہن یہ ہے کہ آدمی کو کسی فن میں کمال حاصل ہونا چاہیے خصوصاً فقہ میں

تو اس کو سب کام آسان ہو جاتے ہیں، اس لیے میں نے کبھی مضامین نویسی کی کوشش نہیں کی۔ بجنور آیا تو یہاں مدینہ اخبار موجود تھا۔ ۱۹۵۶ء میں اس کا سیرت نمبر شائع ہوا تو پروفیسر اجمل کی سیرت قرآنیہ کا ایک قابل اعتراض حصہ شائع ہوا۔ حضرت شیخ الاسلام کے امر سے میں نے اس کا جواب لکھا۔ یاد رہے میں نے کبھی کوئی کام اپنی مرضی سے شروع نہیں کیا۔ حضرت کی حیات میں ان کے امر سے اور ان کے بعد مختلف دوستوں اور بزرگوں کے اصرار پر شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی میں برکت دی۔

ناحق شناسی ہوگی کہ مدینہ اخبار کا اگر شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ اس نے میرا تعارف کرانے میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا وہ برابر مدینہ اخبار میں شائع ہوتا رہا ہے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ اعزازی طور پر اس کی ادارت کے اہم فریضہ کو میں نے انجام دیا ہے۔

تحریری کام کا پھیلاؤ اور اس کی اشاعت مجھ جیسا کم مایہ انسان ہی نہیں کر سکتا لیکن فضل خدا کہ ایک درجن کے قریب میری کتابیں شائع ہوئیں جو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بہت سے ملکوں میں معروف ہوئیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

باوجود اخبار میں ایک مدت کام کرنے کے مجھے سیاسی دنیا سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ اس سے علیحدہ رہا ہوں بلکہ اپنی خدمت کے لئے میں نے ہمیشہ مذہبی میدان کو اپنایا ہے چنانچہ تبلیغی جماعت میری محبوب ترین جماعت ہے اور اس کام کو میں اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے باعث فلاح سمجھتا ہوں جمعیۃ علماء ہند یا کسی دوسری جماعت سے میں نے علیحدہ رہنے ہی کو پسند کیا ہے اور اگر کبھی موقعہ پر کسی درجہ میں شرکت ہوئی ہے تو وہ احباب کی خاطر داری کی وجہ سے میرے نزدیک تبلیغی کام کے اختیار کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔ اور اس کام پر مجھے شرح صدر ہے

غم عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
ترے درد نے بنا دی مری زندگی فسانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

امامِ اعظم ابوحنیفہ
قرآن پاک کی روشنی میں

السابقون الاولون من	مہاجرین اور انصار میں سابقین اولین
المہاجرین والانصار	اور جن حضرات نے ان کی نیکیوں میں
والذین اتبعوھم باحسان	اتباع کی اللہ نے ان سب کو پسند کیا
رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ	اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے

افضل التابعین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہو بے پردہ روحِ قرآنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

افضل التابعین امام اعظم ابو حنیفہ رض

حدیث شریف کی روشنی میں

رجل من ابناء فارس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسکو وہاں سے اتار لائیگا
(مسلم)

بالاتفاق اس حدیث کا مصداق ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہیں
(سیوطی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حیاتِ امامِ اعظم

ابو حنیفہ

رضی اللہ عنہ

مآخذ و حوالہ جات

کتاب	مصنف	کتاب	مصنف
قرآن پاک		مناقب	موفق
احادیث نبویہ		"	کردری
حدائق الحنفیہ	از مولانا فقیر محمد صاحب	طبقات	ابن سعد
ابو حنیفہ	ابو زہرہ مصری	جامع صحیح	بخاری
خیرات الحسان	علامہ ابن حجر مکی	عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین
سیرت النعمان	علامہ شبلی	ترجمان السنہ	مولانا بدر عالم میرٹھی
فتح الباری	حافظ ابن حجر	نصب الرایہ	علامہ جمال الدین زیلعی
معجم المصنفین	علامہ شیخ محمود حسن خاں ٹونکی	البنایہ	علامہ بدر الدین عینی
نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر	ہدایہ	علامہ کمال الدین
تنسیق النظام	مولانا محمد حسن سنبھلی	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
اوشحۃ الجید	مولانا شوق نیموی	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ
اوجز المسالک	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب	ریاض المرتاض	نواب صدیق حسن صاحب
مناقب	ذہبی	الجواہر المضیہ	علامہ ابن ابی الوفا
نزہۃ النظر	حاشیہ	مبدا و معاد	حضرت مجدد الف ثانی

حیات امام اعظم ابو حنیفہ رض

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

نعمان کا تذکرہ ہمارے لئے بار بار کرو، کیونکہ وہ ایک مشک ہے جس کی تکرار سے خوشبو پھیلے گی۔ (امام شافعی)

نام و نسب نام نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب بالاتفاق امام اعظم ہے۔ آپ کی کنیت "ابو حنیفہ" کسی اولاد کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ کنیت وصفی ہے یعنی ابا الملۃ الحنفیۃ" اور بوجہ آیۃ مبارکہ

واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا۔ الآیۃ — ابراہیم حنیف کی ملت کا اتباع کرو

آپ نے اپنی کنیت "ابو حنیفہ" اختیار فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے اُسے شرف قبولیت بخشا جس کی وجہ سے اصل اسم "نعمان" پر غالب آگئی۔ قبولیت اور پسندیدگی کا پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے "کنیت" کے ساتھ ایک لقب "امام اعظم" کو بھی شہرت دوام بخشی۔

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء الآیۃ — یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے

آپ کا سن ولادت متفق علیہ اور مشہور روایت کی بنا پر ۸۰ھ ہے۔ علامہ موفق اور دیگر مؤرخین و محدثین اور اصحابِ سیر اور اصحاب الرجال نے مختلف اسناد سے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ دوسری روایت ۶۱ھ کی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ اول الذکر روایت کے متعلق فرماتے ہیں:

الصحیح ھی الروایۃ الاولیٰ وھی المجمع علیہا [1] — صحیح روایت پہلی ہی ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے

---

[1] مناقب ص ۵ ج ۱

امام صاحبؒ نسلاً فارسی ہیں سلسلہ نسب یہ ہے :-

نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان بن قیس بن یزدگرد بن شہریار بن نوشیروان[1]

بعض نے آپ کو عربی النسل بتلایا ہے[2] لیکن صحیح یہی ہے کہ آپ فارسی ہیں۔ مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ غلام خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یا آپ کے اجداد غلام تھے[3] اس کے ثبوت میں حافظ ابن حجر مکی صاحب خیرات الحسان نے ایک روایت آپ کے پوتے یعنی اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے اس طرح نقل کی ہے :-

واللہ ما وقع لنا رق قط[4] خدا کی قسم ہم کبھی غلام نہیں تھے

اسی روایت کو جمہور علماء و مورخین نے اختیار کیا ہے علامہ شبلی کی تحقیق بھی بہت خوب ہے فرماتے ہیں :-

خطیب مورخ بغدادی نے امام صاحب کے پوتے اسماعیل کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں، کبھی کسی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ ؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ان کے اور ان کے خاندان کے حق میں دعاء کی ہے۔ اُمید ہے کہ وہ دُعا بے اثر نہیں ہے۔

اسماعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان تبلایا ہے اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی

---

[1] حدائق الحنفیہ صکا۔ [2] ابو زہرہ ص۱۳ [3] صاحب اتحاف النبلاء نے امام صاحب کو رقیت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن دلیل میں کوئی روایت پیش نہیں کی۔ [4] خیرات الحسان

کے باپ کا نام غالباً کچھ اور رہو گا، ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک مشہور اور معزز خاندان تھا[1]۔ فارسی میں رئیس خاندان کو مرزبان کہتے ہیں۔ اسی لئے قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں۔ امام حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہونگے، کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے۔ لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک ہی معنی ہیں دراصل وہی "مہہ" ہے جس کے معنی "بزرگ" اور سردار کے ہیں مشہور مصرعہ ہے

نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے "مہہ" کو "ماہ" کر دیا ہے[2]۔

لیکن وہ روایات کہ جن کو بعض مورخوں نے بیان کیا ہے "وہ زوطی کابل سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور قبیلہ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید لیا تھا۔" واہیات اور کمزور اور بے اصل ہیں۔ بالفرض اگر صاحب اتحاف النبلا کے اعتراض کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو کیا ہوا۔ کیونکہ معیار شرافت تقویٰ ہے نہ کہ نسب، قرآن میں ارشاد ہے

اکرمکم عند اللہ اتقکم	تم میں شریف ترین اللہ کے نزدیک
الآیتہ	تمہارے سب سے زیادہ متقی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

اولی بی المتقون من کانوا	مجھ سے نزدیک تر متقی ہیں جو بھی ہوں
وحیث کانوا	اور جہاں بھی ہوں۔

پھر بقول علامہ جلال الدین سیوطی کہ حدیث "لو کان الدین کے مصداق امام صاحب ہیں۔ اب کسی مزید دلیل فراہم کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پھر حضرات صحابہؓ میں بہت سے صحابہ غلام تھے۔ حضرت بلالؓ کے مقابلہ میں اُمت میں کس حر کو پیش

[1] سلسلۂ نسب سے معلوم ہوا کہ آپ شاہی خاندان سے تھے عجب اتفاق ہے کہ شہنشاہان عالم نے بھی آپ ہی کے فقہ پر اپنی حکومتوں کو قائم کیا۔ [2] سیرۃ النعمان صلا

کیا جا سکتا ہے؟ یا کفار مکہ کے سرداروں میں کس کا نام لیا جا سکتا ہے؟ ؎

ابو لهب فی ذاق الحسن لم یکن علی بلال اسود اللون حاله

ابولہب حسین ترین ہونے کے باوجود حضرت بلال سیاہ ترین پر فوقیت نہ لے سکا

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خاک کے پردے میں ہیرے کی کنی ہوتی ہے

حضرات تابعین اور آئمہ کرام کی ایک کثیر تعداد غلام تھی۔ عطا بن ابی رباح ربیعۃ الرائے، نافع، طاؤس ابن کیسان، ابن ابی کثیر، میمون بن مہران، مکحول ضحاک بن مزاحم، حسن ابن سیرین وغیرہم۔ لہٰذا اب اس اعتراض کی حقیقت کہ امام ابو حنیفہ مولیٰ ہیں تار عنکبوت کے سوا کچھ نہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض روایات میں امام ابو حنیفہؒ کے نام کے ساتھ "لفظ مولیٰ" ملتا ہے لیکن اس کا تاریخی پس منظر کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:۔

لفظ مولیٰ اور اُسکا پس منظر

اہل عرب اس کا استعمال بہت سے معنی میں کرتے ہیں مثلاً مولیٰ بمعنی "آقا" مولیٰ بہ معنی "غلام"۔ مولیٰ بمعنی "حلیف"۔ لیکن اصطلاحاً مورخین نے اس کا اطلاق غیر عرب پر کیا ہے۔

هو الاسم الذی اطلقه المؤرخون علی غیر العرب ۔ مولیٰ ایک اسم ہے جس کا اطلاق مورخوں نے عجمیوں پر کیا ہے۔

اور حضرات تابعین کے زمانے میں یہ لفظ فضلائے کرام کے لیے بھی مستعمل تھا۔

هم حملة الفقه فی عصر التابعین ۔ موالی عصر تابعین میں اہل فقہ ہیں

لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ تابعین کے زمانہ میں تمام اہل فقہ کو "موالی" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا؟ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں اہل عرب فتوحات میں زیادہ مشغول تھے اور اسلامی سلطنت کی حدود روز بروز وسیع تر ہو رہی تھیں عربوں کو عجمی شہروں اور اہل عجم کو عربی امصار میں آنے جانے کے مواقع کثرت سے بخش

لے ابو زہرہ صفحہ ۱۶۱ ۲ ایضاً

آتے تھے اور اسی ضمن میں فریقین کے دوستانہ تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے ایسے تعلقات کو اہل عرب "ولا" اور ایسے اشخاص کو "موالی" کہتے تھے۔ لہذا اگر زوطی (امام کے دادا) نے بھی کسی عرب سے یہی رشتہ قائم کر لیا ہو تو کیا بعید ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس زمانہ میں علماء و فقہا ہی موالی کیوں تھے؟ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ اہلِ عرب کو فتوحات اور امور حکمرانی سے فرصت نہیں تھی جو وہ علم کی طرف توجہ کرتے اور اس وقت تک علم حدیث، علم فقہ اہل عرب کے نزدیک فن کے درجہ میں شمار نہیں ہوتے تھے مگر اہل عجم کے نزدیک ان کی حیثیت ایک مستقل فن کی تھی۔ اور وہ ان کو فن ہی کی طرح سیکھتے تھے لہذا اس وقت اہل عجم کو اسی علمی شرافت کی وجہ سے اگر "موالی" شرار کہا گیا تو بہت خوب کہا گیا۔

امام صاحب کا مولد آپ کا مولد کوفہ ہے اس وقت کوفہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں کوفہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے:-

> کوفہ عہد فاروقی ۱۷ھ میں بحکم امیرالمومنین حضرت فاروق اعظمؓ تعمیر کیا گیا اور اس کے اطراف میں فصحائے عرب آباد کئے گئے۔ اور سرکاری طور پر یہاں کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تقرر ہوا۔ انکی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل کوفہ کو اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا تھا "ابن مسعودؓ کی مجھے یہاں خاص ضرورت تھی، لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھتے ہوئے ان کو بھیج رہا ہوں" حضرت ابن مسعودؓ نے کوفہ میں حضرت عثمانؓ کے آخر وقت تک لوگوں کو قرآن پاک اور مسائل دینیہ کی تعلیم دی حضرت ابن مسعودؓ کی اس جدوجہد اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس شہر میں چار ہزار علماء اور محدثین پیدا ہو گئے۔ حضرت علیؓ جب کوفہ پہنچے تو اس شہر کے علمی ماحول کو دیکھ کر فرمایا "اللہ تعالیٰ بھلا کرے ابن مسعودؓ کا کہ انھوں نے اس شہر کو علم سے بھر دیا" اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت سعید بن

جبیرؓ یہاں ایسے تھے کہ جب حضرت ابن عباسؓ سے کوفہ کا کوئی آدمی مسئلہ دریافت کرتا تو فرماتے "کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیرؓ نہ تھے جو یہاں دریافت کرنے آئے۔ اسی کوفہ میں مشہور تابعی "امام شعبی" رہتے تھے انکے متعلق حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے "باوجودیکہ ہم غزوات میں حضور صلعم کے ساتھ شریک رہے لیکن ان کی یادداشت جتنی ان کو ہے ہم کو نہیں"۔ حضرت ابراہیم نخعی کا قیام بھی کوفہ ہی میں رہا۔ ان کے بارے میں علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اصحاب نقد کے نزدیک ان کے مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کا زمانہ پایا ہے۔ ابو عمران نے ان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ "ابراہیم نخعی اپنے زمانے کے تمام علماء سے افضل ہیں" ۹۵ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ابو عمران نے ایک شخص سے کہا کہ آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ انسان کو سپرد خاک کر دیا ہے، اس نے کہا کیا حسن بصری رضؓ سے بھی زیادہ! فرمایا بلکہ تمام اہل بصرہ اور اہل کوفہ، اہل شام، اہل حجاز سے بھی زیادہ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر میں پندرہ سو صحابہ رضؓ کا قیام رہا ہے جن میں ستر اصحاب بدری تھے۔ علاوہ ازیں حضرت علقمہ کا قیام بھی اسی شہر میں تھا۔ رامہرمزی نے اپنی کتاب الفاصل میں قابوس سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں اور یہ تو حضرت ابن مسعود رضؓ کے شاگرد ہیں۔ فرمایا، جان پدر! میں خود ان کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو مسائل دریافت کرنے کے لئے آتے جاتے دیکھتا ہوں۔

قاضی شریح یہاں کے مشہور قاضی رہ چکے ہیں ان کے بارے میں حضرت علیؓ کا بیان ہے شریح اٹھو! اور فیصلہ کرو! کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر

قاضی ہوان کے علاوہ ۳۳ حضرات اور بھی یہاں رہتے تھے جو اصحاب رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں اصحاب فتویٰ تھے۔

اس دور کے بعد ان حضرات کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز تھی۔ ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لئے تنہا عبد الرحمٰن ابن الاشعث کے ساتھ چار ہزار کی تعداد میں قرا تابعین تھے۔ رامہرمزی انس ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ پہونچا تو اس وقت وہاں چار ہزار محدثین اور چار سو فقہا موجود تھے۔ عفان ابن مسلم[ا] سے روایت ہے کہ جب ہم کوفہ پہونچے تو وہاں ہم نے چار ماہ قیام کیا۔ حدیث کا وہاں اس قدر چرچا تھا کہ اگر ہم حدیثیں لکھنا چاہتے تو ایک لاکھ لکھ سکتے تھے لیکن ہم نے صرف ۵۰ ہزار پر اکتفا کیا اور یہ حدیثیں وہ ہیں جو جمہور کے نزدیک مسلم ہیں۔

کوفہ کی اس مختصر علمی اور تاریخی داستان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث اور رجال کی کتابوں میں بیشتر رواۃ کوفہ ہی کے کیوں ہیں؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں متعدد بار حدیث حاصل کرنے کوفہ گیا ہوں[۲]۔ اہل کوفہ کی علمیت سے متاثر ہو کر امام ترمذی نے اکثر جگہ اہل کوفہ کے مذہب کا ذکر کیا ہے۔ یہی شہر امام صاحب کا مولد ہے جہاں سے ہمیشہ علوم نبوت کی نشر و اشاعت ہوئی ہے۔ لہذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حنفی فقہ احادیث کے خلاف ہے یا محض قیاس پر مبنی ہے۔ وہ ان مشہور تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

امام صاحب نے اپنے زمانہ میں کوفہ کا کوئی تابعی اور صحابی ایسا نہیں چھوڑا جس سے ملاقات نہیں کی۔ پھر آپ سے بہت سے تابعین نے روایات نقل کی ہیں۔

[ا] آپ امام احمد اور امام بخاری کے اُستاذ ہیں [۲] فتح الباری

تابعیتِ امام اعظم

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے سوانح نگاروں کے درمیان آپ کی تابعیت کا مسئلہ بہت اہم شمار کیا گیا ہے اور مخالفین وموافقین نے بھی اس کے نفی واثبات میں بہت کافی زور صرف کیا ہے۔

یہ معرکہ اگرچہ آج کل کی روشنی خصوصاً غیر قوموں میں لفظی منازعت کی حیثیت رکھتا ہو تو ہو لیکن اس سے مسلمانوں کی اپنے پیغمبر سے والہانہ عقیدت اور محبت اور قرآن کریم سے بے پناہ تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

السّابقون الاوّلون من المھٰجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ الآیتہ۔	سب سے پہلے ایمان لانیوالے مہاجرین اور انصار اور اُنکی نیکیوں میں جنھوں نے اتباع کی اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

آخر جن لوگوں کو خداوند عالم کی طرف سے یہ شرافت اور بزرگی حاصل ہوئی ہو ان کے اعزاز واکرام کی کنہ کو کون پہونچ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

طوبیٰ لمن رأنی ولمن رآءٰ من رأنی	مبارک ہو جس نے مجھے دیکھا اور میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

آخر اس نسبت میں کچھ تو خیر وبرکت ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے:

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم الحدیث	مبارک تر میرا زمانہ ہے اور پھر اس سے متصل اور پھر اس سے متصل

اسی قسم کی آیات و احادیث سے حضرات صحابہ رضؓ و تابعین کے مقام کی رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی مرتبہ کی رفعت کی طرف حضرت مجدد الف ثانی رحؒ نے اپنے مکتوبات میں اشارہ کیا ہے:۔

فضیلت میں اویس قرنی رحؒ حضرت معاویہ رضؓ کے گھوڑے کی ناک میں اس گرد کے برابر نہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جہاد کی شرکت میں بیٹھ گئی تھی۔

بہرحال حضرات صحابہ رضؓ کے بعد حضرات تابعین ہی کا مرتبہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ تابعی ہیں یا نہیں، یہ مسئلہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آپ کا سن پیدائش ۸۰ھ اور دوسری روایت کی بنا پر ۶۱ھ ہے اور حضرات صحابہ رضؓ کی جماعت میں سب سے آخر وفات پانے والے ابو الطفیل (مکہ معظمہ) ۱۱۰ھ میں اور امام صاحب کا سن وفات ۱۵۰ھ (غالباً) ہے۔ لہٰذا ۸۰ھ تا غایۃ ۱۱۰ھ یا ۶۱ھ تا غایۃ ۱۱۰ھ ۳۰ اور ۵۱ سال کی مدت میں کتنے صحابہ رضؓ موجود ہوں گے جن سے امام صاحب کی ملاقات کے قوی امکانات ہیں۔ پہلی روایت (۳۰ سالہ مدت) میں مندرجہ ذیل حضرات صحابہ رضؓ کی ملاقات کے قوی امکانات موجود ہیں۔

حضرات صحابہ رضؓ جن کا زمانہ امام صاحب نے پایا

۱۔	حضرت انس بن مالک	متوفی ۹۳ھ
۲۔	حضرت عبداللہ بن ابی اوفی	" ۸۷ھ
۳	" سہل بن سعد رضؓ	" ۸۸ھ
۴	" ابو الطفیل رضؓ	" ۱۱۰ھ یا ۱۰۰ھ
۵	" واثلہ بن الاسقع رضؓ	" ۸۵ھ
۶	" مقدام بن معدیکرب رضؓ	" ۸۷ھ
۷	" ابو امامہ باہلی رضؓ	" ۸۶ھ

۸	حضرت عمرو بن حریث رضؓ	متوفی	سنہ ۸۵ھ
۹	〃 عبداللہ بن بسر رضؓ	〃	سنہ ۸۸ھ یا سنہ ۹۶ھ
۱۰	〃 بسر بن ارطاۃ رضؓ	〃	سنہ ۸۶ھ
۱۱	〃 عبداللہ بن حارث بن جزء رضؓ	〃	سنہ ۸۵ھ یا سنہ ۸۶ھ یا سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۸۸ھ یا سنہ ۹۹ھ [2]
۱۲	〃 عتبہ بن عبد السلمی رضؓ	〃	سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۹۰ھ
۱۳	〃 اسعد بن سہل رضؓ	〃	سنہ ۱۰۰ھ
۱۴	〃 سائب بن یزید رضؓ	〃	سنہ ۹۱ھ
۱۵	〃 طارق بن شہاب بجلی کوفی رضؓ	〃	سنہ ۸۲ھ یا سنہ ۸۳ھ
۱۶	〃 عبداللہ بن ثعلبہ رضؓ		سنہ ۸۷ھ یا سنہ ۸۹ھ
۱۷	〃 عبداللہ بن الحارث بن نوفل	〃	سنہ ۹۹ھ
۱۸	〃 عمر بن ابی سلمہ رضؓ	〃	سنہ ۸۳ھ
۱۹	〃 مالک بن حویرث رضؓ	〃	سنہ ۹۴ھ
۲۰	〃 محمود بن لبید رضؓ	〃	سنہ ۹۶ھ
۲۱	〃 مالک بن اوس رضؓ	〃	سنہ ۹۲ھ
۲۲	〃 قبیصہ ابن ذویب رضؓ		سنہ (تقریب)

جناب حافظ المزی نے بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کی ملاقات ۲۰ صحابہ رضؓ سے ہوئی ہے [1] تاہم بقید سن وفات حضرات کی فہرست ہم نے پیش کر دی منصف مزاج اہلِ علم تو امام صاحب کی تابعیت سے انکار نہیں کر سکتے، اور دوسروں کو ہم قابلِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

تابعی کی تعریف

امام صاحب کی تابعیت کے متعلق اختلاف، تابعی کی تعریف کے اختلاف پر مبنی ہے۔ بعض حضرات نے رویت کے ساتھ روایت کی بھی شرط لگائی ہے لیکن یہ قید صحیح نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے صرف

---

[1] معجم المصنفین ص۲۳ ج۲۔ [2] حضرت عبداللہ بن حارثؓ کے سن وفات میں جس قدر اختلاف ہے وہ ہم نے ذکر کر دیا لیکن برہان الاسلام حسین بن علی بن حسین غزنوی نے جزم کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کا سن وفات سنہ ۹۹ھ ہے (مقدمہ مسند امام اعظم ص۹۹ مطبوعہ کراچی)

رویت ہی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جس کی بنا پر جمہور نے صحابی رض اور تابعی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

من لقی النبی صلعم مومنا بہ وماتت علی الاسلام ولو تخللت ردة
صحابی وہ ہے جس نے بحالت ایمان حضورؐ سے ملاقات کی اور اسلام پر وفات پائی، اگرچہ درمیان میں ارتداد پیش آگیا ہو۔[1]

اس تعریف میں صرف ملاقات کا اعتبار کیا گیا ہے اگر اس کے ساتھ روایت کی قید کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرات صحابہ رض کی کثیر تعداد رتبہ صحابیت سے نکل جائے گی جس کو کوئی بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور تابعی کی تعریف صحابی رض کی تعریف سے ماخوذ ہے۔

التابعی وھو من لقی الصحابی[2]
تابعی وہ ہے جس نے صحابی سے ملاقات کی

حافظ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان میں اسی تعریف کو اکثر محدثین کا مسلک قرار دیا ہے اسی تعریف کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی بیان فرماتے ہیں

ھذا ھو المختار خلافاً لمن اشترط فی التابعی طول الملازمة وصحة السماع
یہ بہترین تعریف ہے ہاں ان کے خلاف ہے جو تابعی کے لئے طول صحبت اور صحت سماع کی قید لگاتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن نے حافظ ابن حجر کی تصویب کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

علامہ عراقی کہتے ہیں کہ اسی تعریف پر اکثر علماء کا عمل ہے اور یہی معتبر ہے کیونکہ حضور صلعم نے اپنے ارشاد میں اسی طرف اشارہ کیا ہے طوبی لمن رأنی وآمن بی وطوبی لمن رأی من رأنی - اس حدیث میں محض رویت ہی کی قید ہے - میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی رو سے امام صاحب تابعین کے رشتہ میں منسلک ہیں اس لئے کہ آپ نے انس بن مالک رض اور دوسرے صحابہ رض کو دیکھا ہے (اس کے بعد فرماتے ہیں) جن لوگوں نے امام صاحب

---

[1] نخبۃ الفکر ص۱۰ [2] ایضاً ص۱۲ [3] نزہۃ النظر ص۲۳

کے تابعی ہونے کا انکار کیا ہے وہ متعصب اور کم فہم ہیں[۱]

لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر ابن حبان کی رائے قابل قبول نہیں ہے

امام صاحب تابعی ہیں

اس مختصر تمہید کے بعد امام صاحب کی تابعیت کا مسئلہ ہے جس کا مجملاً ذکر تو سطور بالا میں آچکا ہے مگر یہاں قدرے تفصیل انسب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

ادرک الامام ابو حنیفہ جماعۃ من الصحابۃ لانہ ولد بالکوفۃ سنۃ ثمانین من الھجرۃ وبھا یومئذٍ من الصحابۃ عبد اللہ بن ابی اوفی فانہ مات بعد ذلک بالاتفاق وبالبصرۃ یومئذٍ انس بن مالک ومات سنۃ تسعین او بعدھا[۲]

امام صاحب نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے کیونکہ وہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور اس وقت کوفہ میں عبد اللہ ابن ابی اوفی موجود تھے اس لئے کہ بالاتفاق ان کا انتقال ۸۰ھ کے بعد ہوا ہے۔ اور بصرہ میں اس وقت حضرت انس موجود تھے اور انکا انتقال ۹۰ھ میں یا اس کے بعد ہوا ہے

حافظ صاحب فرماتے ہیں:۔

فھو بھذا الاعتبار من التابعین

اس وجہ سے امام صاحب تابعین میں سے ہیں

علامہ عسقلانی نے بخاری کی شرح میں باب الصلوٰۃ فی الثیاب کے تحت بیان فرمایا ہے کہ یہی جمہور کا مسلک ہے

حافظ ذہبی فرماتے ہیں:۔

انہ رای انس بن مالک مراراً[۳]

امام صاحب انس بن مالک کو چند بار دیکھا ہے

غرضکہ ائمہ فن مثلاً خطیب بغدادی ابن جوزی، مزی، یافعی، عراقی، ذہبی، ابن حجر قسطلانی، سیوطی وغیرہ حضرات امام صاحب کی تابعیت پر متفق ہیں[۴]۔ علامہ ابن حجر مکی نے شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا ہے:۔

ادرک الامام الاعظم ثمانیۃ من الصحابۃ[۵]

امام صاحب نے آٹھ صحابہ سے ملاقات کی ہے[۶]

---

[۱] نزہۃ النظر ص۱۹ [۲] تنسیق النظام ص۱ [۳] ایضاً [۴] خیرات الحسان [۵] ذخیرۃ المجید ص۲۵ [۶] تنسیق النظام ص۱۰

جن آٹھ یا دس صحابہ رضؓ سے امام صاحب نے ملاقات کی ہے اُنکے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱	انس بن مالک رضؓ	متوفی	۹۳ھ
۲	عبداللہ بن ابی اوفی رضؓ	"	۸۷ھ
۳	سہل بن سعد رضؓ	"	۸۸ھ
۴	ابو طفیل رضؓ	"	۱۱۰ھ
۵	عبداللہ بن انیس	"	۸۲ھ
۶	عبداللہ بن جزء الزبیدی	"	۹۹ھ
۷	جابر بن عبداللہ	"	۹۴ھ
۸	عائشہ بنت عجرد رضؓ		سنہ
۹	واثلہ بن الاسقع		۸۵ھ
۱۰	معقل بن یسار رضؓ		سنہ ھ

دارقطنی نے کہا ہے کہ آپ نے صرف انس بن مالک رضؓ کو دیکھا ہے۔ ابو طفیل وغیرہ کو نہیں دیکھا، لیکن دارقطنی کی یہ رائے انصاف اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ بقول صاحب درمختار آپ نے ۵۵ حج کئے ہیں۔ پندرہ حج حضرت ابو طفیل (مکہ معظمہ) کی حیات میں کئے ہیں اور حضرت ابو طفیل کا انتقال سنہ ۱۱۰ھ میں ہوا ہے اور امام صاحب کی پیدائش سنہ ۸۰ھ وفات سنہ ۱۵۰ھ ہے یعنی آپ ۷۰ سال حیات رہے۔ ۱۵ سال کی عمر میں پہلا حج اپنے والد صاحب کی معیت میں کیا ہے[1] ۔ لہذا عقل دارقطنی کے قول کو کس طرح تسلیم کرے کہ حضرت ابو طفیل مسجد حرام میں تشریف رکھتے ہوں، امام صاحب بالغ بھی ہوں اور پھر بھی صحابی کی ملاقات سے گریز کرتے رہیں؟ اس مدت میں تو سماع حدیث بھی یقینی ہے ؎

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے	ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

---

[1] اوجز ۵۹/۱ج تحریر فرماتے ہیں کہ اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیے اوجز۔

ان وجوہات کی بنا پر ابن سعد کی رائے نہایت قیمتی ہے

فھو بھذا الاعتبار من طبقۃ التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمۃ الامصار المعاصرین لہ کالاوزاعی بالشام والحمادین بالبصرۃ والثوری بالکوفۃ ومالک بالمدینۃ ومسلم بن خالد الزنجی بمکۃ واللیث بن سعد بمصر[1]	امام صاحب اس اعتبار سے تابعین کے طبقہ میں سے ہیں۔ یہ خصوصیت آپ کے معاصر ائمہ میں سے کسی کو حاصل نہیں مثلاً اوزاعی کو شام میں حماد بن زید اور حماد بن سلمہ (بصرہ) ثوری (کوفہ)، مالک (مدینہ) مسلم ابن خالد (مکہ)، لیث بن سعد (مصر) میں

یعنی جس قدر امام صاحب کو حضرات صحابہ رض کی ملاقات کے مواقع حاصل ہوئے دوسروں کو نہیں۔ حضرت انس رض کی ملاقات کا معاملہ تو مخالفین کو بھی تسلیم ہے۔ علامہ ذہبی نے اس بارے میں امام صاحب کا قول بہ سند نقل کیا ہے[2]۔ علامہ کردری اور علامہ موفق نے اپنی اپنی کتابوں میں امام صاحب کے مرویات کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد پچاس تبلائی ہے، علامہ خوارزمی فرماتے ہیں :۔

اتفق العلماء علی انہ روی عن اصحاب رسول اللہ صلعم لکنھم اختلفوا فی عددھم[3]	علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام صاحب نے صحابہ رض سے روایات نقل کی ہیں لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے ۲۰ بعض نے ۶، اور بعض نے مرویات کی تعداد ۷ تبلائی ہے۔ علامہ کردری نے ان حضرات صحابہ رض کے نام بھی شمار کرائے ہیں۔ مثلاً انس ابن مالک عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابوطفیل حضرت عامر ابن واثلہ حضرت واثلہ بن اسقع حضرت معقل بن یسار حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم علامہ موصوف نے ان روایات کو درایۃ بھی ثابت کیا ہے اور وہ قرائن بھی ذکر کردیئے ہیں کہ جن کی وجہ سے صاحب فہم کو اعتراف ہی کرنا پڑتا ہے اس میں بھی شک نہیں ہے کہ محدثین کرام نے ان مرویات پر اعتراض بھی قائم کئے ہیں لیکن

---

[1] تبییض ص۱ [2] مناقب از ذہبی ص۸ [3] تبییض ص۱

قد بیّنا ان الامکان ثابت والنا قل عدل المثبت اولیٰ من النافی ۱؎	ہم نے بیان کر دیا کہ امکان موجود ہے اور ناقل عادل ہے اور منفی کے مقابلہ میں مثبت کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

اور ہم مثبت کی پوزیشن میں ہیں اس لئے ہمارے دلائل کو زیادہ تقویت حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جن کو امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

کفی نعمان فخراً ما رواہ — من الاخیار عن غرر الصحابۃ

بہرسال روایت کی شرط کے مطابق بھی امام صاحب کی تابعیت سے انکار محال ہے ورنہ متفق علیہ تعریف کی رو سے تو کوئی اشکال ہی باقی نہیں رہتا۔ امام صاحب نے حضرت عبداللہ بن جزء بن الحارث سے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

قال ابو حنیفۃ ولدت سنۃ ثمانین سنۃ وحججت سنۃ ست وتسعین وانا ابن ست عشرۃ سنۃ فلما دخلت مسجد الحرام ورایت حلقۃ عظیمۃ فقلت لابی حلقۃ من ھذہ فقال حلقۃ عبد اللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی صاحب النبی صلعم فتقدمت فسمعتہ یقول سمعت رسول اللہ صلعم یقول من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ ھمہ ویرزقہ من حیث لا یحتسب ۳؎	امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ۸۰ھ میں پیدا ہوا اور اپنے والد کے ہمراہ ۹۶ھ میں حج ادا کیا، اس وقت میری عمر ۱۶ سال کی تھی جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا تو میں نے ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ تب میں نے اپنے والد سے دریافت کیا۔ یہ حلقہ کس کا ہے تو میرے والد نے کہا حضرت عبداللہ بن حارث صحابی رضؓ کا ہے۔ میں آگے بڑھا اور ان کو میں نے یہ کہتے سنا کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے جس نے فقہ فی الدین حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد کا ذمہ دار ہوگا، اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائیگا جہاں سے اس کو گمان نہ ہوگا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں بیان کیا جا چکا ہے حضرت عبداللہ بن حارث کی وفات ۹۹ھ

۱؎ کردری ص۱۲ ج ۱ ۲؎ معجم المصنفین ص۲۶ ج ۲ ۳؎ مسند امام اعظم

اور اس وقت امام صاحب کی عمر ۹ سال کی تھی۔ دوسری حدیث صاحب اعلام الاخیار نے نقل کی ہے جس کو انھوں نے حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے وہ حدیث یہ ہے

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ　　علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے

تیسری حدیث بروایت حضرت انس رضؓ یہ ہے

لو وثق العبد باللہ تعالیٰ ثقۃ الطیر لرزق کما یرزق الطیر تغدو خماصاً و تروح بطاناً　　اگر بندہ خدا پر پرندہ کی طرح اعتماد کرے تو وہ اس کو پرندہ کی طرح رزق دیتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس ہوتے ہیں

چوتھی حدیث حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کی ہے وہ یہ ہے:۔

من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ　　جو اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اسکے لئے جنت میں گھر بناتا ہے

ان احادیث میں امام صاحب پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ انکی عمر ۵ سال یا ۹ سال یا ۱۱ سال کی تھی لیکن اہل اصول کے نزدیک ۵ سال کی عمر میں سماع حدیث درست ہے چنانچہ امام بخاری نے محمود بن ربیع کی روایت پانچ برس کی عمر میں قبول کی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث طلب العلم کے بارے میں محدثین نے بہت زیادہ کلام کیا ہے ابن جوزی نے تو موضوع تک کہہ دیا ہے تاہم مرتبہ حسن سے اس حدیث کو ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر ضعیف یا معلل قرار دیا جائے تو اسکا یہی جواب زیادہ مناسب ہے کہ امام صاحب کے بعد کے رواۃ میں ضعف ہو سکتا ہے اور دوسروں کا ضعف امام صاحب پر اثر انداز نہیں ہو سکتا

اس حدیث کو امام بیہقی نے ابن مسعود سے ابن عدی نے حضرت انس رضؓ سے طبرانی نے ابن عباس رضؓ سے اور خطیب اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضؓ سے روایت کیا ہے اور کسی نے بھی اس کے درجہ حسن سے انکار نہیں کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحؒ نے تو اسکو حدیث متواترہ میں شمار کرایا ہے ملا علی قاری نے فرمایا ہے کہ اس کو میں نے کم و بیش پچاس طرق سے جمع کیا ہے وہ سب کے سب صحیح ہیں لیکن ان تمام طرق میں سب سے زیادہ صحیح سند یہی ہے جو مسند امام اعظم میں ہے

(بقیہ) انتقام:

مختصر حالاتِ زندگی

سیاسی حالات

جس وقت امام ابو حنیفہ پیدا ہوئے اس وقت عبدالملک سر یرآرائے سلطنت تھا اور اس کی طرف سے حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر تھا۔ حجاج بن یوسف کا نام آجانے کے بعد اس وقت کے سیاسی حالات پر کسی خاص تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ اس نے اسقدر مظلوموں کو ناحق قتل کیا اور اس قدر صلحاء اور علماء کو تلوار کے گھاٹ اتارا کہ جس کی وجہ سے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ "اگر سب پیغمبروں کی اُمتیں اپنے اپنے بدکاروں کو پیش کریں اور ان سب کو ایک پلّہ میں رکھ دیا جائے اور ہم صرف حجاج بن یوسف ہی کو پیش کریں تو یقیناً ہمارا پلّہ بھاری رہے گا"۔ اسی طرح ابراہیم بن یزید نخعی نے اس کے انتقال کی خبر سنکر سجدہ شکر ادا کیا اور فرطِ مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔

ظلم و ستم کے ان بھیانک اندھیاروں سے خوف زدہ ہو کر صلحائے اُمت اور مقتدائے ملت گوشہ گیر ہو گئے تھے لیکن اگر کسی نے ذرا سی بھی جرأت دکھائی اسی نے اپنا سر موت کے آستانہ پر بھینٹ چڑھا دیا اور وہ اس طرح ان اندھیاروں سے نجات پا گیا۔

عبدالملک کا انتقال ۸۶ھ میں ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا۔ اس کے زمانہ میں زور دستی اور ظلم پروری کا تو وہی عالم تھا لیکن مسلمانوں کی حکومت کی حدود کابل اور قندھار تک پہونچ گئی تھیں۔ مگر اشاعت علم نبوت کا کوئی خاص بندوبست نہ تھا۔ علماء کرام انفرادی طور پر اپنے اپنے حجروں میں بیٹھے وراثت نبی صلعم کی حفاظت کر رہے تھے اور طالبان علم دین کو بہزار دشواری علم پہنچا رہے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۹۵ ج ۷

خدا خدا کر کے ۹۵ھ میں حجاج کا اور ۹۶ھ میں ولید کا انتقال ہوا۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک خلیفہ ہوا۔ اس کے بارے میں مورخین کی رائے ہے کہ "بنی اُمیہ میں سب سے بہترین خلیفہ ہوا ہے" اس کی لونڈی نے اپنے اشعار میں اس کی مدح کرتے ہوئے کہا ہے

(۱) تو بہترین دولت ہے کاش کہ تجھے بقا ہوتی مگر مجبوری ہے کہ انسان کے لئے بقا نہیں ہے۔

(۲) جہاں تک مجھے علم ہے تجھ میں کوئی عیب نہیں ہے بجز اسکے کہ تو فانی ہے[1]

۲۰ صفر ۹۹ھ کو سلیمان کا انتقال شہر وابق (قنسرین) میں ہوا اس طرح سلیمان ۲ سال اور ۵ دن کم آٹھ مہینہ خلیفہ رہا۔

سلیمان کی وصیت کے مطابق عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے ۱۰۱ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے زمانہ میں علم کی بہت زیادہ اشاعت ہوئی یہ خود بڑے زبردست عالم تھے اور علماء کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے ان کے زمانہ میں علما بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ ہی نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا تھا۔ اپنے عمال کو بھی اس کی تاکید کر رکھی تھی اور خود بھی علماء سے ربط قائم کر کے اس کام کو نہایت انہماک سے کیا۔ امام بخاری نے اسی کو اپنی جامع صحیح میں اس طرح بیان کیا ہے

کتب عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلعم فاکتبہ فانی خفت من دروس العلم و ذھاب العلماء[2]	عمر بن عبد العزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ حضور صلعم کی احادیث کو لکھو کیونکہ مجھے علم اور علماء کے اُٹھ جانے کا خوف ہے

اس واقعہ کے متعلق علامہ بدر الدین عینی نے بیان فرمایا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے یہ حکمنامہ اپنے زمانے کے تمام علمائے کرام کے پاس بھجوایا تھا جس کی وجہ سے ۱۰۰ھ میں تدوین حدیث کا کام شروع ہو گیا تھا[3]

---

[1] طبقات ابن سعد منتخبہ ۶۲ [2] بخاری شریف [3] عمدۃ القاری ص ۵۲۶ ج ۱

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو رہی ہے کہ خلیفہ عبدالملک اور ولید کے زمانے میں جس خوف نے علمائے کرام کو گوشہ گیر بنا دیا تھا وہ خوف باقی نہیں رہا تھا بلکہ حالات برعکس ہو گئے تھے۔ علماء کو اشاعت علم کے بیش از بیش مواقع حاصل تھے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ واقعہ فاجعہ کربلا یعنی شہادت حسین رضؓ نے مسلمانوں کے قلوب میں جو جذبات بنی امیہ کے خلاف بھر دئے تھے وہ غیر فانی تھے۔ طرفداران حسین حکومت پر تنقید کرنے سے غافل نہیں تھے۔ عباسی حضرات ہر وقت موقع کے متلاشی رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۰۰ھ میں خلافت عباسی کے لئے پہلی تحریک شروع ہوئی اور اس کے بعد زور پکڑتی چلی گئی۔ آخر کار ۱۳۲ھ میں ابو العباس اس خاندان کا پہلا خلیفہ تخت پر قابض ہو گیا۔ خلافت عباسیہ ہی کے زمانہ میں امام صاحب نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ گویا کہ امام صاحب کا ۷۰ سالہ (۸۰ھ لغایۃ ۱۵۰ھ) زمانہ سیاسی اعتبار سے ایک انقلابی زمانہ ہے جس میں بہت تھوڑی مدت تو امن و سکون کی گذری ہے۔ کیونکہ ابتدائی زمانہ (۹۹ھ تک) ایسا زمانہ ہے کہ جس میں حجاج بن یوسف کے دست ظلم و ستم سے کوئی محفوظ نہیں تھا اور اسکے بعد کا زمانہ بنو عباس اور بنو امیہ کی مخالفت اور ہنگامہ خیز ریشہ دوانیوں اور قتل و غارت کا زمانہ ہے لہذا ہمارے ناظرین کو اس سیرت کا مطالعہ کرتے وقت ان حالات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ان ہی حالات میں امام صاحب کا وہ تاریخی دانقلابی اور مذہبی کارنامہ ہوا جس کو تدوین فقہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

تحصیل علم کی ابتداء

امام صاحب کا آبائی پیشہ تجارت تھا، اسی لئے آپ نے بھی اسی کو اختیار کیا اور اسی کو ذریعہ رزق بنائے رکھا آئمہ میں کسب معاش اور اشاعت علم دو متضاد راہوں پر بیک وقت گامزن ہونے کی سب سے پہلی مثال آپ نے قائم کی۔ آپ نے اپنے علم کو امراء و سلاطین کے عطیات کا کبھی شرمندہ احسان نہیں بنایا اور نہ تلامیذ و عقیدتمندوں ہی کا مرہون کرم بنایا بلکہ تلامذہ اور غرباء و ساکین کو اپنے مال میں شریک بنائے رکھا اور ہمیشہ ایسے ضرورتمندوں

کی تربیت و پرورش فرمائی جولاوارث اور نادار تھے۔

ریشمی کپڑے کی تجارت کا کام تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کا کاروبار تھا۔ اور عراق شام و ایران، عرب کو مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ اتنے پھیلاؤ اور وسعت کے باوجود کیا مجال، کہ ایک درم مشتبہ آجائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی تجارت صدق و امانت میں حضرت صدیق اکبرؓ کی تجارت کا چربہ تھی [1]

تجارتی امور کی وجہ سے شہروں اور بازاروں میں آپ کی بکثرت آمدورفت رہتی تھی۔ ایک دن گذرتے ہوئے امام شعبی سے ملاقات ہوگئی۔ امام شعبی نے دریافت کیا، صاحبزادے! کیا کرتے ہو، کہاں آتے جاتے رہتے ہو؟ جواب دیا تجارت مشغلہ ہے۔ اسی ادھیڑبن میں لگا رہتا ہوں، سوداگروں کے پاس آمدورفت رہتی ہے۔ پوچھا علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو؟ جواب دیا

انا قلیل الاختلاف الیھم — میں اُن کے پاس کم آتا جاتا ہوں

امام شعبی نے یہ گوہر نایاب دیکھ کر ترغیب علم فرمائی جس کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں۔

فوقع فی قلبی من قولہ فترکت الاختلاف السوق واخذت فی العلم [2] — میرے قلب میں امام شعبی کی بات بیٹھ گئی اور میں نے بازار کی آمدورفت چھوڑ کر علم کو حاصل کرنا شروع کردیا۔

اس وقت امام صاحب کی عمر کیا تھی؟ اس کے متعلق آپ کے قدیم و جدید دونوں سوانح نگاروں نے سکوت اختیار کیا ہے، حدیہ ہے کہ ابوزہرہ مصری جیسے محقق اور علامہ شبلی جیسے مورخ بھی سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں اس لئے اس کا حل قطعیات سے تو ممکن نہیں لہذا ظنیات اور قیاسات سے کام لینا پڑ رہا ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے ۹۶ھ تک حصول علم کی طرف توجہ نہیں کی تھی اس وقت ولید حیات تھا، ۹۶ھ کے اواخر میں ولید کا انتقال ہوا اسکے بعد

---

[1] ابوزہرہ مصری ص۲۱ [2] موفق ص۵۹ ج۱ [3] ایضاً

سلیمان تخت پر بیٹھا اور اس کا ۹۹ھ میں انتقال ہوا اس وقت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے اور وہ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے لہذا آپ نے ۹۶ھ تا ۱۰۱ھ کے کسی حصہ میں تحصیل علم کی ابتدا فرمائی ہوگی۔ اس لئے کہ ۱۲۰ھ میں امام حماد کا انتقال ہوا[1]، اس وقت امام صاحب کی عمر ۴۰ سال کی تھی[2] اور آپ کو ان کی شاگردی اختیار کئے ہوئے ۱۸ سال ہو چکے تھے امام زفر رح امام صاحب کا قول نقل فرماتے ہیں:۔

قدمت البصرة فظننت انی لا اسئل عن شیئ الا اجبته فسالونی عن اشیاء ولم یکن عندی فیها جواب فجعلت علی نفسی لا فارق حمادا حتی یموت فصحبته ثمانی عشرة سنة[3]	میں بصرہ اس خیال سے آیا کہ جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھا جائیگا میں اسکا جواب دونگا، چنانچہ چند چیزوں کے بارے میں مجھ سے پوچھا گیا تو ان کا جواب میرے پاس موجود نہ تھا چنانچہ میں نے تاحیات امام حماد کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ لہذا میں ۱۸ سال تک ان کی مجلس میں رہا

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۸ سال طالب علمی کی اور اسکے بعد اپنا حلقہ درس شروع کر دیا تھا۔ اس طرح ۱۰۲ھ کو ابتدا مان کر ۱۲۰ھ (۱۸ سال) کو سن فراغت مانا جائیگا، لیکن یہ ۱۸ سالہ مدت تحصیل علم فقہ وحدیث کے لئے قرار دی جائیگی کیونکہ ابتداءً آپ نے علم کلام حاصل کیا تھا جیسا کہ امام شعبی سے ملاقات کرنا اور مدتوں علم کلام اور مناظروں میں شرکت کرنا پھر ایک عورت سائلہ کی وجہ سے فقہ کی طرف متوجہ ہونا یہ سب قرائن ایسے ہیں جن سے ابتداء ۱۰۲ھ سے پیشتر ماننی پڑیگی اس کے متعلق تحقیق آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

تحصیل علم کلام امام صاحب نے علم کلام کو اولاً کیوں سیکھا؟ اس کا بہترین جواب علامہ شبلی نے دیا ہے جس کو بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے۔

(اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب، انساب، ایام العرب، فقہ

---

[1] ابو زہرہ [2] ایضاً [3] ایضاً

حدیث، کلام تھا، علم کلام اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا، کیونکہ اس وقت تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا، تاہم ان علوم میں دقت نظر، بلندیٔ خیال زور طبع کے لئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا، اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا۔ اس کے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر اور شام پہونچکر اس میں رنگ آمیزیاں شروع ہوگئیں، ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفے کے بگڑے بگڑائے مسائل لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبعیتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں۔ قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات، مبدا، معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے، عرب نے اس کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوص و اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا۔ بخلاف اس کے فارس اور شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہوگئیں جو وسعت تمدن اور ترقی حالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئے تھیں۔ تنزیہ و تشبیہ، صفات عینیت و غیریت، حدوث قدوم غرضکہ اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا۔ رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوگئیں اور راویوں کے اختلاف سے مختلف فرقے بنتے گئے جو مرجی، معتزلی، خارجی، جہمی، رافضی کہلائے یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو اب تک ان بحثوں سے الگ تھے ان کو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اور اس طرح علم کلام پیدا ہوگیا جس کو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب مثلاً امام اشعری، ابوالمنصور ماتریدی کا مایۂ ناز ٹھہرا۔

علم کلام زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہوگیا لیکن اس وقت تک اس کی تحصیل کے لئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرت نے امام ابو حنیفہ میں یہ سب باتیں جمع

کردی تھیں۔ رگوں میں ایرانی خون، طبیعت میں زور اور جدت تھی۔ مذہبی روائتیں کوفہ میں ایسے عام تھیں کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں بیٹھ اٹھ کر حاصل کر سکتا تھا۔¹

علامہ نے جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ محض قیاسی نہیں ہے خود امام صاحب سے اس سلسلہ میں متعدد روایات مروی ہیں۔² اور یہ بھی محتاج جواب نہیں ہے کہ علم کلام میں امام صاحب کے اُستاذ کا پتہ لگایا جائے اس لئے کہ جن لوگوں کو ہندوستان میں خاندان مغلیہ اور نواب اودھ کا آخری دور حکومت اور فن قصہ گوئی کے بارے میں کچھ علم ہے وہ جانتے ہیں کہ فن قصہ گوئی کے لئے کسی خاص علم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ذہانت اور تیزی طبع کی ضرورت ہے (اُردو میں ترجمہ الف لیلیٰ اور داستان امیر حمزہ طلسم ہوشربا فن قصہ گوئی کا زندہ شاہکار ہیں) اس کے بعد جیسا ماحول ہوگا ذہن وہی رُخ اختیار کریگا، ہم نے بہت سے جہلا اوران پڑھوں کو دیکھا ہے کہ مشاعروں میں شرکت کی وجہ سے وہ اشعار کہہ لیتے تھے۔ یہی حال امام صاحب کا تھا قدرتی طور پر ذکاوت، ذہانت زور طبع، حاضر جوابی، بلند خیالی سب کچھ آپ میں موجود تھیں۔ دینی معلومات کے لئے خیر القرون تھا۔ دینی مسائل گلی کوچوں میں سب جانتے تھے۔ لونڈیوں اور باندیوں کو بہت کافی معلومات تھیں یعنی قدرتی عطیات کے ساتھ ماحول بھی موافق تھا۔ بس امام صاحب نے اتنا کیا کہ تاجروں کی مجلس سے اُٹھ کر مناظروں میں جا بیٹھے جیسا کہ آج کل بھی کوئی موزوں طبع دوکاندار دوکان سے اٹھ کر بیت بازی کی مجلس میں جا بیٹھے اور بیت بازی کرنے لگے

اس کے بعد یہ تحقیق طلب امر ہے کہ امام صاحب نے کتنے عرصہ تک علم کلام کے ساتھ اشتغال رکھا؟ اس باب میں بھی ہمیں کوئی تصریح نہیں ملی۔ البتہ یحیٰ بن شیبان کی ایک روایت ہے جس میں امام صاحب سے منقول ہے "میں ایک زمانہ تک اس علم میں مشغول رہا ہوں اور ایک مدت تک اس قسم کے لوگوں سے مناظرے کئے ہیں

¹ سیرت نعمان صفحہ ۱۸-۱۹ ج ۱ ² ابو زہرہ صفحہ ۲۵

حتیٰ کہ بیس دفعہ بصرہ (جو ان دنوں فرق باطلہ کا گڑھ تھا) جانے کا اتفاق ہوا ہے اور وہاں ہر مرتبہ کبھی سال بھر اور کبھی کم یا زیادہ قیام کرنیکا اتفاق ہوا ہے [1]

اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حجاج کے انتقال کے بعد (۹۵ھ) یا ولید کے انتقال کے بعد (۹۶ھ میں)، اس قسم کی مجالس کو فروغ ہوا، اور علماء باہر نکل کر آئے اسی زمانہ میں آپ نے امام شعبی سے ملاقات کی اور اس کے بعد ان مجالس میں شرکت کرنی شروع کر دی [2]۔ اس طرح ۹۶ھ تا ۱۰۲ھ (۷ سال)، علم کلام پر صرف کئے اور ۱۰۲ھ تا ۱۲۰ھ (۱۸ سال)، علم فقہ کی تحصیل میں صرف کئے اس طرح کل مدت ۲۵ سال ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فقہ کی طرف ایک دن امام صاحب اپنی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس طلاق یا حیض کے متعلق ایک مسئلہ دریافت کرنے آئی۔ امام صاحب نے لاعلمی کا اظہار فرمایا اور امام حماد کے حلقہ درس کی طرف اشارہ کر دیا جو آپ کے مکان کے قریب ہی تھا، اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ وہ جو کچھ جواب دیں مجھے بھی بتلا دینا چنانچہ اس عورت نے واپسی پر جواب سنا دیا اس سے امام صاحب کو افسوس ہوا، اور اسی وقت سے فقہ سیکھنے کا ارادہ کر لیا اور امام حماد کے حلقہ درس میں پابندی کے ساتھ شریک ہونے لگے۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے لیکن قدرے مشترک واقعہ ایک ہی بیان کیا گیا ہے، اس بارے میں امام صاحب کے الفاظ یہ ہیں:-

خدعتنی امراۃ وزھدتنی	فرمایا ایک عورت نے مجھے دھوکہ دیا اور
اخری وفقھتنی اخری	ایک عورت نے مجھے زاہد بنا دیا اور ایک
	عورت نے مجھے فقیہ بنا دیا۔

یعنی ایک عورت کی وجہ سے مجھے فقہ سیکھنا پڑا جس کے نتیجے میں، میں فقیہ ہو گیا

---

[1] ابوزہرہ صفحہ ۱ [2] سیرت نعمان صفحہ ۱۸ [3] اموفق صفحہ ۶۱ ج ۱

امام حمادؒ اور ان کا حلقۂ درس

حماد بن ابی سلیمان مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اپنے زمانے میں کوفہ کے رؤساء عظام اور فقہائے بے مثل میں شمار ہوتے تھے ابراہیم نخعی سے شرف تلمذ حاصل ہے سنہ ۱۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

تاریخ اصبہان میں ابو شیخ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ ایک دن ابراہیم نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لئے بازار بھیجا۔ زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی۔ ادھر کہیں سے ان کے والد صاحب گھوڑے پر سوار تشریف لا رہے تھے بیٹے کی یہ فقیرانہ حالت دیکھ کر ان کو ڈانٹا اور زنبیل ہاتھ سے لیکر پھینک دی۔ جب ابراہیم نخعی کا انتقال ہو گیا تو طالبان علم حدیث ان کے والد مسلم بن یزید کے دروازے پر آئے اور دستک دی۔ یہ چراغ لیکر باہر آئے۔ طلبا نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں بلکہ ہم تو آپ کے بیٹے حماد کے متلاشی ہیں۔ یہ شرمندہ ہو کر اندر گئے اور بیٹے سے کہا، جاؤ بھائی تمھیں یہ مقام ابراہیم کی زنبیل کی وجہ سے حاصل ہوا ہے[1]

امام حماد کا حلقہ درس ان دنوں میں بھی عروج پر تھا جب حجاج کی سفاکیاں اور ولید کی بدعنوانیاں عام تھیں اور لوگ بے دریغ قتل کئے جا رہے تھے۔ وجہ اسکی غالباً یہ تھی کہ یہ فارغ البال اور دولتمند تھے۔ اس وجہ سے انھیں دلجمعی سے کام کرنے اور اشاعت علم کا خوب موقع ملا۔ لہذا ان کی درسگاہ سے امام ابو حنیفہ اور شعبہ جیسے آئمہ فن پیدا ہوئے۔

امام حماد اپنے زمانے میں نہایت معتمد سمجھے جاتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا مدار اپنے زمانے میں یہی تھے۔ اسی وجہ سے ان کی طرف رجوع عام تھا

---

[1] ترجمان السنۃ صفحہ ۲۲۵ ج ۱

غالباً اسی وجہ سے امام صاحب نے بھی ان کا حلقہ درس منتخب کیا تھا۔

امام حماد پر کچھ حضرات نے اعتراضات بھی کیے ہیں، مثلاً امام نسائی نے ان کو ارجاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ اسی طرح ابو اسحاق اور اعمش نے ان کو غیر ثقہ قرار دیا ہے لیکن ان کے مقابلہ میں ایک خلق کثیر نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے آئمہ فن کے بکثرت اقوال ان کی توثیق میں موجود ہیں جس کا جی چاہے تنسیق النظام صفحہ ۵ کی طرف رجوع کرے۔ امام صاحب ان کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ "میں نے حماد سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔

امام حماد میں علمی کمالات کے علاوہ اور دوسرے اوصاف حمیدہ بھی تھے۔ وہ رمضان کے مہینہ میں ہر روز پچاس آدمیوں کو افطار کراتے اور کھانا کھلاتے تھے اور عید کے دن ہر ایک کو عمدہ قسم کا لباس اور سو درہم دیکر رخصت کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں "میں امام حماد سے محبت کرتا ہوں اس وجہ سے کہ میں ان کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ ایک مرتبہ جا رہے تھے کہ ان کے گھوڑے کی زین ٹوٹ گئی۔ انھوں نے ایک موچی سے مرمت کرائی اور اس کے عوض اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور معذرت چاہی[1]"

حماد کا حلقہ درس

زمانہ قدیم میں درس کا طریقہ یہ نہیں تھا جو آج ہے بلکہ حلقہ درس میں تلامذہ استاد کی تقریر کو بغور سنتے اور اس کو اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیتے اور بعض لکھ بھی لیتے تھے۔ امام حماد کے یہاں بھی یہی دستور تھا لیکن تلامذہ کے بیٹھنے میں ترتیب قائم ہوتی تھی قدیم اور ذہین طلباء کو آگے جگہ دی جاتی تھی، لیکن امام صاحب کو امام حماد کے حلقہ درس میں، دوسرے دن ہی صف اول میں جگہ مل گئی تھی۔

امام صاحب کس طرح امام حماد کے حلقہ درس میں پہونچے اس کے دواعی کیا تھے، یحییٰ بن شیبان امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔

---

[1] الموفق صفحہ ۵۳ ج ۱

جب میں ایک مدت مناظرہ میں صرف کر چکا تو میں نے سوچا اور اپنے نفس سے سوال کیا کہ کیا وہ علوم مجھ سے آتے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلعم کو آتے ہیں اور سب تابعین ان کے ماہر تھے وہ لوگ جدل و مناظرت نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم وافتا میں لگے رہتے تھے لیکن آج لوگوں کا یہ حال نہیں ہے۔ یہ سوچ کر میں نے مناظرہ اور علم کلام کو ترک کر دیا اور ابواب فقہ کی تحصیل میں لگ گیا[1]

امام صاحب کے ان خیالات کو مزید سہارا اس وقت ملا جب کسی عورت نے آپ سے ایک مسئلہ معلوم کیا جس کا آپ جواب نہ دے سکے۔ اس کے بعد فوراً ہی بلا تامل امام حماد کے حلقہ درس میں آکر شریک ہو گئے جو آپ کے گھر کے قریب ہی تھا۔

امام صاحب کے متعلق یہ روایت صحیح نہیں ہے اور نہ آپ سے منقول ہے کہ "جب میں نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے۔ میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں، سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا، لیکن فیصلہ کرنا پڑا کہ اس سے بھی کچھ حاصل نہیں کیونکہ اگر اس کا اظہار کیا جائے تو لوگ الحاد کی تہمت لگائیں گے، ادب اور قرأت کا بجز مکتب پڑھانے کے کوئی فائدہ نہیں۔ شعر و شاعری میں جھوٹی مدح یا ہجو ہوتی ہے۔ حدیث کے لئے ایک مدت درکار ہے پھر ناقدین کا نشانہ بننا پڑتا ہے[2]"

یہ روایت درایۃً اور سنداً ہر اعتبار سے غیر معتبر ہے کیونکہ امام صاحب جیسی شخصیت کے بارے میں جو مذکورہ تمام علوم میں مہارت رکھتا ہو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم کو انھوں نے حاصل نہیں کیا تھا، بالفرض یہ روایت معتبر بھی ہو تو تاویل و تطبیق ممکن ہے کہ امام صاحب نے اشتغال بالعلم کے لئے صرف فقہ ہی کو منتخب کیا اور تحصیل تمام علوم کی فرمائی اور یہی توجیہ احسن اور عمدہ ہے۔ ورنہ روایت کو تعصب پر محمول کرنا پڑے گا۔

بہرحال امام صاحب اپنے استاذ کے حلقہ درس میں شریک رہے اور اپنی استعداد اور خداداد ذہانت کی وجہ سے استاذ کو اپنا گرویدہ کر لیا اور اس درجہ اپنی صلاحیت

---

[1] الموفق ملخصاً ص ۶۱ ج ۱ [2] خیرات الحسان ص ۲۵

کا سکہ بٹھا دیا کہ ایک دن استاذ نے کہہ ہی دیا۔

افرغتنی یا ابا حنیفہ — اے ابوحنیفہ تو نے مجھے خالی کر دیا

اُستاذ سے پہلا اختلاف

ایک دفعہ امام صاحب اور امام حماد شریک سفر تھے، پانی موجود نہیں تھا۔ اتنے میں عصر کی نماز کا وقت قریب آگیا۔ حماد نے تیمم کر کے نماز ادا کی، امام صاحب نے نماز نہیں پڑھی بلکہ پانی ملنے کی اُمید پر نماز کو آخر وقت مستحب تک موخر رکھا، چنانچہ آگے چل کر پانی مل گیا۔ امام صاحب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ امام صاحب کا فرمانا ہے کہ ایسے آدمی کو کہ جسے آخری وقت مستحب تک پانی ملنے کی امید ہو نماز کو موخر کر دینا چاہئے۔ امام حماد نے امام صاحب کے اس اجتہاد کی تعریف کی[1]۔ یہ امام صاحب کا اپنے اُستاذ سے پہلا اختلاف تھا اور پہلا ہی اجتہاد تھا، جو درست اور صحیح ثابت ہوا۔

اُستاذ کا احترام

بایں ہمہ امام صاحب اپنے اُستاذ کا بے حد احترام فرماتے تھے۔ امام محمدؒ امام صاحب کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ "میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی کہ اپنے والدین کے ساتھ اپنے اساتذہ اور امام حماد کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو، امام صاحب جب تک حیات رہے اپنے اُستاذ کے مکان کی طرف کو پیر پھیلا کر نہیں سوئے۔ شاعر کہتا ہے

مامدّ رجلیلہ یوما الخو منزلہ — ودونہ سکک سبع کالطوادی[2]

اُستاذ کی نیابت

امام زفرؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کیوں نہ اپنا حلقۂ درس علیحدہ قائم کر لوں؟ اسی اثنا میں حضرت اُستاذ کے کسی قریبی عزیز کا بصرہ میں انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں بصرہ جانا پڑا اور اپنی عدم موجودگی میں مجھے اپنا نائب مقرر کر دیا۔ اتفاق سے بصرہ میں انھیں دو مہینہ قیام کرنا پڑا، اس مدت میں لوگوں نے جو مجھ سے سوالات کئے ان سب کے جوابات میں نے علیحدہ کاغذ

---

[1] الموفق صہ ۶۵ یہی مقولہ سعید بن مسیب نے قتادہ کے لئے کہا تھا۔

[2] البنایہ صہ ۳۲۵ ج ۱ صہ ۳ الموفق

پر بھی لکھ کر رکھ لئے۔ اور اُستاذ کے تشریف لانے پر وہ کاغذات میں نے انکی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اُستاذ محترم نے جوابات پڑھے جن میں سے ۴۰ کی تصویب اور ۲۰ کی تغلیط فرمائی۔ اس وقت میں نے عہد کیا کہ اب آئندہ اُستاذ کا حلقہ درس نہ ترک کروں گا۔[1]

امام صاحب کے دیگر اساتذہ

فقہ میں اگرچہ آپ امام حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں لیکن آپ نے دوسروں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً امام جعفر صادق ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وما رایت افقه من جعفر بن محمد الصادق[2]	میں نے امام جعفر صادق سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

امام جعفر الصادق اہل بیت اور خاندان رسالت سے ہیں اپنے زمانہ میں ہر اعتبار سے امام فن اور صاحب کمال سمجھے جاتے تھے، صحاح ستہ میں متعدد روایات ان سے منقول ہیں۔

فقہ میں کمال کو پہونچنے اور درجۂ اجتہاد حاصل کرنے کے لئے لازمی ہے کہ کتاب اللہ پر نظر عمیق کے ساتھ احادیث نبویہ کے تمام ذخیرہ پر نظر ہو اور کم از کم حافظ حدیث ہو، لہٰذا جو حضرات ہر کس ناکس کے لئے اجتہاد کے دروازہ کو ہر دم کھلا رکھتے ہیں اور اجتہاد کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی بات دعویٰ بلا دلیل ہے یقیناً ایسی حریت فکر حاطب اللیل کا مصداق ہوتی ہے۔

امام صاحب کے تمام مجتہدات چونکہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں اس لئے ایسے شخص کو صرف سترہ حدیثوں کا حافظ قرار دینا ایک طفلانہ قول ہے بلکہ امام صاحب حفاظ کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، اس کے بارے میں ائمہ فن کی بے شمار شہادتیں اور آپ کے مایۂ ناز اساتذہ ائمہ حدیث کی ایک طویل فہرست موجود ہے لہٰذا کیسے باور کر لیا جائے کہ اتنے اساتذہ کے ہوتے ہوئے بھی آپ کو صرف سترہ حدیث یاد تھیں۔

---

[1] ابو زہرہ صہ ۲۵ [2] الموفق صہ ۵۳ ج ۱

علامہ شامی نے ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے کہ امام صاحب کے ۴ ہزار اساتذہ تھے ایک دفعہ حنفیہ اور شافعیہ میں مناظرہ ہوا کہ امام شافعی افضل ہیں یا امام ابوحنیفہ؟ جب اساتذہ کو شمار کیا گیا تو امام شافعی کے ۸۰ اساتذہ شمار میں آئے اور امام صاحب کے ۴ ہزار[1]

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ان دنوں کوفہ اور بصرہ علوم کے مراکز تھے اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ اور بصرہ کا کوئی محدث نہیں چھوڑا جس کے پاس نہ گیا ہوں۔ اس لئے بعض حضرات نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد ۹۹ بتلائی ہے[2] حافظ ذہبی نے ۲۹ تعداد بتلائی ہے۔ ہم نے نہایت تحقیق کے بعد آپ کے اساتذہ کی مندرجہ ذیل فہرست مرتب کی ہے:-

۱ حضرت ابراہیم بن محمد
۲ " ابراہیم بن یزید
۳ " اسماعیل بن حماد
۴ " اسماعیل بن ابی خالد
۵ " اسماعیل بن عبدالملک
۶ " ایوب سختیانی
۷ " بیان بن بشر
۸ " جبلہ بن سحیم
۹ " الحارث بن عبدالرحمٰن
۱۰ " الحسن بن الزراد
۱۱ " الحسن بن عبیداللہ
۱۲ " الحسن البصری
۱۳ " الحکم بن عتیبہ
۱۴ " حماد بن ابی سلیمان
۱۵ حضرت حمید الاعرج
۱۶ " خالد بن علقمہ
۱۷ " ذر بن عبداللہ
۱۸ " ربیعہ بن عبدالرحمٰن
۱۹ " زبید
۲۰ " زیاد بن علاقہ
۲۱ " سالم بن عبداللہ
۲۲ " سعید بن مسروق
۲۳ " سلمہ بن کہیل
۲۴ " سلمہ بن نبیط
۲۵ " سلیمان بن عبدالرحمٰن
۲۶ " سلیمان بن یسار
۲۷ " سماک بن حرب
۲۸ " شداد بن عبدالرحمٰن

[1] حدائق الحنفیہ ص ۲۰۔ [2] سیرت النعمان ص ۲۲

۲۹ حضرت شیبان بن عبدالرحمٰن
۳۰ " طاوس بن کیسان
۳۱ " طریف بن شہاب
۳۲ " طلحہ بن نافع الواسطی
۳۳ " عاصم بن سلیمان
۳۴ " عاصم بن کلیب
۳۵ " عامر بن شراحیل الشعبی
۳۶ " عامر بن ابی موسیٰ
۳۷ " عبداللہ بن الاقمر
۳۸ " عبداللہ بن حبیبہ
۳۹ " عبداللہ بن دینار
۴۰ " عبدالرحمن بن حزم
۴۱ " عبدالرحمن بن ہرمز
۴۲ " عبدالعزیز بن رفیع
۴۳ " عبدالکریم بن ابی المخارق
۴۴ " عبدالملک بن عمیر
۴۵ " عثمان بن عاصم
۴۶ " عدی بن ثابت
۴۷ " عطا بن ابی رباح
۴۸ " عطا بن السائب
۴۹ " عطا بن الیسار الہلالی
۵۰ " عطیہ بن سعد
۵۱ " عکرمہ بن عبداللہ
۵۲ حضرت علقمہ بن مرثد
۵۳ " علی بن الاقمر
۵۴ " علی بن الحسن الزراد
۵۵ " عمرو بن دینار
۵۶ " عمرو بن عبداللہ الہمدانی
۵۷ " عون بن عبداللہ
۵۸ " قاسم بن عبدالرحمن
۵۹ " قاسم بن محمد
۶۰ " قاسم بن معن
۶۱ " قتادہ بن دعامہ
۶۲ " قیس بن مسلم
۶۳ " محارب بن دثار
۶۴ " محمد بن الزبیر حنظلی
۶۵ " محمد بن السائب
۶۶ " محمد بن السائب
۶۷ " محمد بن علی بن الحسین
۶۸ " محمد بن قیس الہمدانی
۶۹ " محمد بن مسلم بن تدرس
۷۰ " محمد بن مسلم بن عبیداللہ
۷۱ " محمد بن منصور
۷۲ " محمد بن المنکدر
۷۳ " مکحول بن راشد
۷۴ " مسلم بن سالم

۷۵ حضرت مسلم بن عمران
۷۶ " مسلم بن کیسان
۷۷ " معن بن عبدالرحمٰن
۷۸ " مقسم بن بجرہ
۷۹ " مکحول
۸۰ " مکی ابن ابراہیم
۸۱ " منصور بن المعتمر
۸۲ " منہال بن خلیفہ
۸۳ " موسیٰ بن ابی عائشہ
۸۴ " ناصح بن عبداللہ
۸۵ " نافع
۸۶ " وقدان
۸۷ " ہشیم بن حبیب
۸۸ " یحییٰ بن ابی حیّہ
۸۹ " یحییٰ بن سعید بن قیس
۹۰ " یحییٰ بن عبداللہ
۹۱ " یحییٰ بن عبداللہ الکندی
۲ " یزید بن صہیب
۹۳ " یزید بن عبدالرحمٰن
۹۴ حضرت یزید بن الطوسی
۹۵ " یونس بن عبداللہ
۹۶ " ابواسحاق السبوعی
۹۷ " ابوبردہ
۹۸ " ابوبکر بن ابی الجہم
۹۹ " ابوحصین
۱۰۰ " ابوالزبیر
۱۰۱ " ابوسفیان السعدی
۱۰۲ " ابوسفیان
۱۰۳ " ابوالسوار
۱۰۴ " ابوغسان
۱۰۵ " ابوعمر
۱۰۶ " ابن شہاب
۱۰۷ " ابوعون
۱۰۸ " ابوفردہ
۱۰۹ " ابوکثیر
۱۱۰ " ابوالمالک
۱۱۱ " ابوالہشیم
۱۱۲ " ابولیعفور

امام صاحب کے اساتذہ کی یہ فہرست ہے لیکن ان سے زائد کا انکار نہیں ہے اور نہ احصار کل کا دعویٰ ہے۔ ناظرین کرام کو اس فہرست کے ملاحظہ فرمانے کے بعد ان حضرات محدثین کے دعوے کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی جو امام صاحب کو حافظ حدیث نہیں مانتے یا آپ کو ضعیف قرار دیتے ہیں تعجب ہے اگر معترض صاحب جس

راوی سے حدیث روایت کریں تو صحیح اور امام صاحب اسی راوی سے حدیث روایت کریں تو ضعیف یہ بات تو انصاف کی نہیں ہے بلکہ اس نقطۂ نظر کے پس منظر میں کوئی دوسرا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس جگہ ہم ناظرین کو ذرا تقابلی مطالعہ بھی کرانا چاہتے ہیں:

رواۃ صحیحین

۱	منصور بن المعتمر	۲۱	ابراہیم بن محمد المنتشر
۲	الحکم بن عتیبہ	۲۲	الحسن البصری
۳	زہری	۲۳	سالم بن عبداللہ
۴	نافع	۲۴	مکحول الشامی
۵	طاؤس	۲۵	ایوب السختیانی
۶	شعبان بن عبدالرحمٰن	۲۶	مکی بن ابراہیم
۷	یحیٰی بن سعید	۲۷	یزید بن الفقیر بن الصہیب
۸	زیاد بن علاقہ	۲۸	ذر بن عبداللہ
۹	عبداللہ بن دینار	۲۹	عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج
۱۰	عمرو بن دینار	۳۰	القاسم بن محمد بن ابی بکر
۱۱	شعبی	۳۱	قتادہ بن دعامہ
۱۲	ابراہیم نخعی	۳۲	مقسم مولیٰ ابن عباس
۱۳	مجاہد بن جبیر	۳۳	سلیمان بن یسار
۱۴	عطا بن ابی رباح	۳۴	محمد بن المنکدر
۱۵	ابن یسار	۳۵	عبدالملک بن عمیر
۱۶	محارب بن دثار	۳۶	علی بن الاقمر
۱۷	ابو اسحاق السبیعی	۳۷	ابو بردہ
۱۸	محمد الباقر	۳۸	موسیٰ بن عائشہ
۱۹	ربیعہ بن عبدالرحمٰن	۳۹	عبدالعزیز بن رفیع
۲۰	مکحول بن راشد	۴۰	قیس بن مسلم

۴۱ ابو حصین ۴۴ الثوری
۴۲ عثمان بن العاصم ۴۵ سلمہ بن کہیل
۴۳ سعید بن مسروق ۴۶ ابو یعفور
۴۷ اسماعیل بن ابی خالد

صرف مسلم کے رواۃ

مندرجہ ذیل وہ رواۃ ہیں جن کی روایت صرف امام مسلم نے نقل کی ہے

۱ عطا بن السائب ۳ عاصم بن کلیب
۲ ابو زبیر مکی ۴ حماد بن ابی سلیمان

صرف بخاری کے رواۃ

حضرت عکرمہ بن عبداللہ وغیرہ کی روایت کو صرف بخاری نے لیا ہے

رواۃ کی مندرجہ بالا یہ وہ فہرست ہے کہ جن کی روائتیں بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں موجود ہیں اور صحیح سمجھی جاتی ہیں لیکن امام صاحب جب بلا واسطہ ان ہی رواۃ سے روایت اپنی مسند میں ذکر فرماتے ہیں تو ضعیف قرار دی جاتی ہیں۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

انصاف یہی ہے کہ جس طرح بخاری کا شمار اور اس سے قبل موطا کا شمار اصح الکتب میں ہوتا ہے مسند امام اعظم بھی اصح الکتب بعد کتاب اللہ تعالیٰ ہے ہاں اگر کسی حدیث پر اعتراض ہو سکتا ہے تو اس کے لئے نشانہ بخاری اور مسلم کو بننا چاہیئے کہ اس میں واسطوں کی کثرت ہے نہ کہ مسند امام اعظم کو جبکہ اس میں حضرات صحابہؓ اور مندرجہ بالا رواۃ کے درمیان صرف ایک یا دو واسطے ہیں۔

عبدالکریم پر اعتراض

لے دے کر امام صاحب کے اساتذہ میں سے عبدالکریم ابن ابی المخارق کو ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور ان کی روایات کو ضعیف بتلایا جاتا ہے لیکن یہ میرے نزدیک غلط فہمی ہے یا مغالطہ کیونکہ عبدالکریم دو ہیں۔ دوسرے کا نام عبدالکریم الجزری ہے اور اتفاق سے

دونوں بعض مشائخ میں شریک ہیں۔ اس شرکت کی وجہ سے ناقدین فرق نہیں کر پائے ورنہ عبدالکریم بن ابی المخارق کی روایات بخاری شریف میں تعلیقاً موجود ہیں جن کا درجہ موصول ہی کے برابر تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی روایات موطا امام مالک میں بھی موجود ہیں، اور امام مالک کے بارے میں یہ بات مسلّم ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں ان ہی رواۃ سے روایت نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں امام نووی مقدمہ مسلم میں تحریر فرماتے ہیں:-

ھذا تصریح من مالک بان من ادخلہ فی کتابہ فھو ثقۃ	امام مالک کی یہ تصریح ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں جس کو داخل کیا ہے وہ ثقہ ہے

مسند درس و افتاء

سنہ ۱۲۰ھ میں جب امام حماد کا انتقال ہوگیا تو ضروریات کے پیش نظر اس جگہ کو پُر کرنے کے لئے لوگوں کے دلوں میں زبردست داعیہ پیدا ہوا اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا فقہ جو بروایت ابراہیم نخعی حضرت امام حماد نقل فرما رہے تھے اور لوگوں کی دینی ضروریات پوری کر رہے تھے اس کا سلسلہ منقطع کر دینا اور ایکدم سے اس خیر کے دروازہ کو بند کر دینا نہایت نقصان دہ تھا، اس لئے تلامذہ کی نظریں اولاً اُستاذ زادے پر پڑیں لیکن تجربہ نے ان کو جلد ہی بتلا دیا کہ ان سے مقصد پورا نہ ہو سکے گا، لہذا اُستاذ زادے کے بعد ابو نہشلی، ابو بردہ، موسیٰ بن ابو کثیر کو یکے بعد دیگرے قائم مقام بنایا گیا لیکن "جائے اُستاذ خالیست" کا مصداق پایا اور حماد کی سی خصوصیات کسی میں نہ پائیں کیونکہ کسی پر شعر و ادب کا غلبہ تھا تو کوئی ایام العرب کا ماہر تھا۔[1]

ادھر امام صاحب نے اپنے سابقہ تجربہ کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے طے کر لیا تھا کہ جب تک کم از کم مجھے دس اشخاص مجبور نہ کریں گے اس وقت تک حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو نہیں سنبھالوں گا۔ ادھر لوگوں نے میدان خالی پایا اور سوائے امام ابو حنیفہ کے اس مسند کے لائق کسی کو نہ پایا تو اصرار کرنا شروع کر دیا اس لئے کہ

لوگوں نے امام صاحب میں وہ علوم اور خصوصیات پائے جو موسیٰ اور دوسرے اوپر درجہ کے علماء میں نہ تھے اور تمام معاصرین کو وہ اس سے تہی دست نظر آتے تھے لیکن اس کے برخلاف لوگوں نے امام ابو حنیفہ کو تمام خصوصیات کا مالک اور تمام علوم کا ماہر پایا لہذا ان کا دامن تھام لیا اور شاگرد ہو گئے۔[2]

---

[1] الموفق صـ ج ۱ [2] ایضاً صـ۶۹ ج ۱

پھر تو امام ابویوسف، امام زفر، اسد بن عمر، قاسم بن معن وغیرہ نے بھی امام صاحبؒ کے حلقہ درس کو اختیار کر لیا۔ ان حضرات کے ادھر آجانے کی وجہ سے دوسرے حلقہائے درس (مثلاً ابن ابی لیلی، ابن شبرمہ، شریک، سفیان ثوری) کی طرف سے لوگوں کی رجوعات کم ہو گئیں اور یہ حلقہ درس روز بروز بڑھتا ہی گیا[1]

جن ایام میں امام حماد کی جانشینی کا مسئلہ چل رہا تھا انھیں دنوں میں امام صاحب نے ایک خواب دیکھا کہ میں نے حضور صلعم کی قبر مبارک کھود ڈالی ہے اور میں آپ کے عظام مبارکہ چن رہا ہوں"۔ یہ دیکھ کر آپ گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو گئے طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے جو حلقہ درس کی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے سد راہ بنے۔ آپ فرماتے ہیں کہ خوف کی وجہ سے میں نے مجلس میں آنا جانا بھی بند کر دیا تھا اور لوگوں سے صفائی کے ساتھ کہہ دیا تھا کہ مجھے اندیشہ ہے۔ بالآخر جب ابن سیرین سے دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا

صاحب ھذہ الرؤیا یحیی علماً[2] یہ خواب دیکھنے والا علم کو زندہ کرے گا۔

اس کے علاوہ اور دوسرے اسباب بھی پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے آپ نے حلقہ درس کی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا۔

فقہ اور حدیث

مجلس فقہ اور حدیث میں کچھ زیادہ مغائرت نہیں بلکہ تنہا فقہ کا درس تمام چیزوں کا جامع ہے کیونکہ ایک مجتہد کے نزدیک الفاظ حدیث پر بحث کرتے وقت معنی حدیث کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے اور محدثین کرام کے یہاں صرف الفاظ حدیث ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں لہذا محدث بننے کے لئے اجتہاد کی شرط نہیں ہے اور نہ فقہ کی لیکن ایک فقیہ کیلئے حامل قرآن و حدیث ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اجتہاد غلط اور باطل ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

ان یکون صاحب حدیث له معرفة بالفقه لیعرف معانی الآثار — مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتا ہو تاکہ احادیث کے معنی جان

[1] الموفق ص ۱۶۱ ج ۱ [2] ایضاً ص ۳۲ ج ۱

وصاحب فقہ لہ معرفۃ بالحدیث لئلا یشتغل بالقیاس — سکے اور صاحب فقہ کے لئے معرفت حدیث ضروری ہے تاکہ قیاس میں مبتلا نہ ہو جائے اس لئے کہ نصوص کی موجودگی میں قیاس جائز نہیں ہے

فقہ کے لئے حدیث کی اہمیت تو ظاہر ہے لیکن حدیث کے لئے فقہ کا ہونا ضروری کیوں ہے اس کے لئے سطور ذیل میں چند مستند واقعات پیش ہیں

(۱) امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے مجھ سے مسئلہ دریافت کیا اس وقت میرے اور ان کے سوا تیسرا آدمی نہ تھا میں نے اس کا جواب دیا۔ انھوں نے فرمایا اے یعقوب تم نے اس کا جواب کس حدیث سے دیا، میں نے کہا اسی حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ انھوں نے کہا یعقوب! حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا

(۲) عبیداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں موجود تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ایک مسئلہ دریافت کیا اور وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ دیکھا تو وہاں امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے۔ اعمش نے کہا اے نعمان! اس کے متعلق تم ہی کچھ بیان کرو۔ امام صاحب نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ اعمش نے پوچھا کہاں سے کہتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی تھی اس پر اعمش نے فرمایا

نحن الصیادلہ وانتم الاطبا — ہم عطار ہیں اور آپ اطبا ہیں

(۳) خطیب بغدادی نے امام ابویوسف سے نقل کیا ہے کہ ایک دن اُن سے اعمش نے پوچھا، تمہارے اُستاذ نے حضرت عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی پر آزاد ہونے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام ابویوسف نے فرمایا اسی حدیث کی وجہ سے جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم عن اسود عن عائشہ بیان فرمائی ہے کہ بریرہ رضہ جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی، بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کر دیں اس پر اعمش نے فرمایا بلاشبہ ابوحنیفہ نہایت سمجھدار ہیں

لہ ہدایہ کتاب القاضی

۴- اسلامی شریعت میں عورتوں کو اجازت نہیں ہے کہ وہ جنازہ کے ساتھ چلیں یا جنازہ کی نماز میں شرکت کریں۔ چنانچہ ابوداؤد نے ام عطیہ کی روایت نقل کی ہے

نھینا ان نتبع الجنائز[1] — ہمیں جنازہ کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا ہے

صاحب درمختار نے بیان فرمایا ہے۔

یکرہ خروجھن تحریماً — عورتوں کا جنازہ کے ساتھ چلنا مکروہ تحریمی ہے

امام صاحبؒ کے زمانہ میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ کوفہ کے خاندان سادات میں سے کسی ہاشمی جوان کا انتقال ہوا، فرط محبت میں اس کی ماں نے جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز پڑھنے کی ضد کی، بہت سمجھایا اور منع کیا تو قسم کھالی کہ بغیر جنازہ کی نماز پڑھے واپس نہ ہونگی۔ اسکے شوہر یعنی میت کے باپ نے جب دیکھا تو کہا، اگر یہیں سے واپس نہ ہوئی تو اس پر طلاق، اسوقت امام ابوسفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، ابوالاحوص جبان، اور امام اعظم ابوحنیفہ موجود تھے۔ جنازہ رکھا ہوا تھا، کسی میں اٹھانے کی مجال نہ تھی۔ کسی عالم کی سمجھ میں مسئلہ کا حل نہیں آتا تھا، سب پریشان تھے کیا کرنا چاہیے۔ آخر میں امام صاحب سے دریافت کیا تو آپ نے میت کی ماں کو بلوایا، اور فرمایا تو یہیں نماز جنازہ پڑھ لے"۔ جب وہ نماز جنازہ پڑھ چکی تو فرمایا "اب واپس ہو جاؤ" وہ واپس چلی گئی تب جنازہ اٹھایا گیا۔ اس وقت ابن شبرمہ نے امام صاحبؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا:-

عجزت النساء ان یلدن مثلہ — عورتیں ان جیسا پیدا کرنے پر عاجز ہیں

یعنی اب امام صاحب جیسا اس دنیا میں پیدا نہ ہو سکے گا۔ فقہ فی الحدیث اسی کا نام ہے کہ تمام نصوص سامنے رہیں اور حادثات کی نزاکتیں بھی پیش نظر رہیں اور حد شریعت میں ذرہ برابر بھی بال نہ آنے پائے۔ یہ صرف امام صاحب ہی کا دل گردہ ہے کہ وہ ان سب نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہیں۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الجنائز   [2] المناقب کردری صـ۲۸ ـ ج ۱

غرضکہ اس قسم کے تاریخ فقہ میں ہزار ہا واقعات موجود ہیں جن کی وجہ سے فقہ کے ساتھ حدیث کا تعلق اور اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں بیان فرمایا ہے:۔

وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعنی الحدیث	فقہاء نے یوں ہی فرمایا ہے اور وہ ہی حدیث کے معنی سے زیادہ واقف کار ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فہم حدیث اور قرآن کے لئے فقہ ضروری ہے [1]

اصول درسگاہ ابی حنیفہ

اسی سے امام صاحب کی درسگاہ کے درسی اصول بھی معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم امام صاحب کے طریقہ درس کے متعلق تصریحات بھی موجود ہیں۔

امام صاحب کی عادت تھی کہ وہ پہلے کسی مسئلہ میں قرآن سے استدلال کرتے تھے پھر احادیث کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے بعد اقوال صحابہ کا تتبع فرماتے تھے۔ اقوال صحابہؓ میں اقرب الی القرآن اور پھر اقرب الی الحدیث کو ترجیح دیتے تھے اور بس امام صاحب اقوال تابعین کا تتبع نہیں فرماتے بلکہ آپ کا فرمانا ہے کہ :۔

نحن رجال وھم رجال	ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں

لہذا اجتہاد فرماتے ۔۔۔ اور یہ اجتہاد ان کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ و نیز آثار صحابہ کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ امام صاحب کا فرمانا ہے :۔

اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلعم وقول الصحابہ ونقل انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی [2]	میرے قول کو خبر رسولؐ اور قول صحابہؓ کے مقابلہ میں ترک کر دو، آپ کے بارے میں منقول ہے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے

امام صاحب کا یہ طریقہ اجتہاد اور اس میں سلامت روی اور احتیاط کے متعلق ابن حزم جیسے انسان نے اعتراف کیا ہے

جمیع اصحاب ابی حنیفہ مجمعون	تمام اصحاب ابی حنیفہ کا اتفاق ہے کہ امام

---

[1] ترجمان السنۃ صفحہ ۳۲۳ ج ۱ [2] تفسیر مظہری

ان مذھبہ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عندہ من القیاس [1]	صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے

غالباً یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی ان مایہ ناز اور بین الاقوامی شخصیتوں نے (جو اپنے زمانے میں حق و صداقت کا روشن منارہ رہیں اور مذہبی تعصب کو اپنے پاس بھی نہیں آنے دیا) حنفی مکتب فکر کی تائید کی اور اس کو اختیار کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی بیان فرماتے ہیں :-

بریں فقیر ظاہر ساختہ اند کہ در خلافیات کلام حق بجانب حنفی است و در خلافیات فقہی در اکثر مسائل حق بجانب حنفی و در اقل متردد [2]	اس فقیر پر ظاہر ہوا ہے کہ خلافیات علم کلام میں حق حنفی مسلک کی جانب ہے اور خلافیات فقہی کے اکثر مسائل میں حق بجانب حنفی ہے اور بہت کم میں تردد ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فیوض الحرمین میں ارشاد فرمایا ہے

عرفنی رسول اللہ صلعم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری [3]	مجھے رسول اللہ صلعم نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں عمدہ راستہ ہے اور جو سنت بخاری کے زمانے میں جمع ہوئی ہے، اس سے زیادہ موافق ہے

حضرت مجدد صاحب اور حضرت شاہ صاحب کے ان دونوں ارشاد کی حقیقت اگرچہ کشف کی ہے لیکن نواب صدیق حسن فرماتے ہیں

اگر کشف دو کس باہم متوافق شود ظن غالب شود [4]	دو بزرگوں کے کشف اگر موافق ہو جائیں تو غلبہ ظن کا حکم رکھتے ہیں۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کا طریقہ تعلیم اور آپ کی درسگاہ کے اصول کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم اور اقوال صحابہ پر تھی۔ آپ نے

---

[1] خیرات الحسان صہ ۲۷ [2] مبدا و معاد صہ ۳۹ [3] فیوض الحرمین [4] ریاض المرتاض صہ ۲۱

ان چیزوں کو سمجھا اور حقیقت کو ظاہر فرمایا، یہی وجہ ہے کہ حنفی مسلک کے تمام مسائل جہاں ایک طرف عقل کے معیار پر پورے اترتے ہیں وہاں وہ قرآن و حدیث سے بھی پورے طور پر وابستہ ہیں، گویا امام صاحب کا فقہ قرآن و حدیث کی ایک صحیح اور مدون شدہ تفسیر ہے جس میں اصول و فروع کے ساتھ ترتیب بھی ہے اور انسانوں کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل بھی

حالات درس گذشتہ زمانے میں سامعین کو آواز پہونچانے کے لئے استاذ کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتا اور سامنے تلامذہ کا حلقہ حسب استعداد دو زانوں ہوتا۔ اُستاذ کسی مسئلہ کو بیان کرتا اور طلباء یاد کر لیتے تھے لیکن جن لوگوں کو اپنے حافظہ پر اعتماد نہ ہوتا وہ لکھ بھی لیتے تھے یہی حال امام صاحب کے حلقہ کا درس کا تھا

امام صاحب چونکہ ایک بڑے زبردست متکلم بھی تھے اس لئے ہر ایک مسئلہ پر بحث و نظر اور تنقید و تبصرہ بھی کیا جاتا تھا ان پر استدلات اور اعتراضات کی بھرمار بھی ہوتی تھی[1]۔ اور ایک ایک مسئلہ پر بہت کافی عرصہ تک بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا تب کہیں تلامذہ اپنے صحیفوں میں اس کو درج کرتے تھے۔

امام صاحب کی درسگاہ کی ہفتہ میں دو یوم کی تعطیل رہتی تھی یعنی جمعہ اور ہفتہ ہفتہ کا دن آپ کی ذاتی اور گھریلو مصروفیات کا دن ضروریات جمعہ اور احباب سے ملاقات کے لئے مقرر تھا۔ اس روز آپ کے احباب جمع ہوتے اور آپ ان کے لئے انواع و اقسام کے کھانے تیار کراتے تھے۔ روزانہ اشراق سے چاشت تک تجارتی کاروبار کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور دوپہر تک پھر بعد ظہر سے شام تک حلقہ درس کا سلسلہ جاری رہتا تھا[2]

یہ ضروری نہیں ہے کہ امام صاحب کے اوقات یہی ہوں بلکہ حالات اور زمان کے اعتبار سے آپ ان اوقات میں ترمیم اور تبدیلی بھی فرما لیتے تھے۔

---

[1] ابوزہرہ صفحہ ۵۷ [2] ایضاً ص ۷۲

طلبا کی نشست و برخاست کا بھی آپ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ امام محمد چونکہ نوعمر اور حسین و جمیل تھے۔ جب یہ آپ کی درسگاہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان کو اپنی پشت کی طرف بیٹھنے کے لئے فرمایا اور جب ان کے داڑھی نکل آئی تو سامنے بٹھانا شروع کر دیا تھا[1]

امام صاحب چونکہ نہایت محتاط اور متحمل المزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے طلبا کے اشکالات اور اعتراضات کو نہایت خندہ پیشانی سے سنتے اور نہایت نرمی سے اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے حلقہ درس میں واعظ عراق جو حسن بصری کے عزیز بھی ہوتے تھے شریک تھے۔ امام صاحب نے کسی مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا اخطا الحسن یعنی حسن سے چوک ہو گئی۔ اس پر واعظ عراق کو غصہ آگیا اور فوراً ہی اُٹھ کر کہہ دیا۔

تقول الحسن اخطا یا ابن الزانیہ — ارے حرامی بچے تو حسن کو یہ کہتا ہے کہ اس نے خطا کی۔

بھری مجلس میں یہ کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ نہ معلوم کتنے تلامذہ کے خون کھولنے لگے ہونگے اور کتنوں نے آستانیں چڑھالی ہونگی آپ نے سب کو خاموش کیا اور پھر نرمی سے فرمایا

واللہ اخطا الحسن واصاب ابن مسعود[2] — قسم خدا کی حسن سے خطا ہوئی اور ابن مسعود نے صحیح فرمایا ہے

ایسے ناخوشگوار مواقع پر آپ یہ فرمایا کرتے تھے

اللھم من ضاق بنا صدرہ فان قلوبنا قد اتسعت لہ[3]

اے اللہ جن کے قلوب ہماری جانب سے تنگ ہیں ہمارے قلوب ان کے لئے کشادہ ہیں۔ چنانچہ آپ ایسے گستاخوں کو معاف کر دیتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اہل علم میں سے اگر کسی نے میرے متعلق کچھ کہا ہے اور وہ چیز میرے اندر نہیں ہے تو وہ غلطی پر ہے اور علماء کی غیبت تو کچھ نہ کچھ ان کے بعد میں بھی رہتی ہے[4]

---

[1] سیرت النعمان [2] ابو زہرہ ص ۵۶ [3] ایضاً [4] ایضاً

امام صاحب درس پوری محویت اور توجہ کے ساتھ دیتے تھے، اگر کوئی حادثہ بھی پیش آجاتا تو آپ کی محویت میں فرق نہیں آنے پاتا تھا۔ ایک مرتبہ چھت میں سے آپ کی گود میں سانپ آگرا۔ لوگ دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن آپ کی ہیئت میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ معمولی طور پر کپڑے کو جھٹک دیا اور پڑھانا شروع کر دیا [1]

امام صاحب چونکہ نہایت ذہین تھے اس لئے حاضر جواب بھی تھے۔ درس گاہ میں کوئی کیسا ہی سوال پیش کرے فوراً ہی اس کا جواب دیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں ضحاک بن قیس خارجی نے کہا آپ حکم بنانے کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اگر میں عرض کروں تو فیصلہ کون کرے گا۔ ضحاک نے کہا ان میں سے جس کو چاہو مقرر کر لو وہی فیصلہ کر دے گا۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو میں کہتا ہوں

اس قسم کے واقعات اگرچہ خارج از موضوع ہیں لیکن بتلانا یہ ہے کہ سلسلہ درس کے درمیان آپ کو اس قسم کے واقعات سے بھی سابقہ پڑتا تھا۔ غالباً اس وقت کا دستور یہی ہوگا۔

امام صاحب اپنی رائے میں نہایت محتاط تھے۔ اپنی رائے کو حرف آخر نہیں سمجھتے تھے بلکہ اظہار رائے کے بعد فرما دیتے تھے۔

ھذا رائی وھو احسن ما قدرنا علیہ فمن جاء باحسن من قولنا فھو اولی بالصواب [2]	میری یہ رائے احسن ہے جس پر میں قادر تھا لیکن اگر کوئی اس سے بھی اچھی رائے ظاہر کرے وہی قبولیت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

ایک مرتبہ کسی تلمیذ نے حلقہ درس میں سے کہا آپ کا یہ ارشاد خوب ہے، آپ نے فرمایا۔ ممکن ہے کہ غلط ہو۔

امام ابویوسف کی عادت تھی کہ تقریرات درس قلمبند کرتے رہتے تھے۔ ایک دن امام صاحب نے فرمایا مجھ سے سُن کر دو لکھا نہ کرو، ممکن ہے کہ آج کی بات کل کو غلط ثابت ہو جائے۔ [3]

---

[1] الموفق [2] ابوزہرہ صفحہ ۶ [3] ایضاً [4] ایضاً

حلقۂ درس کی مقبولیت

مندرجہ بالا خصوصیات کی وجہ سے امام صاحب کے حلقہ درس کو بے انتہا مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابتداً تو صرف امام حماد کے تلامذہ ہی شریک رہتے تھے لیکن ائمہ فن اور آپ کے اساتذہ بھی استفادہ کی غرض سے شریک ہونے لگے تھے مثلاً مسعر بن کدام امام اعمش، یہ حضرات دوسروں کو بھی آپ کے حلقہ درس میں شریک ہونے کے لئے کہتے تھے۔ غرضکہ اس وقت اسلامی دنیا میں اسپین کے سوا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جہاں کے باشندے آپ کے حلقۂ درس میں شریک نہ ہوتے ہوں۔ صاحب الجواہر المضیہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کے حلقۂ درس میں مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسطہ موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان اصفہان، حلوان، استرآباد، ہمدان، رے، قومس، دوامغان، طبرستان جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، بخارا، سمرقند، کس، صغا، ترمذ، ہرات، نہستار الزم، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص، وغیرہ اضلاع کے باشندے شریک رہتے تھے [1]

امام صاحب کے حلقۂ درس کی یہ مقبولیت بلا وجہ نہیں تھی بلکہ لوگوں کو امام صاحب کی حق گوئی، بے نفسی، زہد و تقویٰ، قوت استدلال، مشکوٰۃ نبوت سے اخذ و استنباط نے گرویدہ بنا دیا تھا۔ علوم کے پیاسے دنیا بھر میں گشت کرآتے تھے لیکن ان کی خشکی نہیں رفع ہوتی تھی۔ لہذا کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک خلق کثیر ایک ایسے شخص کے گرد جمع ہوگئی تھی جو قیاس، مرجی، ضعیف اور روایت حدیث میں ایک ناقابل استناد شخص ہو بلکہ ہمارا عقیدہ تو حضور صلعم کا یہ ارشاد ہے کہ

میری اُمت گمراہی پر مجتمع نہ ہو سکے گی

پھر زمانہ بھی وہ جس کو خیر القرون کی شرافت حاصل ہے جن کو شر کے مقابلہ میں خیر سے زیادہ تعلق ہے جو اپنی دیانت، امانت، زہد و تقویٰ وغیرہ اوصاف حمیدہ

---

[1] جواہر المضیہ ص۴۷۳ ج ۲

میں آج کے انسانوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہیں جو حق گوئی اور بے باکی میں بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب ہونا نہیں جانتے ان کے بارے میں ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ ایک غلط آدمی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ بلکہ حق یہی ہے کہ اس زمانے کے صاحب فضل و کمال حضرات کا امام صاحب کے گرد جمع ہو جانا، امام صاحب کے فضل و کمال ہی کی وجہ سے تھا۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کسی زمانہ میں بھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی نااہل کے گرد اس زمانہ کے عقلاء اور علماء جمع ہوئے ہوں، اور اگر کسی ذی علم صاحب فہم کو کسی نااہل کے گرد دیکھا جائے تو اس کلیہ پر کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ کیونکہ اُس صاحب علم و فہم کا انکار اس کے اس غلط اقدام سے ہو رہا ہے کہ وہ نااہل کے حضور میں حاضر ہو گیا ہے

امام صاحب کے گرد جو حضرات تھے وہ اپنے زمانہ کے آفتاب و ماہتاب تھے ان میں سے ۴۰ آدمی تو قاضی ہونے کے لائق تھے اور بڑی تعداد ایسی تھی جو مفتی بنانے کی اہلیت رکھتے تھے۔

امام صاحب بھی ان کے قدر دان تھے۔ کبھی بھی امام صاحب نے اپنی رائے کو ان پر نہیں تھوپا۔ تین تین چار چار دن تک بلکہ بعض دفعہ پورے پورے مہینہ آزادی کے ساتھ گفتگو چلتی رہتی تھی۔ یہ امام صاحب کے کمال ہی کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے مقابلہ اور موجودگی میں آزادی رائے کو نہیں روکا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب دوم

اہم واقعاتِ زندگی

اور

مناظرے و مسائل

معہ

ذکر وفات

مآخذ و حوالہ جات

۱	تاریخ	از علامہ طبری
۲	مناقب	از علامہ موفق
۳	ابوحنیفہ	از علامہ ابوزہرہ مصری
۴	سیرت النعمان	از علامہ شبلی
۵	مناقب	از علامہ کردری
۶	مسند	از امام اعظم
۷	تنسیق النظام	از علامہ اسرائیلی سنبھلی
۸	الجواہر المضیۃ	از علامہ ابن ابی الوفا
۹	حاشیہ الاشباہ	از علامہ حموی
۱۰	تاریخ بغداد	از خطیب بغدادی
۱۱	الخیرات الحسان	از علامہ ابن حجر مکی

اہم واقعات زندگی

جس وقت امام صاحب نے مسند درس وافتار کو زینت بخشی تھی اس وقت ہشام بن عبدالملک کا دور خلافت تھا یہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کی کل مدت خلافت بروایت واقدی انیس سال سات ماہ دس یوم ہے۔ اس کی عمر ۵۵ سال کی ہوئی۔ یہ بہت سے اوصاف حمیدہ کا مالک تھا۔ مورخ طبری لکھتا ہے

عفان بن شبیہ لکھتا ہے کہ میں ہشام کی خدمت میں باریاب ہوا۔ وہ ایک سبز رنگ کی پوستین پہنے ہوئے تھا۔ مجھے اس نے خراساں جانے کا حکم دیا اور کچھ ہدایتیں کرنے لگا میں اس کا لباس ہی دیکھتا رہا۔ ہشام تاڑ گیا اور کہا کیا ہے؟ میں نے کہا خلیفہ ہونے سے پہلے بھی میں نے آپ کو اسی لباس میں دیکھا تھا۔ اب میں یہی غور کر رہا ہوں کہ یہ وہی ہے یا کوئی اور ہے ہشام نے کہا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرے پاس اس پوستین کے سوا کوئی اور کپڑا نہیں ہے۔ یہ جو کچھ تم دیکھتے ہو کہ میں روپیہ جمع کرتا ہوں یہ سب آپ حضرات کے لئے ہوتا ہے۔[1]

مورخ مذکور نے اسی خلیفہ کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے:۔

"ایک شخص نے ہشام سے سخت کلامی کی اس نے کہا کہ تجھے یہ زیبا نہیں ہے کہ تو اپنے امام کے ساتھ سخت کلامی کرے۔"[2]

اس خلیفہ کے متعلق مورخین نے متعدد اسی قسم کے واقعات بیان کئے ہیں بایں ہمہ اموی دور خلافت کے خلاف اس کے حریفوں کے قلوب میں جو کینہ اور حسد پرورش پا رہا

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۳ ج ۳-۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۲

تھا، وہ ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ مختلف مقامات پر فسادات اور نقض امن کے واقعات ہوتے رہتے تھے لیکن حکومت کی طاقت ان کو کچل دیتی تھی۔

زید بن علی کا خروج

زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے خروج کے اسباب کے متعلق مورخین نے متعدد روایات ذکر کی ہیں شیعہ حضرات ان کے گرد جمع تھے اور ان کو جہاد کے لئے اکسا رہے تھے جس کا انجام یہ ہوا کہ زید بن علی نے خلافت کا مقابلہ کیا اور سنہ ۱۲۲ھ مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں کام آئے۔

جب شیعہ حضرات نے زید بن علی کے ہاتھ پر کوفہ میں اس شرط پر بیعت کی تھی کہ آپ کوفہ سے باہر نہ جائیں۔ لاکھوں تلواریں آپ کے لئے موجود ہیں[1]۔ اس وقت امام صاحب کوفہ ہی میں تھے اور آپ کے حلقہ درس کو جاری ہوئے۔ ایک سال ہو چکا تھا۔ امام صاحب کی اس وقت جو پوزیشن تھی۔ علامہ موفق نے لکھا ہے

زید بن علی بن حسین علی بن ابی طالب نے ایک قاصد امام صاحب کی خدمت میں اپنی اعانت کے لئے بھیجا تو امام صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگ (یعنی آپ کے رفقاء کار شیعہ) آپ کو ذلیل نہ کریں گے اور آپ کو شکست نہ دلائیں گے اور وفاداری کے ساتھ آپ کا ساتھ دیں گے تو میں ضرور آپ کی اتباع کرتا اور آپ کے ساتھ جہاد کرتا اس لئے کہ آپ امام برحق ہیں، لیکن یہ لوگ آپ کے ساتھ غدر کریں گے جیسا کہ آپ کے آباؤ اجداد کے ساتھ غدر کیا ہے، لیکن میں آپ کی مال کے ذریعہ اعانت کرتا ہوں تاکہ آپ کو تقویت پہونچے۔ یہ کہہ کر قاصد سے کہا کہ میرا یہ عذر بیان کر دینا اور یہ دس ہزار درہم میری جانب سے اُن کو پیش کر دینا[2]۔

دوسری روایت میں اس طرح مذکور ہے:۔

آپ سے پوچھا گیا کہ زید بن علی کے ساتھ نکلنا کیسا ہے تو آپ نے فرمایا جیسا کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپ کے ساتھ بدر کے لئے نکلنا! یہ سنکر آپ سے

---

[1] طبری صفحہ ۱۳۱ ج ۲۔ [2] مناقب ازموفق صفحہ ۲۶ ج ۱۔

عدم شرکت کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو فرمایا میرے پاس کچھ امانتیں ہیں میں نے ان کو ابن ابی لیلیٰ کے سپرد کرنا چاہا تھا مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ جب امام صاحب نے زید بن علی کے قتل کی خبر سنی تو رو دیے[1]

ان دونوں روایتوں کو ابو زہرہ نے بلا تنقید کے قبول کیا ہے[2]۔ حالانکہ تاریخی شہادتوں سے، اس کی وجہ جواز معلوم نہیں ہوتی ہے[3]۔ ہمارے نزدیک سب سے بہترین رائے محقق ہند علامہ شبلی کی ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے تحفہ میں لکھا ہے کہ زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد میں۔ جو بغاوت کی تھی، اس میں امام صاحب بھی شریک تھے (نامہ دانشوران کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے) لیکن ہم اس پر یقین نہیں کر سکتے۔ جس قدر تاریخ اور رجال کی کتابیں ہیں سب ہمارے سامنے ہیں۔ اس میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۲ھ میں بغاوت کی، اس وقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا، ہشام اگرچہ نہایت کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت جزرس تھا لیکن اس کی سلطنت نہایت امن و امان کی سلطنت تھی۔ ملک میں ہر طرف امن و امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی۔ بیت المال میں ناجائز آمدنیاں نہیں داخل ہو سکتی تھیں۔ ایسی حالت میں امام صاحب کے مخالفت کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے اس لئے ان کو بغاوت کرنا ضرور تھی (بخیال ان کے) کہ خلافت ان کا حق ہے لیکن امام صاحب کے متعلق غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ خاندان اہل بیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقرؒ کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی اور کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعوں

---

[1] موفق ص ۲۶۱ ج ۱۔ ابو زہرہ ص ۳۳ [2] تاریخ طبری ص ۳۱۵ تا ص ۳۶۳ ج ۲، ۳ [3]

کا اثر تھا، ان اتفاقی واقعات نے امام صاحب کے متعلق بدگمانی پیدا کردی ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں[1]

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں روایتیں شیعوں کی ایجاد ہیں ان پر معنی اور سند کے اعتبار سے کافی تبصرہ کیا جا سکتا ہے

امام صاحب کا سفر مکہ

۱۰۵ھ میں یزید بن عبدالملک کا انتقال ہوا اس کے بیٹے ولید کی عمر اس وقت بہت کم تھی اس لئے اپنے چھوٹے بھائی ہشام بن عبدالملک کے لئے بیعت خلافت لی اور ولید کو ولیعہد مقرر کیا لیکن یہ حد درجہ عیاش تھا ہشام نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح اس کی اصلاح ہو جائے اس کے لئے ایک دفعہ ولید کو امیر حج مقرر کیا تاکہ اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہو لیکن ولید نے یہ کیا کہ صندوقوں میں کتے بٹھلائے اور شراب کی بوتلیں بھریں۔ اس ارادے سے کہ اب تو بیت اللہ کی چھت پر خیمہ نصب کر کے وہاں دور شراب[2] چلے گا لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کو امیر الحج کے عہدے سے برطرف کرایا۔

ہشام نے اس کی جگہ اپنے بیٹے کو خلیفہ بنانا چاہا، لیکن ہشام اس میں کامیاب نہ ہو سکا اور ۱۲۵ھ میں ولید ہی تخت خلافت پر قابض ہو گیا۔ چنانچہ جگہ جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں

خلافت عباسیہ کے دعوے دار موقعہ کے متلاشی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یزید الناقص، ابراہیم بن ولید، مروان الحمار یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے اور ختم ہو گئے۔

مروان کے زمانے میں یزید بن عمرو بن ہبیرہ کوفہ کا گورنر ہوا[3]۔ یہ نہایت مدبر اور سیاستداں تھا، اس نے منصوبہ بنایا کہ امور سلطنت میں علماء کو شریک کرنا چاہیے اس طرح پبلک کے اوپر سہولت سے قبضہ ہو جائے گا۔ اس منصوبہ کے ماتحت تمام علمائے عراق کو جمع کیا اور مختلف عہدے ان کے سپرد کر دیئے۔ چنانچہ ابن ابی لیلی، ابن شبرمۃ، داؤد بن ہند کو بڑے بڑے عہدے اور جاگیریں عطا کیں جسکو انھوں نے

---

[1] سیرت النعمان ص ۳۳ [2] طبری ص ۳۲۲ ج ۲-۲۰۲ [3] سیرت النعمان ص ۲۳

قبول کرلیا، امام صاحب کو قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا چاہا تو انہوں نے اس سے انکار کردیا۔ ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اور حد یہ ہے کہ آپ اگر مسجد کے ستون شمار کرنے کو بھی کہیں گے نہیں کروں گا، چہ جائیکہ ایک مسلمان کے قتل پر دستخط کروں۔ اس پر ابن ہبیرہ کو غصہ آگیا اور حکم دیا کہ ان کے روزانہ دس کوڑے مارے جایا کریں۔ چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کرلیا گیا، اور روزانہ دس کوڑے مارے جانے لگے جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ اور جسم ورم کر آیا، لیکن آپ اپنی بات پر اٹل رہے[۱]

عبداللہ بن ابی حفص الکبیر اور امام حلبی بیان فرماتے ہیں کہ جن دنوں امام صاحب کوڑوں کی سزا دی جا رہی تھی آپ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم　　وفضلہ واسع یرجی و ینتظر
انتم یکدر ما تعطون منکم　　واللہ یعطی فلا من ولا کدر

یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے اور اس کا فضل بہت وسیع ہے جس سے اُمید کی جاسکتی ہے اور اسی کا انتظار کیا جاسکتا ہے تم تو احسان جتلا کر اپنی عطایا کی مشقت میں مبتلا کردیتے ہو، اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے نہ احسان جتلاتا ہے اور مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے اس المیہ کو نظم کیا ہے جس کے شروع کے دو شعر کا ترجمہ پیش ہے

---

[۱] علامہ شبلی نے اپنے بعض مقالات میں امام صاحب کے مجدد ہونے سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ "مجدد ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں ان میں سے تیسری شرط یہ ہے کہ جسمانی مصیبتیں اُٹھائی ہوں، جان دی ہو اور سرفروشی کی ہو" اس کے مطابق ایک معاصر مؤلف ابن تیمیہ نے بیان کیا ہے کہ شرط ۳ کی وجہ سے شبلی نے امام ابو حنیفہ، امام غزالی، شاہ ولی اللہ کو مجددیت کے دائرے سے خارج کردیا ہے[۲] لیکن مؤدبانہ گذارش ہے کہ دو شرطیں تو امام صاحب میں موجود ہیں، تیسری شرط کے پورا ہونے کیلئے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ہبیرہ کا کوڑے مارنا اور اسی طرح خلافت عباسیہ میں کوڑوں کی سزا پھر قید خانہ میں اس میں زہر پلا کر شہید کردیا۔" ان سے اگر تیسری شرط پوری ہو رہی ہو یعنی مصیبتیں برداشت کرنا، جان پر کھیلنا اور سرفروشی کرنا تو پھر امام صاحب کے مقام مجددیت سے انکار کرنا ناانصافی ہوگی۔ عدالت اور حلم دونوں آپ کے سپرد ہیں۔ عزیز الرحمن [۲] کردری ص ۲۵ ج ۲

(۱) اے نعمان کو مارنے والے تو اپنے نفس سے خوش ہے تو نے جہالت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو کمایا ہے

(۲) اے یزید تو ہمیشہ ان کے مارنے کی وجہ سے بغض رہے گا تو نے بہت بری چیز میزان آخرت کے لئے پیشگی بھیجی ہے[۱]

امام صاحب کو یہ سزا کتنے دنوں دی گئی ؟ بعض روایات میں چالیس اور بعض میں دس یوم مذکور ہیں۔ امام صاحب نے اس مصیبت سے کس طرح نجات پائی۔ اس کے لئے علامہ کردری کی تحریر پیش ہے ؟

ابن ہبیرہ نے کہا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں " تو خدا سے نہیں ڈرتا جو میری امت کے ایک بلا قصور آدمی کو مارتا ہے "۔ اس کے بعد ابن ہبیرہ نے امام صاحب کو آزاد کر دیا[۲]

اہل تاریخ نے یہ واقعہ ۱۳۰ھ کا تبلایا ہے[۳]۔ اس کے بعد آپ نے کوفہ کی سکونت کو ترک کر دیا اور مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور ۱۳۶ھ تک آپ وہیں مقیم رہے۔ جب ابو العباس السفاح خلیفہ ہوا تو آپ پھر دوبارہ کوفہ آگئے۔

قیام مکہ معظمہ

زمانہ قیام مکہ معظمہ میں آپ کا کیا مشغلہ تھا۔ بعض مورخین نے آپ کے حلقہ درس کا یہاں انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آپ نے کوفہ اور بغداد کے علاوہ کہیں حلقہ درس قائم نہیں کیا۔ لیکن ابو زہرہ نے اس روایت کی تردید کی ہے[۴]۔ اور علامہ موفق نے بھی وہی بیان کیا ہے جو ابو زہرہ کی رائے ہے چنانچہ موصوف نے دلیل میں حضرت عبد اللہ بن مبارک کی یہ روایت پیش کی ہے۔

رایت ابا حنیفۃ جالسا فی المسجد الحرام و یفتی اھل المشرق واھل المغرب والناس یومئذ	میں نے ابو حنیفہ کو مسجد حرام میں بیٹھے دیکھا کہ آپ اہل مشرق اور اہل مغرب کو فتویٰ دیتے تھے یہ وہ زمانہ ہے کہ

---

[۱] کردری ص۲۶ ج ۲ [۲] ایضاً ص۲۶ ج ۲ [۳] ابو زہرہ ص۳۲ [۴] ایضاً ص۵۲

ناس یعنی الفقہاء الکبار وخیار الناس حضوراً [۱] | جب بڑے بڑے فقہا اور بہترین انسان موجود ہوتے تھے۔

اس روایت سے آپ کا حلقہ درس واقعتاً مسجد حرام میں بھی ثابت ہے لیکن یہ مجلس مستقل نہیں تھی بلکہ عام دستور کے مطابق جب کسی بڑے شہر میں بڑا عالم پہنچ جاتا ہے تو استفادہ کی غرض سے وہاں آدمی جمع ہو ہی جاتے ہیں۔ اسی طرح کا یہ اجتماع ہوگا۔ لیکن اصل سوال مجلس تدوین فقہ

یہ ظاہر ہے کہ آپ نے تدوین فقہ کا کام ۱۲۱ھ سے شروع کر دیا تھا اور یہ کام کم وبیش ۳۰ سال (۱۵۰ھ) جاری رہا اور اس مجلس میں ۴۰ فقہا مجتہدین برابر شریک رہے۔ اگر کوئی موجود نہ ہوتا تو کام بند رہتا تھا۔ تو کیا مجلس تدوین فقہ کے شرکاء آپ کے ہمراہ آگئے تھے اسی کو ابو زہرہ مصری نے ترجیح دی ہے [۳]

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ قیام عارضی تھا اور ۱۳۲ھ میں آپ نے کوفہ آمد و رفت شروع کر دی، پھر ۱۳۶ھ میں مستقل کوفہ آگئے گویا اسی عارضی قیام میں تدوین فقہ کا کام بند رہا۔

امام اوزاعی سے مناظرہ

۱۳۰ھ میں جب آپ مکہ پہونچے تو یہاں امام اوزاعی سے رفع الیدین کے متعلق مناظرہ پیش آگیا، امام اوزاعی پہلے ہی سے امام صاحب کے متعلق اچھا خیال نہیں رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اوزاعی کے پاس حاضر ہوا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا، اے خراسانی! کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے۔ یہ سنکر میں واپس آیا اور تین دن مسلسل امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل منتخب کئے اور تیسرے دن اپنے ہمراہ کتاب لیکر آیا اور امام اوزاعی کی خدمت میں پیش کی۔ امام اوزاعی نے پوچھا یہ مسائل کس نے بیان کئے ہیں؟ میں نے کہا عراق میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی تھی جس کا نام نعمان ہے! امام اوزاعی نے کہا یہ تو بڑے

---

[۱] موفق ص۵۷ ج ۲ [۲] ابو زہرہ ص۵۲ [۳] ایضاً

پایہ کے شیخ معلوم ہوتے ہیں جاؤ ان سے علم حاصل کرو! میں نے کہا جی ہاں! یہ وہی نعمان ہیں جن کی کنیت ابو حنیفہ ہے اور جنکے پاس جانے سے آپ مجھے روکتے تھے۔

اس مرتبہ دسنتہ ۱۳۰ھ میں جب دونوں شیخ ایک جگہ جمع ہوئے اور تبادلہ خیال شروع ہوگیا تو مسئلہ رفع الیدین پر ذرا تفصیلی بات چیت ہوئی جسکو مسند امام اعظم سے نقل کیا جا رہا ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی مکہ میں دارخناطین میں جمع ہوئے تو امام اوزاعی نے امام سے پوچھا آپ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ اس پر امام اوزاعی نے فرمایا عجیب بات ہے مجھ سے زہری نے بروایت سالم عن ابیہ عن رسول اللہ صلعم یہ نقل کیا ہے کہ آپ رفع الیدین کرتے تھے۔ امام صاحب نے جواب دیا مجھ سے امام حماد نے بروایت ابراہیم نخعی عن علقمہ واسود عن ابن مسعود عن رسول اللہ صلعم حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلعم افتتاح صلوٰۃ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعی نے کہا میں تو زہری عن سالم عن ابیہ سے روایت بیان کر رہا ہوں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ حدثنی حماد الخ بھلا کوئی جوڑ بھی ہے؟ تب امام صاحب نے فرمایا حماد زہری سے زیادہ فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے افقہ تھے؟ اور علقمہ ابن عمر سے فقہ میں کم نہیں تھے اگرچہ ابن عمر کو صحبت کی فضیلت حاصل ہے اور عبداللہ بن مسعود بہرحال عبداللہ بن مسعود ہیں۔ بس یہ جواب سنکر امام اوزاعی خاموش ہو گئے [۱]

اس جگہ امام صاحب نے علقمہ کو حضرت ابن عمر پر فقہ کے اعتبار سے فوقیت دی ہے اور اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ فضل صحبت اور چیز ہے اور فقاہت کسی دوسری چیز کا نام ہے، جیسا کہ حضرت علقمہ حضرت وائل بن حجر کے بہت زیادہ مداح تھے اور ان کی بہت زیادہ تعریف و تعظیم کیا کرتے تھے لیکن انکے علم کے بارے میں

---

[۱] مسند امام اعظم باب رفع الیدین

فرمایا کرتے تھے۔

انہ اعرابی لایعرف الاسلام　　وہ اعرابی ہیں اسلام سے واقف نہیں

ابو العباس سے بیعت | ابو العباس السفاح بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے جب یہ خلیفہ ہوا تو لوگوں کو امید ہو گئی تھی کہ اب ظلم و ستم بند ہو جائے گا، لیکن ایسا ہوا نہیں کیونکہ نئی نئی خلافت تھی جگہ جگہ بغاوتیں ہو رہی تھیں اس لئے انتظاماً بہت زیادہ قتل و غارت گری ہوئی۔

بہرحال خلیفہ ہونے کے بعد اس کو اخذ بیعت کی ضرورت پیش آئی اور وہ اس غرض سے کوفہ آیا۔ کوفہ ان دنوں حکومت اسلامیہ کا سب سے بڑا شہر شمار کیا جاتا تھا۔ اتفاق سے ان دنوں امام صاحب کوفہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے مشورے کے لئے آکر گھیر لیا کہ اب کیا کریں۔ امام صاحب نے فرمایا تمہاری اور اپنی طرف سے خلیفہ سے جا کر گفتگو کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ گئے اور ایک مختصر اور بلیغ تقریر خلیفہ کے سامنے فرمائی کہ:-

الحمد للہ الذی بلغ الحق قرابۃ نبیہ صلعم واماتَ عنا جور الظلمۃ وبسط السنتنا بالحق قد بایعناک علیٰ امر اللہ والوفاء لک بعھدک الی قیام الساعۃ[1]	اس خدا کی تعریف جس نے خلافت حضور کے قرابت داروں کو عطا کی اور ظالموں کے ظلم کا ہم پر سے خاتمہ کر دیا اور ہماری زبانوں کو حق کے لئے بلند کیا ہم آپ سے احکام خداوندی اور وفائے عہد پر قیام ساعت تک کیلئے بیعت کرتا ہوں

یہ دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کی۔

بعض حضرات نے لفظ "قیام الساعۃ" کے متعلق لطائف بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ امام صاحب نے تلفظ میں میم کے کسرہ کو بڑھا دیا تھا یعنی قیامی الساعۃ، (یعنی اپنے یہاں کھڑے ہونے تک) اور کسرہ اور یا میں کوئی فرق نہیں ہے مطلب یہ ہے

---

[1] تنسیق ص۵۰ ابو زہرہ ص۳۵

کہ امام صاحب نے اس جگہ توریہ سے کام لیا تھا، لیکن یہ مناسب نہیں کیونکہ اس سے امام صاحب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ تو بچ گئے، لیکن عوام کو معصیت میں گرفتار کر دیا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو الفاظ بیعت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی بیعت مشروط تھی۔ اور مشروط بیعت شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

ابراہیم بن میمون کا قتل

ابراہیم بن میمون امام صاحب کے دوست ہیں آپ بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ امام صاحب اور عطا سے حدیث روایت کرتے ہیں اور ان سے حسان بن ابراہیم نے روایت کی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی ان کے بارے میں فرماتے ہیں لا باس یحیی بن معین، اور ابن حبان ان کی توثیق کرتے ہیں۔ امام صاحب کے پاس اکثر ان کی آمد و رفت رہتی تھی۔ آپ امام صاحب سے جہاد کے متعلق مشورہ کیا کرتے تھے۔ امام صاحب فرما دیتے تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگرچہ فرض ہے لیکن اس کے لئے حالات اور سامان کی بھی ضرورت ہے لیکن یہ باز نہ آئے۔ بالآخر ابو مسلم خراسانی نے ان کو گرفتار کر لیا اور قتل کر دیا۔

ان کے قتل کی خبر سنکر امام صاحب بہت زیادہ روئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک بیان فرماتے ہیں کہ گریہ کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ خیال ہونے لگا تھا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر جائے ؂

قیام کوفہ

سنہ ۱۳۶ھ سے پھر دوبارہ آپ نے کوفہ میں مستقل قیام فرما لیا۔ اس وقت ابو جعفر منصور خلیفہ تھا، اس کی خواہش تھی کہ علماء اس کے یہاں آمد و رفت رکھیں۔ بہت سے حضرات کو اس نے سرکاری عہدے بھی دیئے تھے۔ اس وقت پایہ تخت "ہاشمیہ" کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا۔

ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ اور دیگر علماء کو طلب کیا اور بیع و شرا اور زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق کتاب لکھنے کو کہا۔ چنانچہ طویل مدت کے بعد ان حضرات نے مسودات پیش کئے، تو خلیفہ کو پسند نہ آئے۔ کسی درباری نے خلیفہ سے

عرض کیا، حضور! کوفہ میں ایک شخص ابوحنیفہ نعمان ہیں ان کو اور بلائیے! چنانچہ امام صاحب کو بلایا گیا اور کتاب لکھنے کے لیئے کہا گیا۔ امام صاحب نے صرف دو دن میں وہ کتاب مرتب کر کے پیش کردی۔ خلیفہ نے اس کتاب کو بہت پسند کیا اور بطور انعام دس ہزار درہم پیش کیئے تو امام صاحب نے لینے سے انکار کردیا [1]

ایک دفعہ خلیفہ نے امام مالک، ابن ابی ذئب اور امام صاحب کو بلوایا، اور اپنی خلافت کے متعلق ہر ایک سے اظہار رائے چاہی۔ ہر ایک نے جو اس کے نزدیک حق تھا بیان کردیا۔ امام صاحب سے پوچھا تو فرمایا

جب آپ کی خلافت پر دو اہل فتوی متفق نہیں ہو پائے تو خلافت تو اجماع مومنین کا نام ہے۔

یہ سنکر خلیفہ نے خادم کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ باہر جائیں تو تین ہزار درہم ہر ایک کو پیش کرنا، اگر امام مالک لیں تو کل کے کل دیدینا اور اگر یہ دونوں لیں تو ہر ایک کی گردن اڑا دینا۔ چنانچہ غلام نے ان کے سامنے تین ہزار کی تھیلی پیش کی۔ امام مالک کے علاوہ دونوں نے انکار کردیا [2]

امام صاحب کا جواب اگرچہ گستاخانہ شمار کیا جا سکتا ہے لیکن حق وصداقت بہرحال حق وصداقت ہے۔ گو عارضی طور سے آدمی ابتلا میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن عنداللہ و عندالناس قدرومنزلت کی راہیں اسی سے کھلتی ہیں۔ لہذا بے لاگ تنقید وتبصرے کے باوجود ذاتی اور سرکاری معاملات میں بھی امام صاحب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور اور اسکی بیگم میں دوسری شادی کے متعلق بات بڑھ گئی۔ خلیفہ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا لیکن بیگم اس کو پسند نہیں کرتی تھی۔ لہذا امام صاحب کو حکم مقرر کیا گیا کہ جو وہ فرمائیں اسی پر عمل کیا جائے۔ امام صاحب تشریف لائے۔ بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں۔ خلیفہ نے سوال کیا کہ حر کو کتنی شادیاں کرنے کا حق ہے۔؟ امام صاحب نے فرمایا چار کا۔ یہ جواب سنتے ہی خلیفہ پردہ کی طرف مخاطب ہوا دیکھا! تب امام صاحب نے فرمایا، لیکن!

---

[1] موفق ص۱۵ [2] ایضاً ص۱۶ ج۱

فان خفتم الا تعدلوا — اگر تمہیں عدل نہ کرنے
فواحدۃ — الآیۃ — بس ایک ہی کافی ہے۔

لہٰذا اس کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے خلیفہ یہ سنکر خاموش ہو گیا اور امام صاحب باہر تشریف لے آئے۔ جب امام صاحب گھر پہنچے تو بیگم کا غلام اشرفیوں کی تھیلی لیکر حاضر ہوا اور بیگم کی طرف سے کہا کہ لونڈی آپ کا شکریہ ادا کرتی ہے اور یہ حقیر ہدیہ قبول فرمائیے۔ امام صاحب نے فرمایا، جاؤ! میرا سلام پیش کرنا اور کہنا کہ شکریہ اور ہدیہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو میرا فریضہ تھا جو میں نے ادا کیا ہے[1]

ایک دفعہ خلیفہ نے علمائے کوفہ کو جمع کیا اور پوچھا کیا رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے؟

المومنون عند شروطھم — مومنین کا معاملہ انکی شروط کے مطابق ہوتا ہے

سب نے کہا بیشک! تب منصور نے کہا کہ اہل موصل نے میرے خلاف خروج نہ کرنے کی بیعت کی تھی لیکن اب انھوں نے میرے خلاف خروج کیا ہے۔ انھوں نے میرے عامل کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کیا اب میرے لئے جائز ہے کہ میں انکو قتل کردوں مجمع میں سے ایک عالم نے کہا وہ آپ کے قبضہ میں ہیں اگر آپ اُن کو معاف کردیں تو بہتر ہے خلیفہ نے امام صاحب سے دریافت کیا، امام صاحب نے فرمایا ہم اس وقت بیعت خلافت میں ہیں۔ اگر جان کی امان ہو تو کچھ عرض کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا امان ہے! امام صاحب نے فرمایا:-

اہل موصل نے آپ کے ساتھ ایسی شرط کی ہے جس کے وہ خود مالک نہیں ہیں یعنی جان اور جان اللہ کی ملکیت ہے۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین اموالھم وانفسھم، لہٰذا اس میں بدل و اباحت جاری نہوں گے۔ بدیں وجہ اگر کسی آدمی نے دوسرے کو امر کیا کہ تو مجھے قتل کردے اور اُس نے تعمیل کرتے ہوئے قتل کردیا تو اس پر دیت واجب ہو جائیگی[2]

---

[1] ابوزہرہ صفحہ ۳۶ [2] امام زفر اس مسئلہ میں قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں الاوجی منشاء العرب

(باقی اگلے صفحہ پر)

لہٰذا آپ نے نامناسب شرط لگائی تھی اور مسلمان کا خون تین وجہ کے علاوہ بہانا جائز نہیں ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شرط ہے جس کا پورا کرنا آپ پر مقدم ہے[1]
منصور یہ سنکر لاجواب ہو گیا اور کہا اے شیخ! آپ تشریف لے جاسکتے ہیں لیکن آپ ایسا فتویٰ نہ دیں کیونکہ اگر آپ نے اپنے امام کے خلاف ایسا فتویٰ دیدیا تو خوارج کے ہاتھ آپ کے امام کی طرف دراز ہونے لگیں گے۔[2]

(گزشتہ سے پیوستہ) آدمی اللہ کی عمارت ہے اس سے انسان پر اللہ کی ملکیت ثابت ہوئی اور یہ کسی کا حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو منہدم کردے۔ امام صاحب شبہ کی وجہ سے قصاص ختم کرتے ہیں اور دیت واجب قرار دیتے ہیں۔
[1] موفق صر ۱۷ ج ۲ [2] ایضاً

مناظرے

امام صاحب کی ذکاوت اور ذہانت کے لئے یہی کیا کچھ کم ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

اگر دین ثریا پر بھی ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص اس کو وہاں سے اتار لائے گا۔ (مسلم)

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے باتفاق علمائے اُمت اس کا مصداق امام صاحب ہی کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب امام مالک سے آپ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا

اگر وہ شخص دلائل کے ذریعہ سے اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہے تو ثابت کر سکتا ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب کی دانشوری کے لئے آج ان کا مدون شدہ فقہ موجود ہے لیکن اس جگہ ہم چند مناظروں کا ذکر کر رہے ہیں ان سے کچھ نتائج بھی اخذ کرنے ہیں

قتادہ سے مناظرہ

حضرت قتادہ مشہور محدث اور تابعی ہیں بصرہ وطن ہے حضرت انس رضؓ، حضرت عبد اللہ بن جرجیس، حضرت ابو الطفیل سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت انسؓ کے دو شاگرد ہیں جو بہت مشہور ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہیں۔ حدیث کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ الفاظ و معنی میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا، لوگ ان کو احفظ الناس کہتے تھے۔ امام صاحب حدیث میں اُن کے شاگرد ہیں ان کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے وہ یہ کہ مدینہ منورہ میں یہ حضرت سعید بن مسیب سے حدیث پڑھتے تھے اور درمیان درس میں بہت زیادہ سوال کیا کرتے تھے ایک دن اُستاذ نے ان سے دریافت کر لیا کہ تم بہت زیادہ پوچھتے ہو، کچھ یاد بھی

رکھتے ہو تو انھوں نے بقید تاریخ لفظاً لفظاً سب سنا دیا۔ امام صاحب اُن کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قتادہ فقہ، واقفیت اختلاف، تفسیر میں بہت بڑے عالم ہیں۔

ایک دن حضرت قتادہ کوفہ تشریف لائے اور اعلان کرا دیا کہ جس کو جو پوچھنا ہو پوچھے، میں اس کا جواب دوں گا۔ لہذا سوالات کرنے کے لئے ایک مخلوق جمع ہوگئی امام صاحب بھی تشریف لائے اور کیوں نہ لاتے جب عام اجازت تھی۔ ہاں اگر ابتدا امام صاحب کی طرف سے ہوتی تو گستاخی کی بات تھی کہ استاذ کا مقابلہ کیا لیکن جب اُستاذ ہی ایسا اعلان کرے تو پھر اس کے اندر گنجائش موجود ہے

امام صاحب نے پوچھا، مفقود الخبر کی بیوی نے اس سے مایوس ہو کر اور یہ خیال کر کے کہ وہ مر گیا ہوگا دوسرا نکاح کر لیا، کچھ عرصہ بعد اولاد پیدا ہوئی اتنے میں پہلا شوہر بھی آگیا۔ اب دونوں شوہروں میں سے ہر ایک اس اولاد سے انکار کرتا ہے کہ میری نہیں ہے۔ گویا عورت پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے، اب اس عورت کے ساتھ کس شوہر کو لعان کرنا چاہیے۔ قتادہ نے کہا، کیا ایسا ہوا ہے، امام صاحب نے فرمایا ایسا ہو سکتا ہے، اس لئے علماء کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔ قتادہ نے کہا اسکو رہنے دیجیے کچھ تفسیر میں دریافت کیجئے۔ امام صاحب نے دریافت کیا۔ اس آیت کا مطلب بتلائیے؟

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک	اس نے کہا جو کتاب اللہ کے علم سے واقف تھا، میں آپ کے پاس ملکہ بلقیس کے تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پیشتر لے آؤں گا۔

یہ وہ قصہ ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کے تخت لانے کے بارے میں اعلان کیا کہ کون اس کو جلدی سے جلدی لا سکتا ہے تو اس روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے (جن کو اسم اعظم آتا تھا) کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں۔ یہ روایت اس وقت عام مسلمانوں میں بھی مشہور تھی لہذا حضرت قتادہ نے بھی یہی جواب دیا۔ تو امام صاحب نے دریافت کیا، کیا حضرت سلیمان

لہ۔ یہ واقعہ علامہ موفق اور علامہ کردری نے مناقب میں ص۲۳۰ ج ۱، اور ص۱۵۵ ج ا پر تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

علیہ السلام بھی اسم اعظم جانتے تھے؟ قتادہ نے کہا نہیں؟ تب امام صاحب نے فرمایا ہر ایک نبی کے زمانے میں اس سے زیادہ کوئی دوسرا عالم نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد قتادہ نے کہا، اچھا عقائد کے بارے میں دریافت کیجئے۔ آپ نے پوچھا آپ مومن ہیں؟ قتادہ نے کہا، ہاں انشاء اللہ میں مومن ہوں۔

محدثین کا مسلک یہ ہے کہ جب وہ اپنے ایمان کے بارے میں کہتے ہیں تو انشاء اللہ لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی نے امام حسن بصری سے پوچھا تو انہوں نے بھی انشاء اللہ لگا دیا سائل نے کہا یہاں انشاء اللہ کا کیا محل تھا تب حسن بصری نے فرمایا۔ میں نے اس وجہ سے کہا کہ زبان سے دعویٰ کروں اور خدا کے نزدیک اس دعوے میں جھوٹا ثابت ہوں؟ یہ بات وہم کے درجہ میں تو ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے قتادہ سے کہا، ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید میں انہوں نے فرمایا تھا

والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین ۔ الآیۃ — اور وہ ذات کہ جس سے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کو وہ میری خطائیں معاف کر دیگا۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا، حضرت ابراہیم سے جب انکے ایمان کے بارے میں سوال کیا گیا تھا،

اولم تومن — کیا آپ ایمان نہیں لائے

تو انہوں نے تو جواب میں فرمایا تھا۔

بلیٰ — بیشک میں ایمان رکھتا ہوں

آپ نے یہاں ان کی تقلید کیوں نہیں کی تو قتادہ خاموش ہو گئے[1]

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور سرکاری دربار میں ان کا بڑا مرتبہ تھا لیکن امام صاحب کے ہوتے ہوئے کوفہ میں ان کا کچھ بھی اثر نہ تھا۔ جس کی وجہ سے کہا کرتے تھے۔ اہل کوفہ بھی عجیب ہیں محض ایک شخص (ابو حنیفہ) کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں۔ امام صاحب نے

---

[1] سیرت النعمان ص۱۵ ج ا ۲ موفق ص۱۸۳ ج ا

امام ابو یوسف، امام زفر اور چند دیگر شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں، چنانچہ یہ سب حضرات گئے۔ امام ابو یوسف نے بیان کرنا شروع کیا۔

ایک غلام دو شخصوں میں شریک ہے جن میں سے ایک آزاد کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

قاضی یحییٰ نے کہا نہیں کر سکتا ہے! کیونکہ حدیث میں موجود ہے

لا ضرر ولا ضرار — یعنی وہ کام جس سے ضرر ہو جائز نہیں۔

اور مسئولہ صورت میں چونکہ دوسرے شریک کا نقصان ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ تو قاضی صاحب نے جواب دیا تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، آپ خود اپنے قول کی مخالفت کر رہے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ آزاد کرنا بھی چاہے تو آزاد نہیں ہوگا۔ لہٰذا دوسرے شریک کے بارے میں بھی یہی صورت پیش آئے گی اور غلام بدستور غلام رہے گا[1]

علامہ موفق نے اس مناظرہ کو ربیعہ بن عبد الرحمٰن کی جانب منسوب کیا ہے۔ جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ہم نے اس مناظرہ میں علامہ شبلی کی تحقیق پر عمل کیا ہے

امام ابو یوسف کو تادیب

ایک دفعہ امام ابو یوسف شدید بیمار ہوئے اور بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی۔ امام ابو حنیفہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:-

لئن مات هذا الغلام لم يخلف على وجه الارض مثله — اگر ان کا انتقال ہو گیا تو زمین پر ان کا کوئی جانشین ان جیسا نہ پایا جائے گا۔

یعنی امام صاحب نے امام ابو یوسف کے کمالات کو سراہا، کچھ دنوں کے بعد امام ابو یوسف اچھے ہو گئے تو انھوں نے اپنی مجلس درس علیحدہ قائم کر لی۔ امام صاحب

---

[1] سیرت النعمان

کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے ایک شخص کو سکھا کر بھیجا کہ یہ سوال کرنا:-

کہ ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا، جب وہ مانگنے آیا تو دھوبی نے کپڑا دینے سے انکار کردیا۔ پھر اس کے بعد دھوبی کپڑا لے کر آیا تو کیا اس دھوبی کی اُجرت ہوگئی یا نہیں؟ اگر ابو یوسف کہیں واجب ہوگئی تو کہہ دینا غلط اور اگر کہیں نہیں واجب ہوئی تب بھی کہہ دینا غلط۔

چنانچہ یہ آدمی گیا اور اس نے اسی طرح سے کہا جیسا کہ اس کو بتلایا گیا تھا تب تو امام ابو یوسف گھبرا گئے۔ اپنے اس فعل پر متنبہ ہوکر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے امام صاحب نے فرمایا "آپ کو تو یہاں دھوبی والا مسئلہ کھینچ لایا ہے۔ پھر امام صاحب نے جواب دیا اگر دھوبی نے کپڑا دھونے سے پہلے یہ کہا تھا، یعنی انکار کردیا تھا تب تو وہ غاصب ہے اور غاصب کی اُجرت نہیں ہوتی اور اگر کپڑا دھونے کے بعد انکار کیا تھا تو اُجرت واجب ہوگئی تھی۔ مگر جب وہ کپڑا لے کر آگیا تو اُس پر سے غصب کا جرم ساقط ہوگیا اور اُجرت بدستور رہی۔[1]

قاضی ابن ابی لیلیٰ پر تنقید

ابن ابی لیلیٰ کوفہ کے قاضی اور بڑے فقیہ تھے ۳۳ سال منصب قضا پر فائز رہے۔ امام صاحب اور اُن کے درمیان کسی قدر شکر رنجی رہتی تھی، ایک دن یہ اپنی مجلس قضا (مسجد) سے آرہے تھے کہ راستہ میں ایک عورت کو ایک آدمی سے جھگڑتے دیکھا تو کھڑے ہوگئے۔ عورت نے اثنائے گفتگو میں اس مرد کو "یا ابن الزانیتین" کہہ دیا، امام ابن ابی لیلیٰ نے سُنا اور عورت کو پکڑوا کر مجلس قضا (مسجد) میں لائے اور دو حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ عورت نے ایک ساتھ اس شخص کے ماں اور باپ دونوں پر تہمت لگائی تھی۔ امام صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا ابن ابی لیلیٰ نے چند غلطیاں کی ہیں

---

[1] موفق ص۱۰۹

(۱) اصول عدالت کے خلاف لوٹ کر پھر مجلس قضا میں آئے۔

(۲) اس میں کوئی مدعی نہیں تھا۔ ابن ابی لیلیٰ نے خود ہی مقدمہ بنا لیا

(۳) عورت پر مجلس قضا ہی میں حد جاری کرا دی۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلعم نے عورت پر بٹھلا کر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا ہے

(۴) ایک ساتھ دو حد جاری کر دیں، حالانکہ ایک حد مارنے کے بعد جب آرام ہو جاتا تب دوسری حد جاری کی جاتی

(۵) اس عورت پر دو حد نہیں آتی تھیں بلکہ ایک ہی حد کافی تھی۔ اس لئے کہ اس نے ایک ہی جرم کیا تھا۔

قاضی صاحب یہ سنکر بہت برہم ہوئے اور امام صاحب کی شکایت گورنر کوفہ سے جا کر کر دی۔ گورنر نے حکم دیدیا کہ امام ابو حنیفہ اب فتویٰ نہیں دے سکتے۔ چنانچہ امام صاحب فتویٰ سے رُک گئے۔ ایک دن اتفاق سے امام صاحب کی صاحبزادی نے ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، تو فرمایا، جان پدر! اپنے بھائی حماد سے معلوم کر لو، مجھے حاکم کی طرف سے ممانعت ہے۔ اور ہمیں اپنے حکام کا حکم ماننا چاہیئے۔[1] چند روز کے بعد خود گورنر ہی کو کوئی ضرورت پیش آئی جس کے لئے امام صاحب کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ امام صاحب نے فرمایا مجھے آپ کی طرف سے ممانعت ہے۔ گورنر نے کہا اب اجازت ہے

ایک رافضی سے مناظرہ

کوفہ میں ایک رافضی تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کو کافر اور یہودی کہا کرتا تھا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی تو اس کے پاس گئے اور کہا بھائی! میں تیری لڑکی کے لئے ایک آدمی کا پیغام لایا ہوں وہ آدمی حافظ قرآن ہے۔ رات بھر نماز میں قرآن پڑھتا ہے۔ خدا کے خوف سے بہت روتا ہے، لیکن وہ یہودی ہے۔ رافضی نے کہا چہ خوش! کیا میں اپنی لڑکی کی شادی یہودی سے کر دوں؟ امام صاحب نے فرمایا تو پھر پیغمبر خدا ؐ نے ایک چھوڑ دو لڑکیوں کی شادی حضرت عثمانؓ سے کیوں کر دی تھی؟ یہ سنکر یہ رافضی متنبہ ہوا اور توبہ کی اور

[1] دیانت داری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے - سیرت النعمان ص ۵۲ ج ۱

اپنی اس حرکت سے باز آیا۔[1]

ایک دن امام صاحب مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رافضیوں کا ایک عالم آیا جسکو شیطان طاق کہا جاتا تھا، اس نے کہا کہ جناب رسول اللہ صلعم کے بعد سب سے زیادہ طاقتور کون تھا؟ اس نے خود ہی کہا کہ ہم تو حضرت علی رض کو کہتے ہیں اور آپ حضرت صدیق اکبر رض کو کہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ حق حضرت علی رض کا تھا، لیکن حضرت صدیق رض نے قوت کے بل بوتے پر لے لیا تو کون طاقتور ہوا یہ سنکر وہ حیران رہ گیا۔

امام مرغینانی کہتے ہیں کہ امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک حمام میں تشریف لے گئے اتفاق سے یہ شیطان بھی وہاں پہونچ گیا۔ اور کہا کہ تمھارا اُستاذ تو مرگیا، اور ہمیں اس سے نجات مل گئی۔ امام صاحب نے فرمایا بیشک لیکن تمہارے اُستاذ (امام جعفر) کو قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی ہے۔ یہ سنکر وہ حیران رہ گیا اور اپنا تہبند کھول کر کھڑا ہو گیا تو امام صاحب نے آنکھیں بند کرلیں۔ اس نے کہا، آپ کب سے اندھے ہوگئے۔ امام صاحب نے فرمایا، خدا نے جب سے تیرا ستر پھاڑ دیا اور یہ فرماکر آپ باہر آگئے۔[2]

خوارج کے ساتھ مناظرہ

ایک دفعہ تقریباً ۷۰ خارجی امام صاحب پر آچڑھے اور تلوار نکال کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ آپ کو قتل ہی کریں گے۔ اس وجہ سے کہ آپ مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے۔ امام صاحب نے فرمایا پہلے تلوار نیاموں میں کرلو اس کے بعد سوال کرو، اس کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔ انھوں نے کہا ہم تو ان کو آپ کے خون سے رنگیں گے کیونکہ ایسا کرنے کو ہم ۷۰ سال جہاد فی سبیل اللہ سے افضل سمجھتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا اچھا کہو کیا کہتے ہو، تو خارجیوں نے کہا۔

اس جگہ باہر دو جنازے ہیں، جن میں ایک مرد ہے اور دوسرا عورت کا مرد شراب پی کر اسی حالت میں مرگیا۔ عورت حاملہ تھی اس نے خودکشی کرلی

---

[1] مناقب از کردری ص۱۶۱ ج ا [2] کردری ص۱۶۳

لہذا اب فرمایئے کیا کہتے ہیں؟

امام صاحب نے فرمایا اچھا یہ بتلاؤ یہ یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی۔ انھوں نے کہا اس میں سے کچھ بھی نہیں تھے تو امام صاحب نے دریافت کیا تو پھر کس ملت سے تھے خارجیوں نے کہا وہ اس ملت سے تھے جو یہ کہتے ہیں اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" امام صاحب نے دریافت کیا کہ یہ کلمہ ایمان کا کونسا جزو ہے؟ نصف ہے یا چوتھائی یا تہائی۔ خارجیوں نے کہا یہ تو کل ایمان ہے اس لئے کہ ایمان کے اجزاء نہیں ہوتے۔ امام صاحب نے فرمایا تو اب تم ہی لوگ بتلاؤ یہ دونوں جنازے کس کے ہوئے۔ مسلمان کے یا کافر کے؟ خارجیوں نے کہا اچھا اسکو رہنے دیجئے دوسری بات بتلایئے! وہ یہ کہ

یہ دونوں دوزخی ہیں یا جنتی

امام صاحب نے فرمایا اس کے بارے میں تو وہی کہوں گا جو حضرت ابراہیمؑ نے ان دونوں سے زیادہ مجرم کے بارے میں فرمایا تھا۔ یعنی

فمن اتبعنی فھو منی ومن عصانی فانک غفور رحیم الآیۃ — جس نے میری اتباع کی وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی پس اے خدا تو غفور رحیم ہے

اور یہ کہوں گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم۔ الآیۃ — اگر آپ اُن کو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔

اور وہ کہوں گا جو حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

وما علمی بما کانوا یعملون ان حسابھم الا علی ربی — جو کچھ انھوں نے کیا ہے وہ مجھ پر نہیں ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ پر ہے وہ جو چاہے کرے۔

یہ سنکر خارجیوں نے اپنی تلواروں کو نیاموں میں کر لیا اور تائب ہوئے اور عقیدہ اہل سنت والجماعت کو اختیار کر لیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی سے

مناظرہ کرنا ہو تو الٹا اسی سے پوچھنا شروع کردو تو غالب آجاؤ گے [۱]

ایک رومی سے مناظرہ

بغداد میں ایک رومی آیا اور اس نے خلیفہ سے آکر عرض کیا میرے یہ تین سوال ہیں اگر آپکی سلطنت میں کوئی موجود ہو تو بلایئے! خلیفہ نے اعلان کرا دیا۔ سب علما جمع ہوئے۔ امام صاحب بھی تشریف لائے۔ رومی ممبر پر چڑھا اور اس نے سوال کیا (۱) بتاؤ خدا سے پہلے کون تھا (۲) بتاؤ! خدا کا رُخ کدھر ہے (۳) بتاؤ اس وقت خدا کیا کر رہا ہے؟ یہ سنکر سب خاموش ہو گئے۔ امام صاحب آگے بڑھے اور کہا میں جواب دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ممبر سے نیچے اتر آئیں۔ رومی ممبر سے نیچے آگیا۔ امام صاحب ممبر پر جا بیٹھے اور سوال دوہرانے کو فرمایا۔ رومی نے سوالات کا اعادہ کیا تو امام صاحب نے فرمایا (۱) گنتی شمار کرو۔ رومی نے گننا شروع کیا، امام صاحب نے روکا، اور کہا، ایک سے پہلے گنو! رومی نے کہا، ایک سے پہلے کوئی گنتی نہیں ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا تو خدا سے پہلے بھی کوئی نہیں ہے

(۲) اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب نے ایک شمع روشن کی اور فرمایا، اس کا رُخ کدھر کو ہے۔ رومی نے کہا سب طرف کو۔ امام صاحب نے فرمایا خدا کا رُخ بھی سب طرف کو ہے

(۳) اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا نے تجھے نیچے اُتار دیا اور مجھے اوپر چڑھا دیا۔ رومی یہ سنکر شرمندہ ہوا اور واپس چلا گیا۔ [۲]

اہل مدینہ سے مناظرہ

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں مدینہ منورہ سے کچھ حضرات آئے اور انھوں نے کہا کہ ہم آپ سے قراۃ خلف الامام پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا تم سب سے ایک ساتھ کس طرح مناظرہ ہو سکتا ہے۔ لہذا تم اپنے میں سے سب سے زیادہ عالم کو منتخب کر لو! انھوں نے ایک آدمی کو منتخب کر دیا۔ امام صاحب نے فرمایا یہ تم میں سب سے زیادہ عالم ہے؟ انھوں نے

---

[۱] مناقب ا لکردری صـ ۱۶۳ ج ۱ [۲] موفق صـ ۱۴۶ ج ۱

جواب دیا ہاں ۔ امام صاحب نے پوچھا کیا اس کا اقرار وانکار آپ کا اقرار وانکار شمار ہوگا انھوں نے کہا ہاں، امام صاحب نے پھر پوچھا، اگر یہ ہار گئے تو آپ کی ہار شمار ہوگی ۔ انھوں نے کہا، ہاں! تب امام صاحب نے فرمایا مناظرہ ختم اس وجہ سے کہ ہم نماز میں امام کو اسی لئے تو منتخب کرتے ہیں ۔ حدیث میں موجود ہے

من کان لہ امام فقرأۃ الامام قرأۃ لہ [1] — جس کا امام موجود ہو تو امام کی قراۃ اس کی قراۃ ہوتی ہے

ابن اسحاق سے مناظرہ

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے اپنی رعایا کے سب علماء کو جمع کیا ۔ امام صاحب بھی تشریف لائے اتفاق سے ابن اسحاق صاحب مغازی بھی آئے ۔ یہ خلیفہ کے بیٹے کے استاذ تھے اور امام صاحب سے حسد اور کینہ رکھتے تھے ۔ انھوں نے خلیفہ کی موجودگی میں امام صاحب سے دریافت کرلیا ۔

اے ابو حنیفہ! آپ کی کیا رائے ہے، اگر کسی آدمی نے یہ کہا کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہیں کروں اور انشاء اللہ متصلاً نہیں کہا ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد انشاء اللہ کہہ دیا ۔

امام صاحب نے فرمایا استثنائے مقطوع سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہونچیگا ہاں اگر متصلاً کہتا تو اس کے حق میں مفید تھا ۔ ابن اسحاق نے یہ سُنا اور خوش ہوئے اور کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے، امیر المومنین کے جد اکبر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے

ان استثناء جائز لو کان بعد سنۃ — استثناء، اگر سال بھر کے بعد بھی ہو تب بھی جائز ہے

اور حضرت ابن عباس کا استدلال اس آیت سے ہے

واذکر ربک اذا نسیت — آپ جب اپنے رب کا نام بھول جائیں (تو جب یاد آئے) یاد کیجیے ۔

---

[1] موفق ص۱۶۱ ج ۱

منصور نے کہا کیا حضرت ابن عباسؓ نے یہی فرمایا ہے۔ ابن اسحٰق نے کہا جی ہاں! پھر کیا تھا منصور غضبناک ہوا اور ابن اسحاق یہی چاہتے تھے۔ خلیفہ نے کہا آپ حضرت ابن عباس کی مخالفت کرتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا نہیں! میرے پاس اس قول کی ایک بہترین تاویل ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک حدیث ہے اور وہ یہ ہے کہ :۔

من حلف علی یمین ویستثنی — جس نے قسم کھائی اور استثنا کر لیا

فلا حنث علیہ — وہ حانث نہیں۔

اور یہ جتنے حضرات ہیں آپ کی خلافت ہی کو نہیں مانتے، ان حضرات کا کہنا ہے کہ ہمارے اوپر خلیفہ کی بیعت کی ذمہ داری نہیں اس لئے کہ ہم اپنے گھر جا کر انشاء اللہ کہہ لیتے ہیں غرض کہ یہ لوگ جب چاہیں استثناء کریں، ان کے اوپر بیعت کی ذمہ دار نہیں رہتی۔ خلیفہ نے یہ سنا اور حکم دیا ابن اسحاق کی گردن میں چادر ڈال کر باہر کردو! جب امام صاحب باہر تشریف لائے تو ابن اسحاق نے کہا آج تو آپ نے قتل ہی کروا ڈالا تھا امام صاحب نے فرمایا اور آپ ہی نے کون سی رعایت برتی تھی۔[1]

امام باقر سے ملاقات

ایک دفعہ امام صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے وہاں امام باقر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے فرمایا آپ وہی ابوحنیفہ ہیں جنھوں نے میرے نانا کے دین کو بدل دیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ آپ کو غلط خبر پہونچی۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تشریف رکھیں تب میں اپنی صفائی پیش کروں۔ امام باقر بیٹھ گئے اور امام صاحب اُن کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ بتلایئے! عورت کمزور ہے یا مرد، اُنھوں نے کہا عورت! اچھا بتلایئے عورت کا حصہ کتنا ہے اور مرد کا کتنا؟ امام باقر نے کہا مرد کے دو اور عورت کا ایک۔ تب امام صاحب نے فرمایا اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت (ضعیف) کے دو حصہ مقرر کرتا پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ، جواب دیا نماز! امام صاحب نے فرمایا

---

[1] موفق ص۱۶۱ ج۱

اگر میں قیاس سے کام لیتا تو عورت سے ایام حیض کی نمازوں کی قضا ادا کروا تا ، اور روزے کی نہ کراتا ، کیونکہ نماز افضل ہے ۔ پھر پوچھا نطفہ زیادہ نجس ہے یا پیشاب ؟ فرمایا پیشاب ! امام صاحب نے فرمایا ، اگر میں قیاس سے کام لیتا تو پیشاب سے غسل کو واجب قرار دیتا اور نطفہ سے وضو کو فرض قرار دیتا ۔ مگر میں ایسا نہیں کرتا ہوں ۔ تب امام باقر نے امام صاحب کی تحسین فرمائی ، اور پیشانی کو بوسہ دیا ۔ [1]

چند مسائل

ان مناظروں کے علاوہ امام صاحب کے چند حیرت انگیز فتاویٰ اور تعجب خیز مسائل اور مسکت جوابات کو سطور ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے جن سے امام صاحب کی حاضر جوابی اور ذہانت و ذکاوت اور تفقہ کا کچھ حال معلوم ہو جائے گا ۔

سانپ اور دیت

ایک دن ایک مجلس میں امام ابو حنیفہ ، سفیان ثوری قاضی ابن ابی لیلیٰ موجود تھے ۔ ایک آدمی نے مسئلہ دریافت کیا کہ ایک سانپ اپنے سوراخ سے نکلا اور اہل مجلس میں سے ایک کے اوپر چڑھنے لگا ۔ اُس نے اضطراب میں دوسرے پر جھٹک دیا اور اسی طرح دوسرے نے تیسرے پر جھٹک دیا ۔ .. .. بالآخر سانپ نے آخری آدمی کے کاٹ لیا اور وہ مر گیا ۔ اب دیت کس پر آئے گی ۔ اس کے جواب میں کسی نے کہا پہلے پر آئے گی ۔ کسی نے کہا سب پر آئیگی ۔ کسی نے کہا آخری پر آئیگی ۔ امام صاحب یہ سب کچھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے ۔ آخر میں امام صاحب نے فرمایا جب پہلے آدمی نے دوسرے پر جھٹکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا آدمی تو بری الذمہ ہو گیا ۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب بری الذمہ ہو گئے ۔ ہاں صرف آخری

---

[1] موفق صفحہ ۱۶۸ ج ۱

آدمی سے پہلے آدمی کے بارے میں کلام ہے۔ اگر اس کے پھینکتے ہی سانپ نے کاٹ لیا۔ تو اس پر دیت آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ کے بعد کاٹا تو یہ آدمی بھی بری الذمہ ہوگیا اور جو آدمی مرا صرف اسی کی غفلت پائی گئی، کیونکہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیزی سے کام نہیں لیا۔ خود اسی کا قصور ثابت ہوا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی تعریف کی[1]

طلاق کی قسم

ایک آدمی امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کیا، میں جنبی ہوں اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی پر تین طلاق۔ اب کیا کروں؟ امام صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایک نہر کے پل پر لائے اور اسے نیچے دھکا دیدیا اور پھر اس کو باہر نکلوا لیا اور فرمایا جا، اب تو پاک ہوگیا ہے اور تیری بیوی پر بھی تین طلاق نہیں پڑیں۔[2]

غسل کے سلسلے میں امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنا، کلی کرنا، اور پورے جسم پر پانی بہانا فرض ہے جسم کو ملنا فرض نہیں ہے۔ اور نیت بھی فرض نہیں ہے اور اس مسئلہ میں بلا قصد و ارادہ فرض ادا ہو چکے ہیں اسلئے غسل بھی ہوگیا اور شخص کی عورت پر بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

(۲) آپ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نے قسم کھائی کہ اگر میں آج کسی بھی وقت کی نماز ترک کروں، تو میری بیوی پر تین طلاق۔ پھر قسم کھائی، اگر میں آج اپنی بیوی سے وطی نہ کروں تو اس پر تین طلاق، پھر قسم کھائی کہ اگر میں آج غسل جنابت کروں تو اس پر تین طلاق۔ امام صاحب نے فرمایا، اس شخص کو عصر کی نماز پڑھنا چاہیئے۔ اور عصر اور مغرب کے درمیان اپنی بیوی سے وطی کرلینا چاہیئے اور سورج چھپ جانے کے بعد غسل کرکے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کرنی چاہیئے۔[3]

شریعت کی اصطلاح میں رات دن کے تابع ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اگلا دن شمار ہونے لگتا ہے جیسا کہ رمضان، عید کی چاند رات ہوتے ہی رمضان اور عید کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

امام اعمش شکل و صورت کے اعتبار سے تو اچھے نہ تھے مگر ان کی بیوی نہایت

---

[1] سیرت نعمان ... [2] ... [3] ...

حسین و جمیل تھی، اسی وجہ سے دونوں میں جھگڑا رہتا تھا۔ ایک دفعہ عشا کے بعد دونوں میں جھگڑا شروع ہوا اور شدت اختیار کر گیا۔ ادھر عورت نے بھی شدت اختیار کر لی۔ اور بولنا بند کر دیا۔ امام اعمش نے قسم کھائی کہ اگر آج کی رات تو مجھ سے نہ بولی تو تجھ پر طلاق بائنہ۔ امام اعمش نے کہنے کو تو کہہ دیا، لیکن اس کے بعد بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ ادھر عورت درپہ آزار تھی ــ سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ امام صاحب سے جا کر کوئی صورت دریافت کریں۔ لہذا امام صاحب کے گھر گئے اور صورت حال سامنے رکھی۔ امام صاحب نے فرمایا کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ آج صبح کی آذان صبح صادق سے پہلے پڑھوا دوں گا۔ چنانچہ امام صاحب اس محلہ کے مؤذن کے پاس پہونچے اور فرمایا آج صبح کی اذان صبح صادق سے پہلے پڑھ دینا وہ تیار ہو گیا اور صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو عورت کو خوشی ہوئی اور بولی

خدا کا شکر ہے آج تجھ بوڑھے بد اخلاق سے میرا دامن پاک ہوا۔

دو بھائیوں کا عقد

کوفہ میں ایک رئیس تھا۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ ان دونوں کی شادی ایک دوسرے رئیس کی دو لڑکیوں سے ہوئی تھی۔ جب بارات رخصت ہو کر آئی تو غلطی سے عورتوں نے دلہنوں کو زفاف گاہ میں داخل کرنے میں تبدیلی کر دی۔ اسی غلط فہمی میں ہر دو لہا نے اپنی اپنی دولہن سے وطی بھی کر لی جو اس کی خواب گاہ میں تھی۔ صبح ہوئی ادھر ولیمہ کا انتظام کافی تھا۔ شہر کے شرفاء اور علماء موجود تھے کہ یکایک زنان خانے میں شور بلند ہوا۔ اہل خانہ باہر آئے تو نہایت پریشان۔ اب جتنے منہ اتنی باتیں۔ بالآخر امام صاحب سے دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے دونوں شوہروں کو بلایا۔ اور دریافت کیا رات تم نے جس دلہن کے ساتھ شب باشی کی ہے وہ تمھیں پسند ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ تب امام صاحب نے فرمایا اچھا تم اپنی اصل منکوحہ کو طلاق دیدو اور اس کا آدھا مہر ادا کرو۔ اس کے بعد

لہ موفق ص ۱۲۱ ج ۱

دونوں شوہروں کا عقد اسی عورت سے پڑھا دیا گیا۔ جس کے ساتھ اس نے شب باشی کی تھی۔ اس صورت میں عدت بھی کسی عورت پر نہیں آئی، اس لئے کہ طلاق قبل دخول تھی۔ امام صاحب کی اس تدبیر کی سب نے تحسین کی[1]

انگوٹھی کا مسئلہ ایک دفعہ ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے پوچھا کہ یہ میرے پاس انگوٹھی ہے جو مجھے بہت محبوب ہے۔ لیکن اس پر نام "عطار بن عبداللہ" کندہ ہے جو مجھے پسند نہیں ہے بتایئے کیا کروں؟ امام صاحب نے فرمایا، لفظ "بن" کی با کو گول کر دو اور عبد کے اوپر نقطہ لگا دو "عطار من عند اللہ" ہو جائے گا۔ ابن ہبیرہ نے اس کو بہت پسند کیا۔

تکفیر میں احتیاط امام صاحب کا مسلک ہے کہ اگر کسی شخص میں ۹۹ وجہ سے تکفیر ثابت ہو اور صرف ایک وجہ سے ایمان تو اسی ایک وجہ کو ترجیح دی جائے گی۔ لہٰذا وہ حتی الامکان مومن کے فعل کی تاویل کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ امام صاحب کی خدمت میں ایک شخص آیا، اور عرض کیا کہ ایک شخص جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے لیکن اس کو جنت کی خواہش نہیں، دوزخ کا خوف نہیں، (مردار) کھاتا ہے، بلا رکوع و سجدہ کے نماز پڑھتا ہے۔ بن دیکھے شہادت دیتا ہے۔ حق سے بغض اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام صاحب نے فرمایا وہ مومن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خواہش میں اسکو جنت کی خواہش نہیں، وہ نار سے نہیں بلکہ رب النار سے ڈرتا ہے۔ اور مچھلیاں جو کہ میتہ ہیں کھاتا ہے، نماز جنازہ پڑھتا ہے اور اس میں رکوع و سجدہ نہیں۔ کلمۂ شہادت پڑھتا ہے۔ حالانکہ نہ اس نے خدا کو دیکھا اور نہ رسول کو، موت کہ امر حق ہے اس سے بغض رکھتا ہے تاکہ خوب عبادت کرے، مال اور اولاد جن کو قرآن نے فتنہ کہا ہے محبوب رکھتا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کے اس قول لیست النصاریٰ

---

[1] موفق ص ۱۲۵ ج ا

علی شیئ اور لیست الیھود علی شیئ جو کہ قرآنی آیت ہے تصدیق کرتا ہے
یہ جواب سُن کر تمام اہل مجلس آپ کا منہ حیرت سے تکنے لگے۔

حضرت عائشہؓ کا سفر

ایک شخص نے سوال کیا، حضرت عائشہؓ کے سفر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیا حرج ہے وہ تو ام المومنین ہیں۔ تمام مومن ان کے محرم ہیں اس لئے ان کو مزید محرم کی کیا ضرورت تھی۔[۲]

ایک قیاس

ایک آدمی نے سوال کیا، ایک پیالہ ہے اس میں ایک طرف چاندی کا پتر لگا ہے کیا اس سے پانی پینا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر کوئی آدمی ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہو اور وہ چلو سے پانی پینا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ اس نے کہا جائز ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ بھی جائز ہے۔[۳]

---

[۱] موفق ص۱۰۲ ج ۱ [۲] ایضاً ص۱۳۹ ج ۱ ۔ [۳] ایضاً

گرفتاری اور وفات

عام طور سے تاریخ کی کتابوں سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں اول یہ کہ آپ کو عہدۂ قضاء سے انکار کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ دوم یہ کہ آپ نے نفس ذکیہ کے خروج میں حکومت کے مخالف گروپ کی موافقت کی تھی۔

عہدۂ قضاء سے انکار

گذشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے ابن ہبیرہ کے زمانے میں بھی قضاء کے عہدے سے انکار کر دیا تھا اور خلیفہ ابو جعفر منصور کو بھی صفائی کے ساتھ جواب دیدیا تھا کہ میں ہرگز یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا۔ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں اور اس پر قسم بھی کھالی تھی، اس پر امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ علامہ ابو زہرہ مصری لکھتے ہیں :۔

> داؤد بن راشد کہتے ہیں کہ جس وقت امام صاحب کو سزا دی جاتی تھی تو میں موجود تھا۔ آپ کو روزانہ قید سے نکالا جاتا تھا اور دس کوڑے مارے جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ۱۱۰ کوڑے مارے گئے اور آپ سے قضاء کے قبول کرنے کو کہا جاتا تھا اور آپ یہی فرما دیتے تھے کہ میں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا ہوں چنانچہ جب مسلسل یہی سزا دی گئی تو آپ نے خدا سے دعا کی۔ الٰہی مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھ، چنانچہ آپ کو زہر دیا گیا اور آپ کا اسی میں انتقال ہوا[1]

لیکن اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بنا پر آپ نے اتنی بڑی سختی برداشت کی اور عہدۂ قضاء کو قبول نہ کیا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ آپ نے بربنائے تقویٰ ایسا کیا تھا تاریخی روشنی میں بھی یہ وجہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے

---

[1] ۔ ابو زہرہ صفحہ ۵۱

قضاء سے انکار کا سبب

حضرت عمرؓ کے زمانے میں عدلیہ کے شعبہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا لیکن باوجود اس کے عدلیہ بالکل آزاد تھا، کوئی دباؤ اس پر نہیں ڈالا جاتا تھا چنانچہ علامہ حموی نے حاشیہ الاشباہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

جب حضرت عمرؓ کے ملکی مشاغل بہت زیادہ بڑھ گئے تو انھوں نے عدلیہ کو حضرت ابو درداء کے سپرد کر دیا۔ انھیں ایام میں ان کے پاس دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے۔ حضرت ابو درداء نے ایک کے حق میں فیصلہ کر دیا تو دوسرا شخص حضرت عمرؓ کے پاس پہونچا، اور اپنی شکایت پیش کی تو آپ نے فرمایا:۔

لو کنت انا مکانہ لقضیت لک — اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو تیرے حق میں فیصلہ کرتا۔

اس شخص نے کہا آپ تو خلیفہ ہیں کیوں نہیں فیصلہ کرتے آپ نے فرمایا یہاں میرے پاس کوئی نص نہیں ہے اور رائے ایک مشترک چیز ہے یعنی اس میں ہم دونوں برابر ہیں۔ لیس ھناک نص والرائے مشترک[1]

اس سے ظاہر ہے کہ عدلیہ کے معاملات میں خلیفۂ وقت بھی دخل اندازی نہیں کرتا تھا لیکن اس کے برخلاف خلافت بنی امیہ میں اگر درباریوں کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو قاضی کو بے عزتی کے ساتھ معزول کر دیا جاتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے پہلے تک ایسا ہی رہا چنانچہ خلیفہ منصور کے زمانے میں قاضی شریک کا بہت برا حشر ہوا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے زمانے میں، مہدی کے ایک فوجی کے خلاف قاضی عبید اللہ بن حسن کی عدالت میں ایک تاجر نے اپنا مقدمہ پیش کیا ادھر پیشی ہوئی۔ ادھر مہدی کا پیغام پہونچا "دیکھو جس زمین کے متعلق فلاں افسر اور فلاں تاجر کے درمیان جھگڑا ہے اس میں فیصلہ افسر کے حق میں دو" لیکن

---

[1] حاشیہ علامہ حموی

قاضی عبیداللہ نے فوجی افسر کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس پر مہدی نے ان کو معزول کر دیا۔
بعض دفعہ تو قاضی کی اہلیت کا بھی سوال نہیں تھا، خواہ وہ مستحق قضا ہو یا نہ ہو لیکن حکومت کا وفادار ہو اسی کو قاضی کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اموی دور خلافت میں قاضی عابس کے بارے میں مروی ہے کہ وہ پورا قرآن بھی نہیں پڑھا تھا، لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، فرائض سے بھی واقف نہیں تھا، لیکن پورے مصر کا قاضی تھا کیونکہ اس نے یزید کی بیعت کے سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں تھی۔
یہ حالات تھے جن کے پیش نظر امام صاحب نے عہدۂ قضا سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ اپنے فیصلوں کو حکومت سے متاثر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

بغاوت کا الزام

امام صاحب کی گرفتاری کا دوسرا سبب حکومت سے بغاوت تبلایا جاتا ہے جس کو ہم سطور ذیل میں علامہ شبلی کے قلم سے نقل کر رہے ہیں:۔
۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنی اُمیہ کا خاتمہ ہو گیا اور آل عباس تخت و تاج کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفّاح تھا۔ اس نے چار برس حکومت کی۔ ۱۳۶ھ کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا تھا یہاں تک کہ خلفائے بنی امیہ کی قبریں اکھڑوا کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں تھیں۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا، جا بجا بغاوتیں اُٹھیں، ان فتنوں کو فرو کرنے میں سفاح اور منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھیں ان کے جانشینوں پر لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیئے۔ چنانچہ ایک موقع پر منصور نے کہا کہ ... ... کام کے ... ... آدمی نہیں

ملتے .... عبدالرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

منصور نے یہ ستم بھی کیا کہ سادات کی بھی خانہ بربادی شروع کردی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا ہی تھی اور ایک لحاظ سے انکا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی، صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی، بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی ہے خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے۔ نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر، قوی بازو، فن جنگ سے واقف تھے، لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں مارے گئے۔ ان کے بعد ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے سے تکیہ اٹھا لیا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے ان کے دعویٰ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علما و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی، خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے جس کا ان کو ہمیشہ

افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انھوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعۃ الاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا القیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئتہ

میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں ۔ اس وقت اسی قدر موجود تھے۔ اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ ہوتیں تو میں ضرور آپ سے ملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو حضرت علی نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں ۔ ایسا نہ کرنا، جیسا حضرت علی نے جنگ جمل میں کیا تھا۔ کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے ۔

اس خط اور علامہ شبلی کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ابراہیم کے طرفدار تھے ۔

گرفتاری

۱۴۶ھ میں ابراہیم شہید ہو گئے۔ ان کے قتل کے بعد منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جنھوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا، اس لئے منصور نے بغداد پہونچ کر امام ابو حنیفہ کو طلب کیا ، اور اُن کو قتل کرنے یا قید کرنے کا یہ بہانہ تلاش کیا کہ آپ کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا آپ نے انکار کر دیا۔

منصور نے امام صاحب کو گرفتار تو کر لیا اور جیل خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن چونکہ امام صاحب کوئی معمولی شخصیت کے مالک تو نہ تھے اس لئے شہرت ہو گئی اور لوگ اسی حالت میں استفادہ کرنے کے لئے آنا شروع ہو گئے۔

لہ - سیرۃ النعمان ۳۴، ۳۵، ملخصاً

اور جیل خانہ ہی حلقہ درس بن گیا۔ اس حالت میں امام محمد نے بھی امام صاحب سے استفادہ کیا۔ غرض کہ تقریباً چار سال امام صاحب کو نظر بند رہنا پڑا یعنی ۱۴۶ھ تا ۱۵۰ھ

وفات امام صاحب کی وفات جس دن ہوئی وہ دن جمعہ کا مہینہ شوال کا اور سنہ ۱۵۰ھ تھا۔ خلیفہ کو آپ کی طرف سے اندیشہ تھا، کیونکہ آپ کی مقبولیت قید کی حالت میں اور بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ اس لئے دھوکہ میں آپ کو زہر دیدیا گیا جس وقت آپ کو علم ہوا تو سجدۂ شکر ادا کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

علامہ ابوزہرہ مصری نے تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت امام صاحب کی خدمت میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

لا اشرب لانی اعلم ما فیہ ولا اعین علی قتل نفسی فطرح وصب فی فیہ۔ [۲]

میں نہیں پیوں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ اس میں جو کچھ ہے اور میں اپنی ہلاکت پر اعانت نہیں کروں گا۔ لہذا آپ کو گرایا گیا اور زہر کا پیالہ آپ کے منہ میں انڈیل دیا گیا۔

یہ روایت اپنے سیاق وسباق اور معنی کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ اسی طرح کوڑے والی روایت بھی بالکل غلط ہے، کیونکہ ان دونوں روایتوں سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امام صاحب کی کوئی پوزیشن ہی نہ تھی۔ حالانکہ امام صاحب کے گرد تلامذہ اور عقیدتمندوں کا وہی ہجوم رہتا تھا جو جیل سے باہر تھا۔ آپ صرف نظر بند تھے اور اس روایت سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا تھے اور آپ کے ساتھ دست درازی کی گئی حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے، کیونکہ عقیدتمندوں کا اسقدر ہجوم ہو اور آپ کے ساتھ زبردستی کی جائے ناممکنات میں سے ہے۔ اسی طرح کوڑوں والی روایت بھی ابن ہبیرہ کے متعلق ہے نہ کہ خلیفہ منصور کے متعلق

[۱] ۔ سیرت النعمان صفحہ ۲۷ ۔ [۲] ابوزہرہ

صلوٰۃ جنازہ اور تدفین

امام صاحب کے انتقال کی خبر تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا شہر امنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ (جو آپ کے اُستاذ بھی ہوتے تھے) قاضی شہر نے آپ کو غسل دیا۔ غسل کے وقت حسن بن عمارہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے تیس سال سے افطار نہیں کیا اور نہ چالیس سال سے رات کو آرام کیا۔ آپ ہم سب میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ عابد، سب سے زیادہ پرہیزگار تھے[1]

غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی تھی، پہلی نماز (جو حسن بن عمارہ نے پڑھائی تھی) میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے۔ آپ کے جنازہ کی نماز چھ مرتبہ ہوئی اور دفن کے بعد ۲۰ دن تک آپ کی قبر پر لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے خلیفہ منصور نے بھی آپ کی صلوٰۃ جنازہ قبر پر ہی جاکر پڑھی

امام صاحب کی وصیت کے مطابق آپ کی قبر شریف خیزراں کے مقبرے میں بنائی گئی۔ آپ کے خیال میں وہی جگہ ایسی تھی جو مغصوبہ نہیں تھی۔ امام صاحب کے انتقال کے بعد تین دن تک مسلسل جنات کے رونے کی آوازیں سنائی دیں

امام صاحب کا مقبرہ

۴۵۹ھ میں آپ کی قبر پر شرف الملک ابوسعد نے قبہ تعمیر کرایا، اور اسی کے قریب ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا اسوقت ابوجعفر مسعود بن ابی الحسن جاسی بھی موجود تھا جس نے یہ اشعار پڑھے

(۱) دیکھتے نہیں ہو علم مرچکا تھا لیکن اس کو اس قبر میں پوشیدہ ہستی نے زندہ کیا

(۲) اسی طرح یہ زمین بھی مرچکی تھی، اس کو ابوسعد نے زندہ کیا

جب اسماعیل بادشاہ بغداد پر قابض ہوا تو رافضیوں نے اس قبہ اور مدرسہ کو بالکل مسمار کردیا تھا اور اس جگہ کوڑا کرکٹ ڈالنا شروع کردیا تھا۔ یہی معاملہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مقبرے کے ساتھ کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان اشرار سے بغداد

---

[1] الخیرات الحسان ص۶۲ [2] سیرۃ النعمان [3] مناقب الکردری ص۲۳ ج ۲

کو بہت جلد پاک و صاف کر دیا۔

سنہ ۹۷۴ھ میں سلطان سلیم بن سلیم نے ازسر نو دونوں مزاروں پر قبے تعمیر کرائے جو کہ اب تک باقی ہیں۔ امام صاحب کی قبر شریف دیکھ کر کسی عربی شاعر نے چند اشعار کہے ہیں جن کا ترجمہ پیش ہے۔

۱۔ امام صاحب کی قبر جنت الخلد کا ایک باغیچہ ہے

۲۔ اس جگہ بہت زیادہ شرافتیں اُبلتی ہیں

۳۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے جب تک تارے منور ہیں[1]

---

[1] کردری ص۳۳۔ ج ۲

بنا کردند خوش رسمے
کہ خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں
عاشقانِ پاک طینت را

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب سوم

بشارات
اور
خراج عقیدت
معہ

اعتراضات و جوابات

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ ردالمختار — از علامہ ابن عابدین
۲۔ حدائق الحنفیہ — از مولانا فقیر محمد صاحب
۳۔ مناقب — از علامہ کردری
۴۔ تذکرۃ الاولیاء — از شیخ فریدالدین عطار
۵۔ بخاری شریف — از امام بخاری
۶۔ مسلم شریف — از امام مسلم
۷۔ اوشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی
۸۔ جمع الفوائد — از علامہ ابن اثیر
۹۔ مناقب — از علامہ موفق
۱۰۔ انوالباری — از مولانا احمد رضا صاحب
۱۱۔ تابعین — از شاہ معین الدین صاحب اعظمی
۱۲۔ مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی
۱۳۔ فیوض الحرمین — از شاہ ولی اللہ محدث دہلی
۱۴۔ الخیرات الحسان — از علامہ ابن حجر مکی
۱۵۔ الیواقیت والجواہر — از امام شعرانی
۱۶۔ احیاء العلوم — از امام غزالی
۱۷۔ فقہ اکبر — از ابو یوسف بخاری
۱۸۔ عمدۃ الرعایہ — از مولانا عبدالحی صاحب
۱۹۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب
۲۰۔ میزان الاعتدال — از علامہ ذہبی
۲۱۔ البنایہ شرح ہدایہ — از علامہ عینی
۲۲۔ المحکم — از علامہ ابو عمر والدنی دمشقی
۲۳۔ غنیۃ الطالبین — از شیخ عبدالقادر جیلانی
۲۴۔ ابو حنیفہ — از ابو زہرہ مصری
۲۵۔ الجواہر المضیہ — از علامہ ابن ابی الوفاء

بشارات

(۱) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اگر دین ثریا ستارے کے قریب بھی ہوگا تو اس کو وہاں سے فارسیوں کا ایک آدمی حاصل کرلے گا۔

یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے بعض میں دین، بعض میں ایمان بعض میں علم کا لفظ ہے۔ اور اس کو بخاری، مسلم، شیرازی، طبرانی نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے قدرے مشترک حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ بخاری و مسلم کی تخریج کے بعد تو تنقید کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیث امام ابو حنیفہ کی فضیلت اور بشارت میں اصل صحیح ہے، چنانچہ علامہ موصوف کے تلمیذ جناب حافظ محمد یوسف دمشقی نے مواہب کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

وما جزم بہ شیخنا من ان ابا حنیفۃ — ہمارے شیخ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ
ھو المراد من ھذا الحدیث — اس حدیث میں امام ابو حنیفہ مراد ہیں۔

علامہ ابن العابدین الشامی نے رد المحتار میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے اس میں شک نہیں ہے کہ ابنائے فارس میں امام ابو حنیفہ کے مبلغ علم کو کوئی نہیں پہونچا لہذا یہ حدیث قطعاً امام صاحب پر محمول ہے[1]۔ اسی قسم کے الفاظ ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح کے مقدمہ میں ذکر فرمائے ہیں۔ مولانا خرم علی صاحب نے نیل الاوطار میں بھی اسی قسم کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ممکن ہے بعض کو یہ خیال ہو کہ اس سے تو امام ابو حنیفہ کی حضرت سلمان فارسی پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہوگئی۔ لیکن گذارش یہ ہے . . . . کہ حضرت سلمان فارسی کو صحبت حاصل ہے اور یہ ایسی فضیلت جسکی قیامت تک امت کا کوئی فرد نہیں پا سکتا تمام فضیلتیں اس

[1] رد المحتار ص۲۹ ج۱ ص۵ ایضاً

فضیلت کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتیں، لیکن علم واجتہاد میں امام صاحب ہی فوقیت رکھتے ہیں اور جزوی فضیلت حاصل ہونا کوئی امر غیر مشروع بھی نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اعتراض قائم کیا جائے

(۲) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے خواب دیکھا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کے مرقد شریف کو کھود ڈالا ہے اور میں آپ کے عظام مطاہرہ کو جمع کر رہا ہوں۔ یہ خواب آپ نے ابن سیرین سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا یہ خواب ابوحنیفہ نے دیکھا ہوگا؟ امام صاحب نے فرمایا میں ابوحنیفہ ہی ہوں تب ابن سیرین نے کہا اچھا اپنی پشت اور پہلوئے چپ دکھلاؤ۔ امام صاحب نے اپنا پہلو اور کمر کھول دی۔ امام ابن سیرین نے آپ کے بازو اور پشت پر ایک تل دیکھ کر فرمایا آپ ابوحنیفہ ہی ہیں، اور اس کے بعد خواب کی تعبیر بیان فرمائی کہ اس سے مراد علم کا زندہ کرنا اور جمع کرنا ہے[۱]۔

(۳) ایک دفعہ امام صاحب امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انھوں نے فرمایا

انت تحیی سنت جدی[۲] آپ میرے جد محترم کی سنت کو زندہ کریں گے

امام باقر نے اگرچہ یہ اپنی فراست سے فرمایا تھا، لیکن یہ بات حرفاً حرفاً صحیح ثابت ہوئی۔

امام صاحب کے مناقب میں اسی قسم کی روایات بہ کثرت موجود ہیں جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہیں یہ بھی افسوس ہے کہ امام صاحب کے مادحین اور عقیدت مندوں نے نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور باطل و موضوع روایات تک سے گریز نہیں کیا۔ غالباً اسی میں انھوں نے امام صاحب کی فضیلت کو منحصر سمجھا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ امام صاحب کو فوقیت اور فضیلت ان کے علمی اور عملی کمالات کی وجہ سے حاصل ہے۔ اگر اس قسم کے سب ہی اقوال آپ کی سیرت اور سوانح سے جدا کر دئیے جائیں تب بھی آپ کے مقام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۱؎ حدائق ص ۳۰ ۲؎ کردری ۱۲ مشرج ۱

بعد وفات ابی حنیفہ

امام صاحب کے انتقال کے بعد جو رویائے صالحہ مختلف حضرات نے دیکھیں ان کو اس جگہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ قاضی ابو رجا کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا مغفرت فرمادی امام ابو یوسف کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں[1]

۲۔ حفص بن غیاث کہتے ہیں میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا، بخش دیا[2]۔

۳۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں، ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت میں حضرات صحابہ رضہ کے بیچ میں ہیں مجھے دیکھ کر فرمایا، کاغذ اور دوات لاؤ۔ میں اپنے جنتی اصحاب کے نام لکھ لوں۔ میں نے عرض کیا میرا نام بھی لکھ لیجئے تو امام صاحب نے میرا نام بھی لکھ لیا[3]۔

۴۔ ابو معاذ فضل بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، امام ابو حنیفہ کے علم کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا وہ ایسا علم ہے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہے گی[4]۔

۵۔ مقاتل بن سلیمان (مشہور مفسر) فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی سفید لباس پہنے آسمان سے اترا اور بغداد کے منارے پر کھڑا ہوا، دو مرتبہ بہ آواز بلند کہا فقد الناس یعنی لوگ تباہ ہو گئے۔ اسی صبح کو امام صاحب کا انتقال ہو گیا[5]۔

۶۔ ابن بسطام کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور امام صاحب جھنڈا لئے کھڑے ہیں۔ میں نے دریافت کیا حضرت کس کا انتظار ہے؟ فرمایا اپنے اصحاب کا انتظار کر رہا ہوں[6]

---

[1] کردری ص۱۱۲ ج ۲ [2] ایضاً ص۱۱۳ [3] ایضاً [4] ایضاً ص۱۱۲ [5] ایضاً [6] ایضاً

۷۔ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے جب کبھی بھی امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا[1]

۸۔ علامہ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے۔ امام صاحب نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میں ابو حنیفہ کے پاس ہوں

۹۔ علامہ موصوف نے الخیرات الحسان میں فرمایا ہے کہ امام صاحب نے بہ اجازت رسول اللہ صلعم آپ کو ثریا اور اپنے اصحاب کو بھی بلایا۔

۱۰۔ صاحب تذکرۃ الاولیاء نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔

شیخ بو علی کہتے ہیں کہ میں شام میں حضرت بلال رض کی قبر شریف کے قریب سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا اور دیکھا کہ حضور صلعم باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور ایک بوڑھے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں حضور ص کے پاس گیا اور ان کے پیروں کو بوسہ دیا اور دریافت کیا کہ یہ بوڑھے کون ہیں؟ تو حضور صلعم نے فرمایا یہ مسلمانوں کے امام اور تیرے ہم وطن ابو حنیفہ ہیں[2]۔

بحث و نظر ان چند رویائے صالحہ اور مکشوفات کو ہم نے اختصار کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ ورنہ یہاں بھی میدان بہت وسیع ہے۔ اس جگہ ممکن ہے کوئی ہمیں عقیدت مندی کے جرم میں گرفتار کرلے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ شرعی روشنی میں گفتگو کی جائے تاکہ بات محض عقیدت ہی نہ رہے بلکہ عقیدت شریعت کے لباس میں آجائے۔ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے

من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل بی[3]

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا اسلئے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا

یعنی جس کسی شخص نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا خواہ کسی بھی صورت اور حلیہ میں دیکھا، بس اس نے حضور صلعم ہی کو دیکھا ہے کیونکہ دیکھنے والے کے ذوق سے

---

[1] کردری ج ۲ ص ۱۱۳ [2] تذکرۃ الاولیا۔ [3] بخاری و مسلم باب رویائے صالحہ

شے مرئی میں فرق نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مختلف الالوان عینکوں کو استعمال کرے تو اس کے اعتبار سے شے کی رنگت بدلی ہوئی نظر آئے گی، حالانکہ فی نفسہٖ وہ شے اپنی حالت اصلیہ پر ہوتی ہے ایسے ہی دوربینی آئینوں میں اشیاء کی جسامت میں فرق محسوس ہوتا ہے حالانکہ وہ اشیاء اپنی اسی جسامت پر ہوتی ہیں جو ان کی جسامت اصلیہ ہے۔ اس تمہید کے بعد عرض کرتا ہوں، مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں جس صورت میں بھی حضور صلعم کو دیکھا اس نے حقیقۃً آپ ہی کو دیکھا ہے۔ علامہ مازری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے[1]۔

علامہ طیبی نے کاشف عن حقائق السنن میں ذکر کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے جس طرح شیطان کو عالم بیداری میں آپ کے تشکل کی طاقت نہیں دی تاکہ حق و باطل میں فرق رہے اور احکام رحمانی میں دسوسۂ شیطانی کا شبہ واقع نہ ہو سکے۔ اسی طرح خواب میں بھی لوگوں کو شیطان کے کید سے محفوظ رکھا کہ ابلیس لعین خواب میں بھی آپ کی صورت میں نہیں آسکتا[2]

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے

والصحیح انہا حقیقۃ سواء کان علیٰ صفتہ المعروفۃ او غیرھا	صحیح یہی ہے کہ دیکھنے والے نے آپ ہی کو دیکھا ہے خواہ صفت معروفہ پر دیکھا ہو یا غیر معروفہ پر

علامہ ابن رجب تلمیذ رشید ابن القیم جوزی نے حافظ ابن مندہ کے تذکرے میں لکھا ہے

فما قال رسول اللہ صلعم فی نومہ ویقظتہ فہو حق[3]	رسول اللہ صلعم نے خواب یا بیداری میں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔

لہٰذا مذکورہ بالا رؤیائے صالحہ ایک شرعی حقیقت ہیں جن کو محض عقیدت

---

[1] شرح مسلم ص۲۴۳ [2] اوشحۃ الجید ص۲۶ [3] ایضاً

کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا، اس کے علاوہ رویائے صالحہ کے متعلق ایک حدیث اور ہے۔

الرویاء الصالحۃ جزء من ستۃ واربعین جزأ من النبوۃ [1] — رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔

بعض روایات میں ستّرواں حصہ قرار دیا ہے اور بعض میں چالیسواں اور بعض میں اونچاسواں۔ ایک روایت میں پچاسواں، اور ایک روایت میں چھبیسواں حصہ بتلایا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت شریفہ لھم البشری فی الحیوٰۃ الدنیا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے

ھی الرویۃ الصالحۃ یراھا المومن او تری لہ [2] — اس سے مراد رویائے صالحہ ہیں جن کو مومن خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی اور دیکھے۔

فنی اعتبار سے اس جگہ دو اعتراض ہو سکتے ہیں ۱ یہ احادیث مرسل ہیں۔ ۲ خوابوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مراسیل ہمارے اور اکثر محدثین کے نزدیک قابل استدلال ہیں۔ دوسرے یہ کہ خوابوں سے استنباط احکام تو نہیں کیا جا سکتا، اور نہ وہ عمل کے لئے حجت یا سند بن سکتے ہیں لیکن کسی شخص کے فضائل اور بزرگی کے لئے اظہار کرنا اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ اس جگہ امام صاحب کی فضیلت اور بزرگی ہی کو ظاہر کیا جا رہا ہے جس کی تائید احادیث سے بھی ہو رہی ہے۔

---

[1] مسلم شریف [2] جمع الفوائد باب الرویا

خراجِ عقیدت

باتفاق علمائے اُمت امام اعظم ابو حنیفہ اجلائے تابعین میں سے ہیں اور تابعین کرام کے متعلق حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ واعد لھم جنات تجری من تحتھا الانھر خالدین فیھا ابدا ذالک الفوز العظیم ۔ الآیۃ

جنھوں نے حضرات صحابہ رضؓ کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لئے جنت تیار کی گئی جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

یہ فضیلت امام صاحب کو منجانب اللہ عطا ہوئی۔ اس میں نہ ان کے کسب کو دخل اور نہ کسی دوسرے کا احسان۔ اور اس خصوصیت (تابعیت) میں بھی آپ کو وہ امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے [۱]۔

اس جگہ ہمیں اپنے موضوع کے ماتحت چند اکابر امت کی امام صاحب کے متعلق رائے یا ان کا خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔ میدان یہاں بھی بہت وسیع ہے اس لئے انتخاب اور اختصار سے کام لے رہا ہوں۔

۱۔ یحییٰ بن سعید القطان

آپ فن رجال کے امام ہیں۔ امام احمد بن حنبل علی بن المدینی آپ کے درس حدیث کے حلقہ

---

[۱] شاہ معین الدین صاحب اڈیٹر معارف اعظم گڑھ نے اپنی تالیف "تابعین" میں امام صاحب کا تذکرہ نہیں کیا موصوف نے مقدمہ میں ارشاد فرمایا ہے "اس لحاظ سے ان بے شمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کردیا گیا ہے جن کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے" اھ ص ۱۲ اور غالباً امام صاحب کی زندگی میں موصوف کو کوئی نمونہ نہیں ملا

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ہیں عصر تا مغرب کھڑے ہو کر احادیث کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ آپ امام صاحب کے تلمیذ ہیں۔ اس پر آپ فخر کیا کرتے تھے. فرماتے ہیں :۔

واللہ خدا گواہ ہے ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ کسی کو صائب الرائے نہیں دیکھا۔ ہم نے اکثر ان کے اقوال اخذ کئے ہیں۔ واللہ ہم امام صاحب کی مجلس میں شریک رہے ہیں۔ میں نے جب بھی ان کے چہرے کی طرف دیکھا تو یقین ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے پوری طرح متصف ہیں[1]۔ خدائے بزرگ کی قسم امام ابوحنیفہ اس اُمت میں قرآن و حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے[2]۔

۲۔ محدث ابن داؤد

مشہور محدث ہیں فرماتے ہیں :۔

اہل اسلام پر نماز میں امام ابوحنیفہ کے لئے دعا کرنی لازم ہے، کیونکہ انھوں نے دوسروں کے لئے سنن و آثار کو محفوظ کر دیا۔ جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو اس کے لئے سفیان ہیں۔ اور اگر کوئی ان کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو ابوحنیفہ ہیں[3]۔

۳۔ مکی بن ابراہیم

آپ امام بخاری کے استاذ ہیں فرماتے ہیں :۔

امام ابوحنیفہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم زاہد تھے۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلس میں بیٹھا ہوں۔ میں نے ان میں سے کسی کو امام صاحب سے زیادہ متورع نہیں پایا

۴۔ امام احمد بن حنبل

آپ صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ حدیث میں مقام رفیع کے مالک ہیں۔ آپ کی جرح و تعدیل پر سب کا اتفاق ہے۔ فرماتے ہیں :۔

امام ابوحنیفہ زہد، تقویٰ اور علم میں اس جگہ ہیں کہ کوئی اس مقام کو نہیں پہونچ سکا۔

---

[1] موفق ص ۱۹۱ ج ۱۔ [2] کتاب التعلیم انوار الباری، حدائق الحنفیہ [3] موفق ص ۱۹۳ ج ۱

۵۔ امام شعرانی

ایک بڑے محدث اور اپنے وقت کے امام ہیں فرماتے ہیں:۔
ہمارے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ ہم ایسے
امام اعظم پر اعتراض کریں کہ جس کی جلالت قدر، علم و ورع پر سب کا اتفاق ہے
امام صاحب پر کسی طرح بھی اعتراض مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ ائمہ
تبع تابعین میں سب سے بڑے مرتبے کے ہیں۔ ان کا مذہب سب سے پہلے
مدون ہوا اور ان کی سند حدیث بھی دوسرے ائمہ کے لحاظ سے رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف زیادہ قریب ہے[1]

۶۔ حفص بن عبد الرحمٰن

آپ امام نسائی اور ابوداؤد کے استاذ ہیں
فرماتے ہیں:۔
میں ہر قسم کے علماء، فقہا اور زاہدوں کے پاس بیٹھا لیکن ان
میں سب اوصاف کو جامع امام ابوحنیفہ کے علاوہ کسی کو نہیں پایا۔[2]

۷۔ عبد اللہ بن مبارک

آپ امیر المومنین فی الحدیث اور امام ابوحنیفہ کے
شاگرد ہیں۔ بخاری و مسلم میں آپ کی سند سے سینکڑوں
حدیثیں موجود ہیں۔ امام بخاری نے آپ کے متعلق اپنے رسالہ رفع یدین میں فرمایا ہے
ابن مبارک اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، فرماتے ہیں:۔

۱۔ وہ شخص محروم ہے جس کو امام ابوحنیفہ کے علم سے حصہ نہیں ملا۔

۲۔ خدا اس شخص کا برا کرے جو ہمارے شیخ ابوحنیفہ کا ذکر برائی سے
کرے، اگر امام صاحب تابعین کے ابتدائی دور میں ہوتے تو وہ بھی سب
ان کا اتباع کرتے۔

۳۔ اگر میں امام صاحب سے ملاقات نہ کرتا تو میں بھی حدیث کے نقالوں
کی طرح ہوتا۔[3]

۴۔ اگر مجھے افراط کلام کا الزام نہ دیا جائے تو میں امام ابوحنیفہ پر کسی کو ترجیح نہ دونگا

---

[1] انوار الباری ص۹۹ ج ۱ [2] موفق ص۲۰۰ ج ۱ [3] ایضاً

۸ - امام ابو یوسف آپ امام ابو حنیفہ کے تلمیذ اکبر اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ ہیں، فرماتے ہیں :-

۱ - میری آرزو ہے کہ مجھے جمال ابن ابی لیلیٰ کا اور زہد مسعر بن کدام کا اور فقہ امام ابو حنیفہ کا مل جائے۔

۲ - رائے تو امام ابو حنیفہ کی ہے ہم تو ان کی عیال ہیں

۳ - امام ابو حنیفہ کے علم پر سب کو اتفاق ہے اور ہماری مثال تو ان کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی نہر فرات کے مقابلے میں چھوٹے نالے کی [1]

۹ - سفیان بن عیینہ آپ مشہور محدث، امام بخاری، امام حمیدی کے اُستاذ ہیں - اور امام امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں - فرماتے ہیں

دو چیزیں ایسی تھیں کہ ابتدا میں جن کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ کوفہ کے پُل سے آگے نہ بڑھ سکیں گی حمزہ کی قرات اور امام ابو حنیفہ کا فقہ مگر یہ دونوں آفاق میں پہونچ چکی ہیں [2]

۱۰ - امام مالک صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں - ان کی موطا، بخاری شریف سے پہلے اصح الکتب شمار ہوتی تھی - امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرماتے ہیں -

۱ - امام ابو حنیفہ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں -

۲ - ایک دفعہ امام مالک اور امام ابو حنیفہ میں علمی مذاکرہ ہوا - جب امام مالک مجلس سے اُٹھے تو اپنے تلامذہ سے فرمایا - امام ابو حنیفہ کو کیا سمجھتے ہو - وہ تو بڑے فقیہ ہیں -

امام مالک صاحب ہر سال جب موسم حج آتا تو امام ابو حنیفہ کی مدینہ منورہ میں آمد کا انتظار کیا کرتے تھے - جب امام صاحب پہونچتے تو ہمیشہ ان کے پیچھے پیچھے چلا

---

[1] موفق ص۸۱ ج ۲ - [2] انوار الباری ص۱۳۶ ج ۱

کرتے تھے۔[1]

۱۱۔ امام شافعی صاحب مسلک ائمہ اربعہ میں سے ہیں اور امام ابویوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں۔

۱۔ سب کے سب فقہ میں امام ابوحنیفہ کی عیال ہیں۔

۲۔ جو شخص امام ابوحنیفہ کی کتابوں کو نہ دیکھے وہ عالم متبحر نہیں ہو سکتا۔

۱۲۔ مسعر بن کدام محدثین میں نہایت اونچے مقام کے مالک ہیں۔ صحاح ستہ میں آپ کی سند سے روایات موجود ہیں۔ امام شعبہ اور امام سفیان ثوری آپ کو میزان عدل کہا کرتے تھے۔ امام صاحب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان امام صاحب کو وسیلہ بنائیگا اور اُن کے مذہب پر چلے گا میں اُمید کرتا ہوں اس کو خوف نہ ہوگا۔[2]

۱۳۔ یحییٰ ابن معین جرح اور تعدیل کے مشہور امام ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

قرأۃ تو امام حمزہ کی ہے اور فقہ امام ابوحنیفہ کا ہے اور اس پر میں نے تمام استادوں کا اتفاق پایا ہے۔

۱۴۔ امام مزنی آپ امام شافعی کے شاگرد رشید ہیں فرماتے ہیں:۔

علم کے چار حصوں میں سے تین حصّے تو علماء نے امام ابوحنیفہ کے لئے خاص کئے ہیں اور ایک حصہ باقی تمام علماء کے لئے رکھا ہے

۱۵۔ امام ابن تیمیہ آج کل تو امام ابن تیمیہ کو عالم اسلام میں جو مقام حاصل ہے وہ محتاج تعارف نہیں ہندوستان اور بیرون ہندوستان ان کو شیخ الاسلام کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے ابتداء میں امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے لیکن تیزی طبع کی وجہ سے ان کی تقلید کے قلادے کو گردن سے

---

[1] انوار الباری صـ ج ۱ [2] ایضاً [3] حاشیہ ص ۹۰

اتار دیا اور آزاد روش اختیار کی۔ اس آزادی طبع کی بنا پر آج کل یہ ہندوستان پاکستان اور خصوصاً مصر میں بہت مقبول نظر آتے ہیں۔ امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:-

امام ابو حنیفہ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف رہا ہے۔ لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹ ہیں[1]

۱۶۔ مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی ہزارہ دوم کے مجدد فرماتے ہیں:-

بانی فقہ ابو حنیفہ است وسہ حصہ از فقہ او را مسلم داشتہ اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند۔ در فقہ خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال وے[2]

۱۷۔ شاہ ولی اللہ

حضرت شاہ صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں آج یورپ اور امریکہ بھی ان کے علوم و معارف کا لوہا مان رہا ہے۔ فرماتے ہیں:-

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے۔ اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدّون اور منقح کیا گیا، بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانے میں[3]

امام صاحب کے تذکرے اور سیرت کی مناسبت سے اس عنوان کے تحت صرف ان ہی اقوال کے اوپر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس قسم کے تمام اقوال کو جمع کیا جائے تو اس کے لئے مستقل ایک کتاب کو ترتیب دینا ہوگا۔ یہ آرا حقیقت ہیں یا عقیدت جو کچھ بھی ہیں اس حدیث کی روشنی میں امام صاحب کے فضل و کمال پر ایک مستقل ہیں۔

من اثنیتم علیہ خیرا وجبت — جس کی تم تعریف کرو اس کے لئے جنت

---

[1] حدائق [2] مکتوب ۵۵ ج ۲ [3] فیوض الحرمین مشاہدہ

له الجنة ومن اثنيتم عليه شراً وجبت له النار انتم شهداء الله في ارضه[1]	واجب ہو جاتی ہے اور جس کی بُرائی کرد اس کے لئے دوزخ، تم تو زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

اعتراضات اور جوابات

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بے عیب ذات اللہ کی ہے رہا انسانوں کا معاملہ، وہ تو خطا و نسیان سے مرکب ہیں۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ بھی اس خاصہ بشریہ سے پاک نہیں۔ اجتہاد میں اُن سے بھی خطا ہوئیں۔ چنانچہ آج ان کے مرجوعات موجود ہیں۔ بایں ہمہ امام صاحب کا جو مقام ہے بہرحال وہ ایک مقام رفیع ہے۔ اس میں کسی کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟ ان کا علم، فقہ، زہد، تقویٰ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو محتاج تعارف نہیں ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مذہبی تحزب و تعصب اور معاصرت نے جو غضب ڈھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔

امام صاحب پر اس زمانہ میں بھی تنقیدیں ہوئیں اور اب بھی چھوٹا منہ بڑی بات کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں جس کے متعلق گذشتہ سطور میں علامہ ابن تیمیہ کا مقولہ نقل کیا جا چکا ہے۔ اس جگہ ہم ان ہی چند اعتراضات بے بنیاد (جن کو مذہبی تعصب ہے یا قلت تدبر) کو ذکر کر رہے ہیں۔

قرأۃ شاذہ ایک شخص محمد بن جعفر خزاعی ہے جس نے قرأۃ شاذہ میں ایک رسالہ مرتب کیا اور ان تمام قرأتوں کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کی وجہ سے بعض مفسرین کو دھوکہ ہوا۔ اس رسالہ کے متعلق علامہ ابن

---

[1] جمع الفوائد کتاب الجنائز۔

حجر مکیؒ نے خیرات الحسان میں تحریر فرمایا ہے۔

وقد صرح جماعۃ منہم الدار قطنی بان ھذا الکتاب موضوع لا اصل لہ وابو حنیفۃ بریٔ منہ[1]

ایک جماعت نے جن میں سے دار قطنی بھی ہیں تصریح کی ہے کہ یہ کتاب موضوع ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ امام صاحب اس سے بری ہیں۔

امام صاحب کی تکفیر

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام صاحب کے رد اور ان کی تکفیر میں ایک رسالہ لکھا اور اس کو علامہ مجدالدین فیروز آبادی (صاحب قاموس) کی طرف منسوب کر دیا جب وہ رسالہ ابوبکر یمنی کی نظر سے گذرا تو انھوں نے علامہ فیروز آبادی کو ایک ملامت آمیز مکتوب لکھا۔ علامہ فیروز آبادی نے جواب دیا کہ یہ میرے دشمنوں کا افترا ہے یہ تحریر ہرگز میری نہیں ہے۔ میں تو امام صاحب کا معتقد ہوں میں نے ان کے مناقب میں ایک رسالہ لکھا ہے آپ اس جعلی رسالہ کو نذر آتش کر دیں[2]

کتاب منخول کی حقیقت

حضرات غیر مقلدین اس کتاب کو امام غزالی کی کتاب بتلاتے ہیں۔ اس کتاب میں امام ابو حنیفہ پر کچھ اعتراضات ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان میں اس کتاب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

اس کتاب کے مصنف حقیقت میں امام غزالی نہیں ہیں کیوں کہ احیاء العلوم میں امام صاحب کے علو کمال کی انھوں نے بڑی تعریف کی ہے نیز میری نظر سے جو نسخہ گذرا ہے اس کتاب پر یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب محمود کی تصنیف ہے۔ اور یہ محمود حجۃ الاسلام نہیں ہے۔ اسی کتاب کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ یہ شخص معتزلی ہے اور اس کا نام محمود غزالی ہے اور یہ حجۃ الاسلام نہیں ہے[3]

کجا حجۃ الاسلام محمد غزالی صاحب احیاء العلوم اور کجا محمود غزالی معتزلی؟

---

[1] الخیرات الحسان [2] الیواقیت والجواہر [3] الخیرات الحسان

لیکن معترض کو اس تحقیق میں جانے کی کیا ضرورت ؟ اس کو تو اعتراض سے کام۔
امام غزالی نے تو امام صاحب کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ خلقہ کان ایضاً عابداً زاھداً عارفاً باللہ خائفاً منہ مریداً وجہ اللہ بعلمہٖ[1]

امام ابو حنیفہ عابد، زاہد، عارف باللہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرنے والے اور اپنے علم کے ذریعہ اللہ کی مرضی کے طالب تھے

ایمان والدین رسول اللہ صلعم

فقہ اکبر میں امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے کہ امام صاحب نے والدین رسول اللہ صلعم کے بارے میں فرمایا ہے ماتا علی الکفر وہ کفر پر مرے ہیں اور اسی کتاب سے نقل کر کے متعدد علمائے کرام نے بھی اس مسئلہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ امام صاحب پر تہمت ہے۔ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہے۔ علامہ شامی، علامہ ابن نجیم علامہ کردری وغیرہ نے بروایت صحیحہ یہی نقل کیا ہے

حقیقت یہ ہے کہ فقہ اکبر دو ہیں۔ ایک کے مصنف، ابو یوسف بخاری الملقب بابی حنیفہ اور دوسرے کے مصنف امام صاحب ہیں۔ اس کے راوی ابو مطیع بلخی ہیں ابو یوسف بخاری کی کتاب فقہ اکبر میں یہی ہے لیکن امام صاحب کی اصل کتاب فقہ اکبر میں سرے ہی سے یہ مسئلہ موجود نہیں ہے۔ لہذا علماء کو نام کے اشتراک سے دھوکہ ہوا، اور انھوں نے آسانی سے اس مسئلہ کو امام کی طرف منسوب کر دیا ہم اس سلسلہ میں تفصیلی کلام آئندہ صفحات میں کریں گے

ان چیزوں سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ امام صاحب پر اعتراضات قائم کرنے میں لوگوں نے تحقیق و تدبر سے کام نہیں لیا بلکہ سرسری طور پر کسی چیز کو سنا یا پڑھا اور امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا۔ ابن خلکان نے بیان کیا ہے کہ امام صاحب اشتباہ اسمی کی وجہ سے بھی اعتراضات کا نشانہ بنے ہیں کیونکہ ایک شخص جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے اور ہوا ہے۔ وہ پہلے مالکی تھا پھر امامیہ ہو گیا۔ لوگوں نے اس

[1] احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۵ اوشمہ

مشارکت ہی سے فائدہ اٹھایا اور طعن کرنا شروع کر دیا۔[1]

اس کے بعد ان چند معرکۃ الآراء اعتراضات کو بھی ذکر کیا جارہا ہے جن کے قائلین کو اپنے دلائل پر بڑا اعتماد ہے خصوصاً حضرات غیر مقلدین کے نزدیک تو یہ مسائل اور اعتراضات سرمایہ حیات اور ان کے زعم میں حنفیہ کے لئے اسباب موت ہیں۔

طعن اول قلّت روایت

امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد صرف سترہ ہے اور بس! اور اس قول کی بنیاد ان کے نزدیک ابن خلدون کی یہ عبارت ہے

یقال بلغت روایاتہ الی سبعۃ عشر حدیثا	کہا گیا ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد سترہ ہے۔

اور اسی کی تائید میں امام بخاری کے استاذ امام حمیدی کا یہ قول بھی پیش کیا جاتا ہے۔

قال الحمیدی فرجل لیس عندہ سنن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی المناسک	حمیدی کہتے ہیں اس شخص (ابو حنیفہ) کو مناسک میں نہ تو سنت رسول کا علم تھا اور نہ سنت صحابہ رض کا۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے چند غلط فہمیوں کے ازالہ کے تحت تمہیداً کچھ عرض کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس ارشاد کو بھی غلط فہمی پر محمول کریں تو ہمارے لئے گنجائش ہے۔ ہمارے نزدیک یہ ارشادات متعدد وجوہات کی بنا پر مجروح ہیں۔

(۱) ابن خلدون کو خود اپنی بات پر یقین نہیں۔ جب ہی تو صیغہ تمریض (یقال) کے ساتھ کہا ہے۔

(۲) ابن خلدون چونکہ مورخ ہیں اس لئے ان کا قول امور تاریخیہ میں تو قابل استناد ہے نہ کہ امور شرعیہ میں۔ علامہ شمس الدین سخاوی نے اپنی کتاب الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں لکھا ہے

وان کان ماھرا فی الامور التاریخیہ	ابن خلدون اگرچہ امور تاریخیہ کا تو ماہر تھا

---

[1] حدائق حنفیہ ۳۔ ادلۃ الجیدہ۔

الا انہ لم یکن ماھراً بالعلوم الشرعیۃ — لیکن اس کو امور شریعت میں مہارت نہیں تھی اور امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا امور شریعت سے تعلق رکھتا ہے

۳۔ ہم کہتے ہیں ابن خلدون کو بھی امام صاحب کا حافظ حدیث ہونا تسلیم ہے اور مذکورہ عبارت میں تصرف صرف حسد اور تعصب کا کرشمہ ہے کیونکہ ابن خلدون نے آگے چل کر لکھا ہے۔

وقد تقول بعض المتعصبین ان منھم کان قلیل البضاعۃ فی الحدیث ولا سبیل الی ھذا المعتقد فی کبار الائمۃ لان الشریعۃ انما توخذ من الکتاب والسنۃ [۲]

بعض متعصبین نے یہ کہہ دیا ہے کہ ان ائمہ میں سے بعض امام بہت کم حدیث جانتے تھے۔ یہ اعتقاد ان ائمہ کبار کے متعلق بیجا ہے کیونکہ شریعت تو کتاب و سنت سے ہی ماخوذ ہے۔

۴۔ ائمہ فن مثلاً علامہ ذہبی نے امام صاحب کا تذکرہ حفاظ حدیث کے طبقہ میں کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جس کو کم ازکم ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ علامہ محمد بن یوسف شافعی نے بھی عقود الجمان میں آپ کو حافظ حدیث تسلیم کیا ہے۔

(۵) بقول علامہ ابن حجر مکی آپ کے اساتذہ چار ہزار ہیں۔ اگر ہر ایک سے ایک ایک حدیث سنی ہو تب بھی چار ہزار حدیثیں ہوتی ہیں۔

۶۔ امام صاحب کا مجتہد مطلق ہونا مجمع علیہ ہے لہذا اگر سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا ہے تو پھر اس زمانہ میں تو مجتہدین کی کمی نہ رہے گی۔ خصوصاً ہر غیر مقلد مجتہد قرار دیا جائے گا۔

۷۔ اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو پھر پروردہ آغوش بتول رض اور راکب دوش رسول جناب امام حسین رض کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ جبکہ عمر بھر ان کو حضرات صحابہ رض کی بھی صحبت حاصل رہی۔ ان کے متعلق نواب صدیق صاحب فرماتے ہیں۔ "ہشت حدیث ازوے مرویست [۳]"

۱؎ عمدۃ الرعایۃ وا وشحہ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً ذ نتقصار

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

بالفرض اگر امام صاحب پر قلت روایت کا اعتراض ہے تو اس کی وجوہات بھی تلاش کرنا ضرور ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب سے روایتوں کی قلت اور اس میں غلو نہ ہونے کے مندرجہ ذیل اسباب ہو سکتے ہیں۔

(ا) حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ احکامات اور اعمال کی احادیث کے علاوہ دوسری احادیث روایت نہ کی جائیں۔

(ب) حضرت ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ نے تین صحابہ رضؓ (ابن مسعود رضؓ، ابو درداء رضؓ ابومسعود انصاری رضؓ) کو حدیث بیان کرنے سے روک دیا تھا اس وجہ سے کہ یہ زیادہ احادیث بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس وقت بھی حدیثیں بیان کرتے تھے تو جواب دیا اگر میں اس وقت حدیث روایت کرتا تو مجھے ڈھال سے مارا جاتا۔

ج۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا اگر تم زیادہ حدیث بیان کروگے تو آئندہ لوگوں میں سخت اختلاف ہوگا

د۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت قرظہ بن کعب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلعم کی حدیث کم نقل کرو۔

س۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ والد صاحب نے پانچ صد حدیثیں جمع کیں تو تمام رات بے چین رہے۔ میں نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا بیٹی! وہ احادیث لاؤ جو میں نے تمہارے پاس رکھی ہیں۔ چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ تو آپ نے ان کو جلا دیا اور فرمایا ممکن ہے کہ میری اس حالت میں موت آجاتی کہ میں نے حضور صلعم کی طرف کوئی غلط حدیث منسوب کر دی ہو اور واقعہ میں ایسا نہ ہو۔

ص۔ ذہبی نے ابی عمر الشیبانی کے واسطہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا

کہ میں ایک سال تک حضرت ابن مسعود رض کی خدمت میں رہا میں نے ان کو کبھی قال رسول اللہ صلعم کہتے نہیں سنا، اور اگر کبھی فرمایا بھی تو پسینہ سے تر ہو جاتے تھے اور لرزاٹھتے تھے اور پھر اکثر فرمادیا کرتے تھے۔ او کما قال ھکذا اقال ونحوہ

یہ حال حضرت ابن مسعود رض کا ہے جن کے متعلق آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے وہ ابن مسعود کی حدیث کی تصدیق کیا کرو[1]۔ تو دوسروں کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

ان وجوہات کی موجودگی میں بھی اگر قلت حدیث کا اعتراض امام صاحب پر چسپاں کردیا جائے تو معترض ہی اس کا ذمہ دار ہے بلکہ یہی کہنا مناسب ہے کہ امام صاحب اس معاملہ میں بہت محتاط تھے اور بہت سے حضرات صحابہ رض نے بھی اسی راہ کو اختیار کیا تھا۔ چنانچہ احادیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں حضرت عمر رض سے ۵۴۵، حضرت علی سے ۵۸۶، حضرت ابن مسعود رض سے ۸۴۸ اور حضرت صدیق اکبر رض سے ان سب سے کم روایات مروی ہیں۔ ہاں ان حضرات کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اسی پر حضرت امام ابو حنیفہ کو قیاس کر لیا جائے تو کیا منافقہ ہے کیونکہ امام صاحب نے نقل روایات کے علاوہ تدوین فقہ اسلامی کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جو نہ آپ سے پہلے ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد اور اسی فقہ پر دوسرے تمام فقہوں کی بنیادیں قائم ہوئیں اور اسی فقہ کے طفیل میں آج دنیا کی عدالتوں کا نظام زندہ ہے۔ اگر یہ کام نہ ہوا ہوتا تو آج عدالتیں عدالتیں نہ ہوئی ہوتیں۔

رہا امام حمیدی کا ارشاد؟ یہ بھی عقلاً خلاف ہے کیونکہ جس شخص نے ۵۵ حج کئے ہوں، کیا اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو مناسک نہیں معلوم تھے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام اعمش جیسا عظیم محدث مناسک میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر مکی نے الخیرات الحسان کی فصل ۱۲ میں تحریر فرمایا ہے

---

[1] اوجز المسالک ص ۶۴،۶۳ ان روایات میں سے بعض موضوعات کبیر کے مقدمہ میں بھی مذکور ہیں

امام اعمش نے جب حج کیا تو امام ابو حنیفہ کو لکھا کہ آپ میرے لئے مناسک لکھ دیجئے! ۔ امام اعمش فرمایا کرتے تھے ابو حنیفہ سے مناسک سیکھو۔ کیونکہ میں حج کے فرائض و نوافل کا ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔[۱]

دوسرا طعن ضعف

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :۔
سکتوا عن رایہ وحدیثہ

لوگوں نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا ہے۔
یعنی ان کی رائے کو قابل اعتبار نہیں سمجھا۔

۲۔ میزان الاعتدال کے حرف نون کی عبارت یہ ہے :۔

النعمان بن الثابت بن زوطی ابو حنیفہ الکوفی امام اهل الرائے ضعفہ النسائی من جھۃ حفظہ وابن عدی واٰخرون

یعنی امام ابو حنیفہ کو امام نسائی اور ابن عدی اور دوسرے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۔ ابن جوزی نے امام صاحب پر جرح کی اور آپ کو ضعیف تبلایا ہے
۴۔ دار قطنی نے " " " " " " "

۵۔ ابن عدی نے کہا کہ "اسماعیل بن حماد بن ثابت نے اپنے باپ دادا سے روایت کی ہے اور یہ تینوں ضعیف ہیں"[۳]

اور چونکہ میزان الاعتدال حافظ ذہبی کی کتاب ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی امام صاحب ضعیف ہیں۔ ان چند وجوہات کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہا جاتا ہے۔

ان اعتراضات کے متعلق اجمالاً تو یہ عرض ہے کہ جرح و تعدیل کے باب میں اگر دونوں کی تعداد برابر ہو تو تعدیل کو مقدم سمجھا جاتا ہے اور امام صاحب کی تعدیل کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ پھر جرح مجمل کو ہرگز قبول نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ اصول

---

[۱] الخیرات الحسان ف ۱۲ [۲] میزان الاعتدال ف ن [۳] میزان الاعتدال الف

قائم نہ کیا جاتا تو پھر شاید ہی کوئی باقی بچتا۔ حد یہ ہے کہ امام بخاری کے اُستاذ علی بن مدینی (جن کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو بجز ان کے کسی کے سامنے چھوٹا نہیں جانا) کو امام احمد، ابوذرعہ، ابراہیم حربی نے متروک قرار دیا۔ امام مسلم نے تو ان سے روایت کرنا تک گوارہ نہیں کیا۔ امام شافعی پر ابن معین نے جرح کی اور امام بخاری پر بھی اب تک جرح کرنے والے جرح کرتے ہیں۔ لیکن اس سے حاصل؟ اسی اصول کے ماتحت مذکورہ حضرات کی جرح بھی آتی ہے۔ لہٰذا اس جرح کا اعتبار نہیں ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے:۔

لایقبل الجرح الا مفسرا مبین السبب۔[1] جرح وہی معتبر ہوگی جو مفسر ہو اور کسی سبب کو بیان کرے۔

علامہ ابن دقیق العید، علامہ عبدالعزیز بخاری کا یہی مسلک ہے[2]۔ اس کے علاوہ ائمہ فن نے امام صاحب کی تعدیل وتوثیق کی ہے۔ علامہ مزی شافعی نے جو فن رجال کے امام ہیں، امام صاحب کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

کان ابو حنیفہ ثقۃ فی الحدیث[3] امام صاحب حدیث میں ثقہ ہیں۔

علامہ موصوف نے اس قول کو محمد بن سعد اور صالح بن محمد الاسدی کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان ہر دو حضرات کی رائے بھی یہی ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی تہذیب التہذیب میں امام صاحب کا ثقہ ہونا بیان کیا ہے۔

قال صالح بن محمد وغیرہ سمعنا یحیٰی بن معین یقول ابو حنیفہ ثقۃ فی الحدیث[4] صالح بن محمد اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہم نے یحیٰی بن معین سے سُنا ہے وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہ ثقہ ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ صفی الدین، علامہ ابن حجر مکی، ابن صلاح، حافظ عراقی کی یہی رائے ہے[5]۔ اور حد یہ ہے کہ امام بخاری جس کو ثقہ سمجھ رہے ہیں یحیٰی بن سعید القطان (بخاری کے راوی)، وہ خود امام صاحب کو ثقہ

---

[1] مقدمہ شرح مسلم [2] ادنحۃ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً

کہہ رہے ہیں۔

ابن جوزی۔ دار قطنی، ابن عدی، امام نسائی نے جو امام صاحب پر جرح کی ہے تو ان حضرات کے بارے میں سب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ لوگ بہت متشدد ہیں۔ ان حضرات نے بیشتر کاملین پر جرح کر کے ان کو ناقص قرار دیدیا۔ حافظ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ کی بحث قرات الفاتحہ کے ضمن میں دار قطنی کے متعلق فرمایا ہے

ہمارے ان واضح دلائل سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوگئی کہ دار قطنی نے حسد اور تعصب کی بنا پر امام صاحب کو ضعیف کہہ دیا۔ پھر دار قطنی کی متقدمین کے سامنے (جنھوں نے امام صاحب کی توثیق کی ہے) کچھ بھی توحیثیت نہیں ہے۔ امام صاحب کی تضعیف کر کے دار قطنی نے خود اپنی تضعیف مول لے لی۔[1]

یہی بات علامہ بحر العلوم نے مسلم الثبوت کے حاشیہ میں بیان فرمائی ہے۔ ابن جوزی کے بارے میں غیر کا کہنا تو ایک طرف خود ان کا نواسہ ہی اُن کا اعتبار نہیں کر رہا ہے

ولیس العجب من الخطیب بانہ یطعن فی جماعۃ من العلماء وانما العجب من الجدی کیف سلك اسلوب۔ وجاء بما اعظم منہ۔[2]	خطیب کے بارے میں تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ جماعت علماء پر اعتراض کرتے ہیں بلکہ تعجب جد محترم پر ہے کہ انھوں نے بغدادی کی راہ اختیار کی اور اپنی حیثیت سے زیادہ بات کہہ دی۔

حقیقت یہی ہے ابن جوزی بہت غیر معتدل مزاج آدمی ہے اور بات کہنے میں نہایت غیر محتاط ہے جو قلم کے سامنے آجاتا ہے لکھ دیتا ہے۔ ہزاروں حدیث اس کی ذک قلم کے سامنے موضوع قرار پاچکی ہیں۔ اور تو اور بخاری ومسلم کی حدیث کے متعلق بھی اس کا قلم نہیں چوکتا ہے۔

رہا ابن عدی کا معاملہ اور میزان الاعتدال کی عبارت تو اس کے متعلق علامہ نے فرمایا ہے اس کتاب میں وہ لوگ بھی جو باوجود ثقہ اور جلیل القدر ہونے کے کسی

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ ۲ اوشحہ

اور نی لین کی وجہ سے مجروح کر دیئے ہیں اگر ابن عدی ان کے متعلق اپنی یہ رائے نہ بیان کرتا تو میں ہرگز ان کو ضعفاء کی فہرست میں نہ داخل کرتا۔

اس قول سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ علامہ ذہبی کے نزدیک بھی امام صاحب ثقہ ہیں جب ہی تو انھوں نے ابن عدی کا حوالہ دیا ہے اور بذات خود تہذیب میں امام صاحب کا تذکرہ کئی صفحوں میں کیا ہے اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا۔

قلت قد احسن شیخنا ابو الحجاج حیث لم یرو شیئا یلزم منہ التضعیف	اب میں کہتا ہوں کہ میرے استاذ ابو الحجاج نے خوب کیا کہ تہذیب الکمال میں کوئی شی ایسی ذکر نہیں کی جس سے امام صاحب کی تضعیف لازم آئے۔

امام نسائی کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ وہ متشدد اور متساہل ہیں علامہ عبد الحی لکھنوی نے غیث الغمام میں فرمایا ہے کہ میزان الاعتدال میں یہ عبارت الحاقی ہے۔

ان ھذہ العبارۃ لیس لہا اثر فی بعض النسخ المعتبرۃ ما رأیتہا بعینی	اس عبارت کا بعض معتبر نسخوں میں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے موجود نہیں ہے۔

یہی بات خود علامہ ذہبی کے قلم سے بھی مترشح ہو رہی ہے۔

ولا اذکر فی کتابی من الائمۃ المتبوعین فی الفروع احد لجلالتہم فی الاسلام وعظمتہم فی النفوس مثل ابی حنیفہ والشافعی	اس کتاب میں میں نے ائمہ متبوعین کا ذکر بھی (برائی کے ساتھ) نہیں کیا، کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک اور اسلام میں بڑی ہستیاں ہیں جیسے ابو حنیفہ، شافعی ۔

لہذا میزان الاعتدال کی فصل الف میں جو تذکرہ ہے، وہ شمنًا ہے اصلًا نہیں ہے اسی وجہ سے اسکو علامہ ذہبی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

لہ اونسخہ از تہذیب ص۲ اونسخہ از غیث الغمام ص۳ اونسخہ از میزان الاعتدال

تیسرا طعن قلت عربی

تیسرا اعتراض امام صاحب پر قلت عربی کا ہے ابن خلکان نے کہا ہے کہ امام صاحب پر اہل لسان نہ ہونے کے علاوہ کوئی دوسرا اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ جب ابو عمرو نحوی نے امام صاحب سے سوال کیا کہ کیا قاتل بالمثقل پر قصاص ہے۔ تو امام صاحب نے فرمایا لا لو قتلہ بابا قبیس" اس جگہ" بابی قبیس" کہنا چاہیے تھا۔ با حرف جار ہے ما بعد کو مجرور کرتا ہے نہ کہ منصوب

یہ اعتراض خود اس کی نشان دہی کر رہا ہے کہ معترض کو زبان پر عبور نہیں ہے۔ عربی قبائل کی زبان اور آپس میں ان کا اختلاف کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایک عربی داں عالم سے پوشیدہ ہو۔ ایک قبیلہ کی زبان کچھ ہے تو دوسرے کی کچھ اور ایک ہی اسم کو ایک قبیلہ منصرف کہتا ہے تو دوسرا غیر منصرف۔ پھر کتابت کے اعتبار سے بھی اختلاف ہے۔ ابو عمرو الدانی کہتا ہے

فاما السکون فعامتنا اہل بلد ناقدیما وحدیثا یجعلون علامۃ جرۃ فوق الحرف[1]

سکون کے لئے ہمارے قدیم و جدید ہم وطن حضرات نے حرف کے اوپر علامت جر مقرر کی ہے

اس تصریح سے یہ تو بخوبی ظاہر ہے کہ حالت سکون میں جر کو اوپر بھی لگایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ امام صاحب کوفی ہیں۔ اس لئے اس زمانہ میں کوفہ میں جو زبان رائج ہوگی وہی قابل استناد ہے۔ ابو النجم کا شعر بھی اسی لغت میں موجود ہے

ان اباھا وابا اباھا قد بلغا فی المجد غایتاھا

اس شعر میں بھی اعتراض کے مطابق ابا ابیہا ہونا چاہیے نہ کہ ابا اباھا لہٰذا اس کو فصاحت کے خلاف نہیں کہا جائے گا شرح الفیہ میں موجود ہے کہ ایک لغت یہ بھی ہے کہ قصر کر کے اب، اخ، حم کے آخر میں الف لاتے ہیں۔ اس طرح الفاظ معرب بہ حرکات متعدد ہوتے ہیں شرح جامی میں بھی اسمار ستہ مکبرہ اور رضا دی کی بحث

---

[1] المحکم ص۱۵ مطبوعہ دمشق۔ یہ کتاب ابھی ہندوستان نہیں پہونچ سکی، حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔ اس کا ایک نسخہ صرف میرے پاس موجود ہے۔

میں اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

چوتھا اعتراض ارجاء

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ۷۳ فرق ضالہ میں سے ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ معرفت اور اقرار لسانی کا نام ایمان ہے تصدیق قلبی کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲۔ مومن کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوتا ۳۔ عذاب، ثواب، سیئات اور حسنات پر مرتب نہیں ہوتے

اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔ امام بخاری نے نہ معلوم کس وجہ سے امام صاحب کو اسی گروہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہہ دیا "کان مرجیا" امام صاحب مرجی تھے امام بخاری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں کوئی حدیث ایسی نقل نہیں کی کہ جس کا راوی مرجی ہے۔ اسی کے ساتھ بعض حضرات نے کہا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کو مرجی قرار دیا ہے۔

اس اعتراض کے بارے میں ہم کیا عرض کریں۔ اگر امام بخاری نے اپنی کتاب کے لئے یہ اصول مقرر کیا ہے تو اس ان کو اختیار ہے۔ ہاں اگر انھوں نے امام صاحب سے کوئی روایت اسی وجہ سے نہیں لی کہ وہ مرجی تھے تو پھر ہم تنقید کریں گے اور دریافت کریں گے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں ابو سعید عباد بن الرواجی، کوفی متوفی ۲۵۰ھ سے روایت کی ہے اور یہ شخص رافضی تھا۔ اس کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مستحق ترک ہے۔ اسی طرح عبد الملک بن اعین کوفی مولیٰ ابن شیبان شیعہ تھے۔ اور محمد بن خازم ابو معاویہ متوفی ۱۹۵ھ مرجیہ تھا۔ لہٰذا ان حضرات سے کیوں روایت کی؟ اصول تو اصول ہی ہے اسی پر پرکھا جاتا ہے۔ یہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔ امام صاحب سے اگر اسی اصول کی بنا پر گریز کیا ہے تو جواب دینا ہوگا، اس سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

کوئی جذبہ ہے جو امام صاحب کی روایت قبول کرنے میں حائل ہے ورنہ امام صاحب کی وہ شخصیت ہے جس کے علم وعمل، زہد، تقوی اور تمام کمالات علمیہ او ر دو حانیہ پر اُمت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد بھی اگر اعتراض ہے تو اس کے ذمہ دار آپ ہیں امام صاحب پر یہ اعتراض محض بے اصل ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے

ہم نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور گناہ معاف جیسا کہ مرجیہ کہتے ہیں۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس مسلمان نے کوئی نیکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے اور اس کو عیوب اور مفسدوں سے خالی رکھا ہے اور اس کو باطل نہیں کیا حتی کہ ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا، اس کو قبول کرے گا اور اس پر ثواب دیگا[۲]

اس صفائی عقیدہ کے باوجود اگر مذکورہ اعتراض باقی رکھا جائے تو اس کا نام اعتراض کے علاوہ کچھ اور ہو جائے گا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے امام صاحب سے منسوب تمام غلط افواہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے

والظاھر انہ کان منزھا منھا[۳]	ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب ان سب سے پاک ہیں۔

غنیۃ الطالبین کی عبارت کا بھی غلط مطلب لیا گیا ہے۔ شیخ کی مراد تمام حنفیہ سے نہیں ہے بلکہ انھوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے اور ہمیں یہ تسلیم ہے کہ حنفیہ میں بعض حضرات ہوئے ہیں کہ جو فقہ میں تو امام صاحب کے مقلد تھے لیکن عقائد میں وہ معتزلی تھے یا مرجی، جیسے علامہ زمخشری، صاحب قنیہ، جبائی، غسان کوفی، جہاں شیخ نے حنفیہ کو مرجیہ کہا ہے وہاں انھوں نے بعض حنفیہ کو کہا ہے۔

اما الحنفیۃ فھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ[۴]	لیکن حنفیہ! تو وہ بعض اصحاب ابو حنیفہ مراد ہیں۔

اس کے علاوہ مرجیہ کے متعلق ایک تاریخی پس منظر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے

---

[۱] حدائق ص۱۰۱ [۲] فقہ اکبر ص۳ [۳] اوشحہ از جامع الاصول [۴] غنیۃ الطالبین

صدر اول میں معتزلہ اہل سنت والجماعۃ کو مرجیہ کہا کرتے تھے۔ اس طرح مرجیہ کی دو قسم ہیں۔ ایک مرجیہ مرحومہ دوسرے مرجیہ ملعونہ ابو شکور سالمی کہتا ہے

ثم المرجیۃ علی نوعین مرجیۃ مرحومۃ وھم اصحاب النبی صلعم ومرجیۃ ملعونۃ وھم الذین یقولون ان المعاصیۃ لا تضر والعاصی لا یعاقب[1]	مرجیہ کی دو قسم ہیں، ایک امت مرحومہ جس میں صحابہ داخل ہیں۔ دوسرے مرجیہ ملعونہ جو یہ کہتے ہیں۔ معاصیت مضر نہیں اور عاصی کو عقاب نہ ہوگا۔

پانچواں اعتراض سفیان کی تنقید

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ سفیان ثوری نے ابو حنیفہ پر سخت تنقید کی ہے۔ ہم امام بخاری کے اس ارشاد کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن اتنا اور معلوم ہونا چاہئے کہ سفیان ثوری کے زمانہ میں نعمان نام کے کئی شخص تھے۔ اسی طرح "ابو حنیفہ" کنیت بھی ۱۷ حضرات کی ہوئی ہے[2]۔ لہٰذا اس التباس کی وجہ سے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ سفیان ثوری کی تنقید کا نشانہ امام صاحب ہی ہیں پھر جب کہ حضرت سفیان ثوری نے نہایت واضح الفاظ میں امام صاحب کی مدح بھی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ یہ متفق علیہ فیصلہ ہے کہ معاصرین کی تنقید کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ تاج سبکی طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں:۔

> ہم آپ کو بیشتر بتلا چکے ہیں کہ جارح کی جرح مفسر بھی مقبول نہیں خصوصاً اس شخص کے حق میں جس کی طاعت کو معصیت پر غلبہ ہو اور اس کے مدح کرنے والے ذم کرنے والوں پر فوقیت رکھتے ہوں جبکہ اس جگہ قرینہ بھی ہو اور عقل بھی تائید کر رہی ہو کہ ایسی سخت بات مذہبی تعصب اور دنیاوی منفعت کی وجہ سے کہی گئی ہے۔ لہٰذا اب سفیان ثوری اور دیگر حضرات کی امام ابو حنیفہ پر تنقید ناقابل التفات قرار دی جائے گی[3]۔ کیونکہ امام صاحب کے اوصاف اور کمالات ان گنت اور مدح کرنے والے بے شمار ہیں۔

چھٹا اعتراض قیاس

یہ اعتراض امام صاحب پر سب سے بڑا اعتراض ہے اسی وجہ سے اکثر محدثین امام صاحب کو امام اہل الرائے

[1] اوشحۃ الجید [2] الجواہر باب ابی حنیفہ [3] اوشحہ از طبقات

کہتے ہیں۔ قیاس سے مراد اگر علل مستنبطہ کی روشنی میں اشیائے غیر منصوصہ پر حکم نافذ کرنا مراد ہے تو یہ قیاس مستحسن ہے۔ ماموربہ ہے۔ کتاب وسنت میں اس کے شواہد موجود ہیں اور اگر قیاس سے مراد ترک نصوص ہے تو پھر یہ امام صاحب پر تہمت ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے

لعن اللہ من یخالف رسول اللہ صلعم — جو رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرے اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت

اس تصریح کے باوجود بھی اگر اعتراض بدستور باقی رہتا ہے تو معترضین اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ امام صاحب قرآن وحدیث فہمی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ وہ حدیث کو محض حاطب اللیل کی طرح اختیار نہیں کرتے ہیں۔ اور مسئلہ چونکہ بہت اہم ہے اس لئے آئندہ ابواب میں اس کی بحث آرہی ہے۔ اس کے پڑھنے کے بعد خود بخود بات کھل جائے گی کہ امام صاحب کا قیاس کیا ہے؟ اور دوسرے حضرات کس قدر پابند نصوص ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب چہارم

ابوحنیفہ اور حدیث

ماخذ و حوالہ جات

۱۔ حیات ابن قیم — ترجمہ رشید احمد ارشد ایم اے
۲۔ جامع صحیح — از امام بخاری
۳۔ تفسیر مظہری — از علامہ ثناء اللہ پانی پتی
۴ مناقب — از علامہ موفق
۵ اوشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی
۶۔ سیرت النعمان — از علامہ شبلی
۷۔ موضوعات کبیر — از علامہ علی قاری
۸۔ فتح الملہم — از علامہ شبیر احمد عثمانی
۹۔ تانیب الخطیب — از علامہ کوثری
۱۰۔ سنن — از ابن ماجہ
۱۱۔ الجواہر المضیئہ — از علامہ ابن ابی الوفا
۱۲۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۱۳۔ جامع المسانید — از علامہ ابی المؤید
۱۴۔ ابو حنیفہ — از علامہ ابو زہرہ مصری
۱۵۔ انوار الباری — از مولانا احمد رضا صاحب

ابو حنیفہ اور حدیث

فی زمانناجبکہ حدیث و رجال کی بے شمار کتابیں مرتب و مدون ہو چکی ہیں علمی
کام کرنے والوں کے لیے جتنی دشواریاں پیش آتی ہیں ان کا اظہار لفظوں میں دشوار ہے
ان مشکلات سے وہی بخوبی واقف ہیں جو اس راہ پر چلتے ہیں لیکن اس وقت جبکہ فن حدیث
کا کوئی اصول مقرر نہیں ہوا تھا اور واضعین نے حدیثیں گھڑ گھڑ کر شائع کرنا شروع کر دی تھیں
چنانچہ عقیلی نے بالسند حماد بن زید سے روایت کیا ہے کہ زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر بارہ ہزار حدیثیں وضع کیں۔ ابن عدی نے جعفر بن سلیمان سے روایت کیا ہے
کہ مہدی کہا کرتا تھا کہ میرے سامنے ایک زندیق نے اقرار کیا ہے کہ اس نے چار سو حدیثیں
وضع کی ہیں جو لوگوں میں رائج ہیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون الرشید کے
سامنے ایک زندیق لایا گیا۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین
آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں اور جس میں حرام کو حلال
اور حلال کو حرام کیا ہے۔ حالانکہ اس میں حضور کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب
دیا، اے زندیق کیا تو عبد اللہ بن مبارک اور ابن اسحق الفزاری کو بھول گیا وہ اس کا
ایک ایک حرف نکال کر پھینک دیں گے (موضوعات کبیر)

یہ واضعین حدیث محض دنیاوی منفعت کے لئے بے سر و پا باتیں بنا کرتے تھے
جس طرح ہمارے زمانہ کے واعظ قسم کے اصطلاحی علما خدا اور خوف آخرت سے نڈر
ہو کر بے سر و پا باتیں کہا کرتے ہیں۔ اس قسم کی دیدہ دلیری کے عجیب و غریب واقعات
قرون ماضیہ میں بکثرت ملتے ہیں موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے بیان کیا ہے:

امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی۔ ایک
قصہ گو ان کے سامنے کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہم سے احمد بن حنبل اور یحیٰی
بن معین نے عبد الرزاق عن معمر عن قتادہ کے واسطے سے انس سے یہ روایت

بیان کی ہے کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمہ سے
ایک پرندہ پیدا فرماتا ہے جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوتے ہیں
پھر اس نے ایک لمبا قصہ بیس ورق کے قریب بیان کیا۔ احمد بن حنبل یحییٰ
بن معین کی طرف دیکھنے لگے یحییٰ بن معین نے احمد حنبل سے دریافت کیا، کیا
تم نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ امام احمد نے جواب دیا۔ خدا کی قسم میں نے یہ
حدیث سنی بھی اسی وقت ہے جب وہ قصہ گو فارغ ہو چکا تو یحییٰ بن معین نے
اشارہ سے بلایا اور دریافت کیا۔ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے اس نے کہا
یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے یحییٰ بن معین نے کہا میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ
احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کہیں یہ
حدیث نہیں سنی، اگر تجھے جھوٹ بولنا تھا تو ہمارے علاوہ کسی اور پر جھوٹ بولتا
اس نے کہا، کیا تم یحییٰ بن معین ہو؟ یحییٰ نے جواب دیا ہاں۔ وہ بولا کہ میں ہمیشہ
سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے اور اس وقت اس کی تصدیق ہو گئی۔ یحییٰ
نے کہا تو نے کیسے سمجھ لیا کہ میں احمق ہوں۔ اس نے جواب دیا، گویا دنیا میں کوئی
تمہارے علاوہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل نہیں ہے۔ میں نے تو سترہ احمد
بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے روایت لکھی ہے

اس قسم کی بے باکی اور دیدہ دلیری دنیا دار واعظوں کے یہاں اس وقت بھی بکثرت ہے
اور پہلے زمانہ میں بھی بکثرت تھی، لیکن اسی ماحول میں دین کا کام ہوا، سب سے پہلے
عمر بن عبد العزیز نے باقاعدہ تدوین حدیث کی مہم کو چلایا تھا، اس وقت ایک مجتہد کے لئے
جو قانون اسلام مدون کرنے جا رہا ہو کتنی دشواریاں پیش آئی ہوں گی۔ اس کو ان کا دل و
جگر ہی خوب جانتا ہوگا۔ اصول مقرر کرنا، پھر ان اصولوں کا اجراء۔ ایک طرف کتاب
اللہ اور دوسری طرف سنت نبویہ کا مخلوط ذخیرہ۔ تیسری طرف قیامت تک کے لئے اسلامی قانون
کی تدوین اور وہ بھی کسی ایک خطہ یا ملک کے لئے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے جہد سے
لحد تک کے قانون کو مرتب کرنا واقعی کار شیشہ و آہن کی حکایت ہے۔ ان حالات

میں امام صاحب نے اعلان کیا تھا۔

میں پہلے کتاب اللہ اور سنت نبوی پر عمل کرتا ہوں۔ جب کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی میں نہ ملے تو میں صحابہ کرام کے اقوال پر عمل کرتا ہوں ان کے بعد دوسروں کے فتاوی اور اقوال میرے نزدیک ہرگز قابل اتباع نہ ہوں گے اس لئے کہ وہ بھی رجال ہیں۔ اور ہم بھی۔ آپ نے فرمایا حتی کہ امام شعبی ابراہیم نخعی، ابن سیرین حسن، عطا، سعید بن مسیب یہ سب اجتہاد کرتے تھے۔ ہم بھی اجتہاد کریں گے[1]

اس بیان میں امام صاحب نے وہی بات بیان فرمائی ہے جو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلعم کے سامنے عرض کی تھی[2]۔ امام صاحب نے فرمایا ہے:۔

میرے قول کو حدیث شریف اور قول صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے رد کردو اور جو حدیث ثابت ہے وہی میرا مسلک ہے[3]۔

لہذا یہ غلط ہے کہ امام صاحب صرف قیاس یا رائے سے ہی کام لیتے تھے بلکہ وہ بحد ممکن احادیث اور نصوص شرعیہ سے استفادہ کرتے تھے۔

کان ابو حنیفۃ شدید الفحص عن الناسخ والمنسوخ من الحدیث فیعمل بالحدیث اذا ثبت عندہ عن النبی صلعم وعن اصحابہ وکان عارفاً بحدیث اہل الکوفۃ[4]

امام صاحب حدیث میں ناسخ و منسوخ کی بہت چھان بین کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب کوئی حدیث رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب سے ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے۔ وہ اہل کوفہ کی احادیث سے بخوبی واقف تھے۔

ایک مجتہد کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ آیات و احادیث میں ناسخ و منسوخ کا اعتبار کرے۔ اگر کسی نے احادیث کے قوت و ضعف کو نظر انداز کر دیا تو وہ احکامات شرعیہ کو

---

[1] حیات ابن قیم ص۳۶ ماخوذ تاریخ بغداد [2] بخاری باب بعث المعاذ [3] مظہری ص۲۶ ج۱ [4] موفق ص۳۲ ج۱

متصادم کردے گا۔ احادیث کے متعلق یہ اصول تو ائمہ حدیث کے یہاں بھی ملتا ہے صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنے اپنے اصول کے مطابق احادیث کو قبول کیا ہے ان میں سے بعض متشدد ہیں اور بعض میں لینت ہے امام بخاری اس راوی کی حدیث کو نہیں قبول کرتے جو ایمان میں زیادتی اور نقصان کا عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح امام نسائی سب سے زیادہ متشدد ہیں غرضکہ اختیار حدیث کے معاملہ میں محدثین خود آپس میں مختلف ہیں امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی سب مختلف ہیں اور محدث ابن جوزی کی راہ تو ان سب سے علیحدہ ہے چنانچہ

ربما اودج فیہا الحسن و الصحیح مما احد الصحیحین فضلا عن غیرھما لہ

ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری ومسلم میں موجود ہیں موضوعات میں شمار کر لیا دوسروں کا تو ذکر ہی کیا۔

لہٰذا امام صاحب نے بھی اختیار حدیث کے لئے جو ضابطے مقرر فرمائے ہیں، ان سے کیوں چراغ پا ہوا جاتا ہے جب کہ امام صاحب اتنے متشدد بھی نہیں ہیں بلکہ انھوں نے نہایت واضح طور پر فرمادیا ہے۔

یہ ہماری رائے ہے ہم کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی کہتے ہیں کہ اس کا قبول کرنا واجب ہے ۲

امام صاحب اور اصول حدیث

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک دفعہ بشیر عدوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث بیان کرنا شروع کردی۔ حضرت ابن عباس رض نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی، تو بشیر عدوی نے جھنجھلا کر کہا عجیب بات ہے! میں حدیث سنا رہا ہوں اور آپ اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہے تب حضرت ابن عباس رض نے فرمایا، عدوی بھائی! ایک وقت وہ تھا کہ جہاں کسی نے قال رسول اللہ صلعم کہا اور

لہ اوشحہ ۲ لہ سیرت النعمان

ہم ہمہ تن گوش ہوئے اور اب تو ہم وہی حدیثیں سنتے ہیں جو ہم کو بھی معلوم ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے اور درمیان سے الفاظ حذف کرتے جارہے تھے اور فرماتے جاتے تھے واللہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ نہیں دیا۔ اسی طرح انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک تحریر دیکھی تو اس میں سے تھوڑے سے الفاظ کے علاوہ سب تحریر مٹادی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز تھا۔ اس کا اور اس کے علاوہ اسی قسم کے دوسرے سوالات کا یہی جواب دیا جاسکتا ہے کہ اسلام حدود عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوگیا تھا اور لوگوں کو احکامات اسلام معلوم کرنے کا بیحد اشتیاق تھا۔ اس اشتیاق میں وہ روایتی پابندیوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے وہ درایت سے بھی بے نیاز تھے اس لئے گمراہ فرقوں اور اہل ہوا کو موقع مل گیا۔ اور انھوں نے قطع و برید کرنا شروع کردی۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ زنادقہ نے ۱۲ ہزار حدیثیں وضع کیں عبد الکریم کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کرکے شائع کردیں۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ہارون رشید کے سامنے ایک زندیق لایا گیا۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین آپ ان چار ہزار حدیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں اور جس میں حرام کو حلال کیا ہے۔ حالانکہ اس میں سے حضور کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔ رشید نے جواب میں کہا اے زندیق کیا تو عبد اللہ بن مبارک اور ابن اسحاق الفزاری کو بھول گیا وہ اس کا ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دیں گے [۱]

ان چیزوں کے پیش نظر ذہنوں میں یہ بات اُبھر سکتی ہے کہ پھر حدیث سے کس طرح استفادہ کیا جائے؟ اس کا جواب بھی یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے لئے اصول اور ضوابط مقرر کرنے ہوں گے تب ہی احادیث سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امام صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنھوں نے معاصرین کی لعن طعن کا خیال کئے بغیر اصول حدیث مقرر کئے، اور

---

[۱] - موضوعات کبیر ص۸۵

لوگوں کو قبول حدیث کا ایک معیار بتلا دیا۔ بعد کو دیگر اصولیوں نے حالات و زمانہ کے اعتبار سے ان میں ترمیم و اضافہ کیا لیکن وہ اصول بدستور رہے۔ بطور ذیل ہیں۔ امام صاحب کے وہ سولہ اصول حدیث پیش کیے جا رہے ہیں جن پر احادیث کی صحت و ضعف کا مدار ہے

امام صاحب کے اصول

(۱) ثقہ راویوں کے مرسلات مقبول ہیں بشرطیکہ ان سے قوی تر دلیل موجود نہ ہو۔ بخاری نے قرات خلف الامام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ مسلم میں بھی مراسیل موجود ہیں۔ حنفیہ نے اس بارے میں نہایت واضح طور پر فرمایا ہے:-

ومن ضعف بالارسال فبنی شطر السنۃ المعمول بھا لہ

جس نے مرسل ہونے کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیدیا اس نے معمول بہا سنت کے ایک حصہ کو ترک کر دیا۔

(۲) خبر احاد کو اصول پر پرکھا جائے گا، اور اگر وہ اس کے مطابق ہے تو اختیار کیا جائیگا ورنہ ترک کر دیا جائے گا۔

(۳) خبر احاد کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

(۴) خبر مشہور کے مقابلہ میں (خواہ فعلی ہو یا قولی) خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔

(۵) اگر دو خبر واحد متعارض ہوں تو افقہ راوی کی خبر کو ترجیح ہو گی۔

(۶) اس روایت کو ترک کر دیا جائے گا جس کے راوی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت کہ اگر کتا کسی برتن کو چاٹ جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے حالانکہ وہ فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر دیتے تھے

(۷) حدیث اگر متناً یا سنداً زائد ہو تو اس کو ناقص کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائیگا۔

(۸) جس چیز میں عموم بلویٰ ہو اس کے مقابلہ میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قرن اول کے عموم بلویٰ کا ثبات متواتر اور متوارث ہوتا ہے اسی وجہ سے حدود و کفارات کو شبہ کی بنا پر رد کر دیا جاتا ہے

لہ مقدمہ فتح الملہم

۹۔ ایک ہی حکم میں اگر کوئی خبر واحد مختلف ہو اور کسی وجہ سے ثابت ہو کہ انھوں نے اس سے استدلال کیا ہے تو اس خبر واحد کو ترک نہ کیا جائے گا۔ بلکہ مناسب تطبیق دینا دیں کری جائے گی۔

۱۰۔ جس خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو اس کو اختیار کیا جائے گا

۱۱۔ حدود اور عقوبات میں اخف درجہ کی خبر واحد کو لیا جائے گا۔

۱۲۔ حدیث کے راوی کے لئے سماعت سے لے کر نقل تک استمرار حفظ ضروری ہے

۱۳۔ اس راوی کی روایت معتبر نہیں جو یہ کہے کہ میری بیاض میں ہے۔ ہاں بیاض کی روایت اس وقت معتبر ہو گی جب اس کو زبانی بھی یاد ہو۔

۱۴۔ احادیث میں احوط کو اختیار کیا جائے گا

۱۵۔ متاخر کو متقدم کے مقابلہ میں ترجیح ہوگی، کیونکہ اس کی حیثیت ناسخ کی ہے

۱۶۔ خبر واحد صحابہ اور تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو[۱]

روایت بالمعنی امام صاحب کے زمانہ میں روایت بالمعنی کا زیادہ رواج تھا۔ جس کی وجہ سے احکامات میں بہت کافی اختلاف پیدا ہو گیا تھا مثلاً حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے جس کو ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجبلاہ[۲]	مردہ پر زندہ کے بکا کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے جب وہ یہ الفاظ کہہ کر بین کریں۔ الخ

حضرت عائشہ سے کسی نے یہ بیان کیا کہ حضرت ابن عمر یوں کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا، ابن عمر کو سہو ہو گیا ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک یہودیہ عورت کا انتقال ہوا تو اس کے رشتہ دار بیان کر کے رو رہے تھے۔ اس پر حضور صلعم نے یہ ارشاد فرمایا تھا اور

---

[۱] تانیب الخطیب صہ ۱۵۲ و ۱۵۳ [۲] سنن ابن ماجہ

ولا تزر وازرۃ وزر اُخری — کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔

ملاحظہ ہو راوی نے یہاں قاعدہ کلیہ کے طور پر حدیث بیان کردی

غزوہ بدر میں جب حضور صلعم اس گڈھے (قلیب) کے پاس پہونچے جہاں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں تو ارشاد فرمایا

ھل وجدتم ما فعل ربکم حقاً — جو کچھ تمہارے رب نے کیا اس کو تم نے حق پایا۔

لوگوں نے عرض کیا کیا آپ مردوں سے خطاب کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا

لقد علموا ما دعوتھم — میں نے جس چیز کی دعوت دی تھی، انھیں معلوم ہوگیا

اسی ایک واقعہ میں دو حدیث ہیں، ایک میں لفظ "سماع" اور دوسرے میں لفظ "علم" ہے۔ اسی روایت بالمعنی کے اختلاف کی وجہ سے آگے چل کر اختلاف پیدا ہوگیا۔ اسی طرح مناسک حج میں ایک روایت آتی ہے

اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب — سانپ اور بچھو کو مار ڈالو

روایت بالمعنی کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم دیا، امام صاحب نے روایت بالمعنی کے لئے یہ اصول مقرر کر دیا۔ رواۃ فقیہ ہوں اور ثقہ ہوں۔

ان دو شرطوں کے ساتھ امام صاحب نے اپنے زمانہ تک روایت کو قبول کیا۔ یعنی امام صاحب عہد تابعین کے بعد روایت بالمعنی کی اجازت نہیں دیتے۔ امام طحاوی نے بہ سند متصل بیان کیا ہے۔

لا ینبغی للرجل ان یحدث من الحدیث الا بما حفظ من یوم سمعہ الی یوم یحدث بہ — امام صاحب فرماتے ہیں آدمی کو وہی حدیث بیان کرنا چاہئے جو سننے کے دن سے روایت کرنے وقت تک بالکل یاد ہو۔

امام صاحب کا بھی یہی مسلک ہے۔

لا تجوز الروایۃ بالمعنی مطلقاً[1] روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں ہے

مابعد کے محدثین کے نزدیک چونکہ شرائط سخت ہیں اس لئے انھوں نے نرمی سے کام لیا جس کی وجہ سے اکثار فی الحدیث ہو گیا۔ ان ہی شرائط کی وجہ سے ابن صلاح امام صاحب اور امام مالک کو متشدد کہتا ہے۔ حالانکہ امام صاحب نے یہ ضابطہ اس حدیث کی روشنی میں مقرر کیا ہے

نضر اللہ امرأ سمع منا فبلغہ کما سمعہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو شاداب کرے جس نے ہم سے جیسا سنا ویسا ہی نقل کر دیا

یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے جو بالسند المتصل امام صاحب تک پہونچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کی روایات بہت زیادہ نہیں ہیں۔ وہ روایت بالمعنی کو ناجائز قرار دیتے ہیں وہ حالات زمانہ کی وجہ سے مجبور نہیں بلکہ معذور تھے حافظ زین الدین عراقی فرماتے ہیں:۔

ان حدیثوں نے بہت نقصان اور ضرر پہونچایا، کیونکہ واضعین کے ثقہ اور تورع کی وجہ سے احادیث بالمعنی مقبول ہوئیں۔ وضع کے بعد بہ سہولت غلط فہمیوں، بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جس کی وجہ سے ہزاروں اقوال جناب رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب ہو گئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس کی وجہ سے سامعین کو دھوکہ ہوتا تھا اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے[2]

امام زہری اور وکیع کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ہیں، لیکن امام صاحب حدیث میں اس کو پسند نہیں کرتے ہیں

---

[1] سیرت النعمان ص ۹۰ [2] سیرت النعمان ص ۹۳

حدیث کے اصطلاحی الفاظ

زمانہ قدیم میں آج کل کی طرح آلات مکبر الصوت نہیں تھے لہٰذا بڑی بڑی درس گاہوں میں جہاں ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے تھے آواز کو منتقل کرنے کے لیے مستملی مناسب مقامات پر مقرر کیے جاتے تھے۔ اس طریقہ کی وجہ سے محدثین میں اختلاف پیدا ہوا کہ جس نے مستملی کو آواز کو سنکر حدثنا کہا وہ حدیث کو شیخ کی طرف منسوب کرسکتا ہے؟ امام صاحب کہتے ہیں نہیں کرسکتا بلکہ اس شخص کو اخبرنا کہنا چاہیے حافظ ابونعیم، فضل بن وکیع، زائدبن قدامہ۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام صاحب کا مسلک صحیح ہے۔ یہاں بھی امام صاحب نے روایت بالمعنی کے پیش نظر ایسا کیا تھا کیونکہ مستملی روایت بالمعنی بھی کردیتے تھے۔ لیکن جو لوگ روایت بالمعنی کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے یہاں حدثنا اور اخبرنا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی وجہ سے امام حسن نے متعدد روایتوں میں حدثنا ابوہریرہ کہا ہے حالانکہ ان کی ابوہریرہ سے ملاقات نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان فرمائی تو میں اس جگہ میں موجود نہ تھا۔ اس شہر کے دوسرے باشندوں سے سنکر میں نے حدثنا کہا ہے۔ امام حسن بصری کی اس بات کو دوسرے محدثین نے بھی اختیار کیا حالانکہ یہ بات صراحۃً غلط ہونے کے علاوہ درمیان کے راوی کے بارے میں اشتباہ پیدا کرتی ہے اس وجہ سے امام صاحب اس طریقہ کو ناجائز کہتے ہیں

حدیث میں مقام امام

ان قیودات کا تقاضا ہے کہ امام صاحب کی مرویات کی تعداد بہت کم ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حافظ حدیث ہیں، اور ان تمام شروط اور قیودات کے ساتھ ہیں اور کمال اسی کا نام ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بیان کیا ہے

بیسواں باب اس بارے میں کہ امام ابوحنیفہ کثیر الحدیث اور اعیان حفاظ میں سے تھے [۱]

---

[۱] سیرت النعمان صفحہ ۸

قاضی ابو یوسف (جن کو یحیٰی بن معین صاحب الحدیث کہتے ہیں) فرماتے ہیں۔

جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تو میں حلقہ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا اور ان سے اس مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرتا اور آکر امام صاحب کی خدمت میں پیش کرتا، تو آپ بعض کو قبول کرتے اور بعض کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا کیوں؟ تو فرماتے کوفہ میں جس قدر علم ہے اس کا عالم ہوں۔[1]

یہ ہے امام صاحب کا کمال دوسرے محدثین کے یہاں یہ بات نہیں ہے بخاری میں سے اگر مکررات کو حذف کر دیا جائے تو کل ۲۷۶۱ حدیثیں ہیں۔ موطا امام مالک میں دس ہزار حدیثیں تھیں، لیکن دوبارہ ترتیب میں چھ سو یا سات سو حدیث باقی رہیں۔

اس کا ہمارے پاس کیا جواب ہے کہ محدثین نے امام صاحب کے شاگردوں سے تو روایت کو لیا اور امام صاحب کو سند میں سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ وہ ضعیف ہیں حالانکہ ان روایات میں ضعف مابعد کے راویوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ہاں دوسرے محدثین پر تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان کے یہاں ضعف ہے، کیونکہ ان کے یہاں وہ شرائط نہیں جو امام صاحب کے یہاں ہیں۔ سطور ذیل میں امام صاحب کے متعلق چند رائیں پیش ہیں

محدثین کے آراء

(۱) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم امام ابو حنیفہ سوائے حدیث کے رائے کو اختیار کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں اس کو امام ابو حنیفہ کی رائے نہ کہو بلکہ حدیث کی تفسیر کہو۔

(۳) امام ابو یوسف فرماتے ہیں، میں نے تفسیر حدیث کے معاملہ میں امام صاحب سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔

---

[1] سیرت النعمان صفحہ ۸

(۴) سفیان بن عیینہ کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ حدیث میں اعلم الناس ہیں۔

(۵) یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے زمانے کے تمام محدثین کی حدیثوں کو یاد کر رکھا تھا لیکن انھوں نے انھیں حدیثوں کو اختیار کیا جن پر آخر زمانہ میں رسول اللہ صلعم کا عمل تھا۔

(۶) معمر کہتے ہیں شرح حدیث میں امام صاحب سے زیادہ عالم میں نے نہیں دیکھا۔

(۷) عمر بن دینار کہتے ہیں نعمان بن ثابت بہت اچھے آدمی ہیں جس حدیث میں فقہ ہوتا ہے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں

(۸) حسن بن زیاد کہتے ہیں۔ امام صاحب نے چار ہزار احادیث روایت کی ہیں دو ہزار حماد سے اور دو ہزار دیگر مشائخ سے

(۹) ابن حجر مکی کہتے ہیں امام صاحب نے لوگوں کو کبھی بھی اپنے مسلک کی طرف جناب رسول اللہ صلعم کے بلا اشارہ منامی کے دعوت نہیں دی لیے

یعنی فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو جناب رسول اللہ صلعم کی مرضی کے خلاف ہو اور حضور صلعم ان مسائل کو پسند نہیں فرما سکتے جو قرآن اور ان کی سنت کے خلاف ہوں۔

امام صاحب کے حدیث میں شاگرد

امام صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، علامہ ذہبی نے فرمایا ہے آپ کے آٹھ سو شاگرد تھے۔ علامہ موفق نے بحساب حروف تہجی اور مع اوطان سات سو تیس شاگردوں کی نشان دہی کی ہے اور فرمایا ہے یہ آپ کے بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ صاحب جواہر نے کہا ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگرد تھے۔

یہ تعداد مبالغہ آمیز نہیں ہے کیونکہ آج کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے شاگردوں کی تعداد بھی چند برسوں میں سینکڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے جبکہ ہندوستان میں تعلیم کی تعداد ۰۰ فیصدی ہوئی ہے، اور خیر القرون میں تو تعلیم کے شیوع

لے مقدمہ اوجز المسالک متفرقاً۔

کا معاملہ ۸۰ یا ۹۰ فیصد تھا، اس وقت یہ تعداد ہونا قرین قیاس ہے۔ صاحب جواہر نے تحریر فرمایا ہے کہ سمرقند میں ایسے قبرستان موجود ہیں جن میں چار سو سے زائد "محمد" نام کے فقہا مدفون ہیں اور ایک قبرستان تو ایسا ہے جس کو قبرستان اصحاب ابی حنیفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کے مدفونین کی تعداد شمار سے باہر ہے[1] اس جگہ میں نے امام صاحب کے سو سے زائد اُن شاگردوں کے اسماء کی فہرست نقل نہیں کی جن کی احادیث صحاح ستہ میں بھی ہیں اور جامع المسانید میں بھی، جس کا جی چاہے یہ طویل فہرست مقدمہ تنسیق النظام میں دیکھ سکتا ہے اور مزید اطمینان کے لئے جامع المسانید بھی موجود ہے اور صحاح ستہ بھی۔

کتب احادیث امام صاحب کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حالانکہ یہ قول معتزلہ کا ہے[1]۔ اس قول سے بعض حنفیہ بھی متاثر نظر آتے ہیں[2]۔ بات یہ نہیں ہے بلکہ امام صاحب کی تصانیف موجود ہیں، مثلاً وصایا، العالم والمتعلم، فقہ اکبر وغیرہ، ان کتابوں کے متعلق تو ہم آئندہ صفحات میں عرض کریں گے۔ یہاں سردست چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) صاحب کتاب یا مصنف ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود ہی ہاتھ میں قلم و دوات لیکر بیٹھے تب ہی وہ کسی کتاب کا مصنف یا مؤلف ہو سکتا ہے۔

(۲) یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اسی وجہ سے اس کو کتاب اللہ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس کی جمع و ترتیب کا کام اولاً جناب رسول اللہ صلعم نے کیا۔ بایں معنی کہ آپ نے فرمادیا کہ اس سورت کو یا اس آیت کو فلاں جگہ لکھ دو۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے ان متفرق سورتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

(۳) بہت سے آئمہ ہیں جن کی طرف احادیث کے بڑے بڑے ذخیرے منسوب ہیں

---

[1] الجواہر المضیئہ ص ج ۱ ص جواہر ط ۴۶ ج ۲ ص ۳ ص شبلی علامہ شبلی

لیکن انھوں نے اپنے قلم سے ان کو مدون نہیں کیا۔ مسند امام احمد کے بارے میں علماء کی یہی رائے ہے۔

(۴) بہت سے مولف یا مصنف نابینا ہوئے ہیں اور انھوں نے کتابیں املا کرائی ہیں مثلاً مصر کے ڈاکٹر طہٰ۔

(۵) بہت سے مشائخ کی تقریریں جن کو تلامذہ لکھ لیتے ہیں۔ ان کی طرف منسوب ہوتی ہیں نہ کہ ان تلامذہ کی طرف

(۶) اکابر کے انتقال کے بعد ان کے خطوط کو جمع کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ یہ تمام صورتیں وہ ہیں کہ جن کی وجہ سے کتاب کا مصنف اور کوئی ہوتا ہے اور جامع اور کوئی لیکن کتاب کو جامع کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا۔ اسی قاعدہ پر امام صاحب کی کتابوں کو بھی منطبق کرنا چاہئے تو پھر انشاء اللہ امام صاحب کی کتابوں کی تعداد معلوم ہو جائیگی۔

مسانید امام اعظم

اسی قاعدے کے ماتحت حدیث میں امام صاحب کے ۱۵ مسانید ہیں[۱]۔

۱	جامع	ابو محمد عبد اللہ الحارثی بخاری	م ۳۴۰ھ
۲	"	الحافظ ابو القاسم	
۳	"	الحافظ ابو الخیر محمد بن المظفر	م ۳۷۹ھ
۴	"	حافظ ابو نعیم	م ۳۰۴ھ
۵	"	ابو بکر بن عبد الباقی	
۶	"	ابو احمد بن عبد اللہ جرجانی	
۷	"	امام الحسن اللولوی	م ۲۰۴ھ
۸	"	حافظ عمر بن الحسن الاشانی	
۹	"	ابو بکر احمد بن الکلاعی	

---

[۱] ۔ مقدمہ جامع المسانید، ابو زہرہ ۱۹۲

۱۰	جامع	حافظ ابو عبداللہ محمد بن الحسین	
۱۱	"	حماد بن ابی حنیفہ	م ۱۷۶ھ
۱۲	"	حافظ ابو القاسم	
۱۳	"	امام محمد	م ۱۸۹ھ
۱۴	"	"	"
۱۵	"	امام ابو یوسف	م ۱۸۲ھ

ان مسانید پر مختلف حضرات نے کام کیا ہے۔ بعض نے ابواب فقہ پر مدون کیا۔ اور اس کی شرح بھی کی ہے اور بعض نے ان پر حاشیہ لکھا۔ چنانچہ علامہ صدر الدین بن موسی حصکفی م ۶۵۰ھ نے ترتیب شیوخ پر مسند امام اعظم کو مرتب کیا۔ ان کے بعد علامہ سندی نے سنن اور ابواب فقہ پر مرتب کیا

مسند امام اعظم کی شروح لکھنے والے بہت سے حضرات ہیں لیکن میری نظر سے صرف دو ہی گذری ۱ شرح ملا علی قاری ۲ تنسیق النظام از ابو الحسن اسرائیلی سنبھلی، مسند اعظم پر سب سے بڑا کام امام ابی المؤید محمد بن محمود خوارزمی م ۶۶۵ھ نے کیا ہے انھوں نے تمام مسانید کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہ سب مسانید امام صاحب کی طرف منسوب ہیں مذکورہ اصول کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا یہ امام صاحب کی مسانید نہیں ہیں۔ ابو زہرہ مصری کہتے ہیں۔

ولیس ذلک بقادح فی صحۃ نسبتہا[1] — امام صاحب کی طرف منسوب کرنا اور دوسروں کا جامع ہونا اعتراض کی بات نہیں ہے۔

کتاب الآثار امام محمد

پندرہ مسانید میں سے ایک یہ بھی ہے جس کو امام محمد نے قال اخبرنا ابو حنیفہ عن فلاں کہہ کر امام صاحب سے روایت کیا ہے۔ اس کو حافظ ابن حجر نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے[2]

---

۱ - ابو زہرہ ص ۱۹۲ ۲ - ایضاً

امام محمد نے اس کو ابواب فقہ پر ترتیب دیا ہے اس کی ایک عظیم شرح استاذ محترم مولانا مفتی مہدی حسن صاحب نے لکھی ہے جو غیر مطبوعہ ہے

کتاب الآثار امام ابو یوسف یہ بھی پندرہ مسانید میں سے ایک ہے اس کو بھی حافظ ابن حجر نے امام صاحب کی کتاب تسلیم کیا ہے لے

حدیث کے عنوان کے تحت یہ چند چیزیں ہم نے پیش کر دی ہیں جن سے حدیث میں امام صاحب کا مقام اور مرتبہ معلوم ہوتا ہے۔ یوں اعتراض کرنے کو خدا نے ہر ایک کے منہ میں زبان دی ہے لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں۔ امام صاحب بہر حال امام ہیں جس نے ان پر اعتراض کیا ہے یا جس نے ان کی حدیث کو نہیں لیا یا بعض الناس کہہ کر اپنے جذبات کو تسکین دی ہے وہ خود اس کا ذمہ دار ہے

لے - ابو زہرہ ص ۱۹۲

باب پنجم

فقہ حنفی

یا

دستور اسلامی کی

تاریخ ــــ و ــــ تدوین

ماخذ اور حوالہ جات

۱ تاریخ الفقہ — ازمولانا عمیم صاحب مجددی

۲ فقہ الاسلام — از الخطیب حسین احمد مصری ترجمہ رشید احمد

۳ مناقب — ازعلامہ موفق

۴ الجواہر المضیہ — ازابن ابی الوفا

۵ جامع المسانید — از امام ابو المؤید

۶ معجم المصنفین — از شیخ محمود حسن خاں

۷ انوالباری — ازمولانا احمد رضا صاحب

۸ امانی الاجبار — ازمولانا محمد یوسف امیر تبلیغی جماعت

۹ سیرت النعمان — ازعلامہ شبلی

۱۰ الطرق الحکمیہ — ازعلامہ ابن قیم جوزیہ

دستور اسلامی کی تاریخ و تدوین!

جناب رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک "اسلام" میں زندگی گذارنے کے طریقوں (عقائد، عبادات و معاملات) کے لئے اصطلاحات کی کثرت اور شیوع نہیں تھا، ہاں فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام وغیرہ اصطلاحی اسماء کا وجود ضرور تھا، حضرات صحابہ رض جیسے حضور صلعم کو کرتے دیکھتے یا جو کچھ آپ سے سنتے اس کو عملاً اختیار کر لیتے تھے۔

عہد نبوی میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا۔ حجاز کے علاوہ جو قبائل زیادہ فاصلے پر آباد تھے وہ دین کی باتیں سیکھنے آتے۔ اور واپس آکر اپنے قبیلوں میں ان ہی تعلیمات کو سکھلاتے تھے۔ حضور صلعم بھی مدینہ منورہ سے عمال کو مختلف قبیلوں میں اسی غرض سے بھیجتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی رضی اللہ عنہم کو ان قبائل میں اسی غرض سے بھیجا گیا تھا۔

اس کے بعد خلافت راشدہ کا زمانہ آیا جس میں اسلام دوسرے ملکوں میں بھی پہونچ گیا۔ جہاں کا رنگ ڈھنگ، طرز معاشرت اور زبان مختلف تھی۔ وہاں پہونچکر اسلامی تعلیمات، عقائد، معاملات، عبادات کی اہمیت کو مختلف الفاظ مثلاً فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام، وغیرہ سے ظاہر کرنا پڑا۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو وہ لوگ امور دینیہ کی اہمیت سمجھنے سے قاصر رہتے۔

چونکہ ان مفتوحہ ممالک (ایران، شام، عراق، مصر، ایشیائے کوچک) تک حضرات صحابہ رض پہونچ چکے تھے، اور انہوں نے وہاں کی بودوباش بھی اختیار کر لی تھی، اور تھے بھی یہ حضرات دین کے ستون۔ اس لئے احکامات اسلامی کے لئے

یہی لوگ مرجع قرار پائے۔ ان حضرات نے قرآن و سنت کی خوب اشاعت کی اور اسی کو احکامات میں اپنا مرجع بنایا، لیکن اختلاف ادوار اور ضروریات زندگی کے ابھار کے باعث انھیں جو خبریں پیش آئیں ان کا جواب انھوں نے قرآن و حدیث کی علل مستنبطہ کے ذریعہ دیا۔ خلیفہ وقت کی طرف سے بھی اپنے مقررہ عمال کو یہی حکم تھا۔ حضرت عمر رض نے اپنے ایک عامل کو تحریر فرمایا۔

اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کرو۔ بالخصوص اس مسئلہ میں جو تمہارے دل میں موجب تردد ہو۔ اگر قرآن و سنت سے تم کو وہ بات نہ معلوم ہو تو ایسے موقعہ پر ملتے جلتے، ایک دوسرے سے مشابہ مسائل کو پہچانو، پھر مسائل میں قیاس سے کام لو۔ اور جو جواب تم کو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے زیادہ قریب نظر آئے اس کو اختیار کرو۔ [۱]

لہٰذا حضرات صحابہ رض نے یہی کیا۔ اور یہ ظاہر ہے قیاس میں اختلاف ضرور پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں سب کا ایک ہی قیاس ہو۔ اگر پورا قرآن پاک تمام صحابہ رض کو یاد بھی ہو لیکن سنن نبویہ کے بارے میں، تو یہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لئے جوابات میں اختلاف ناگزیر تھا۔ پھر احکامات اور مسائل بتلانے والے ایک دو صحابی نہیں تھے بلکہ ایک بڑی جماعت تھی، جن میں سے بعض کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بعض کے بہت ہی کم۔ سطور ذیل میں ان حضرات صحابہ رض کی ایک فہرست پیش کی جا رہی ہے جو کثیر الفتاوی تھے۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر ان کے تمام فتاوی کو یکجا کر لیا جائے تو بڑی بڑی کتابیں بن جائیں گی۔

حضرات صحابہ میں اہل افتاء

۱۔ حضرت عمر رض
۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رض
۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض۔ ۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض۔
۵۔ حضرت زید بن ثابت ۶۔ حضرت ابن عباس رض ۷۔ حضرت ابن عمر رض

---

[۱] تاریخ علم الفقہ، فقہ الاسلام صـ ۲۱۳ مطبوعہ کراچی

ان سات حضرات کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے علاوہ بیس صحابہ رضہ وہ ہیں کہ جن کے فتاویٰ کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں لیکن کم بھی نہیں ہے مثلاً

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ
۲۔ حضرت ام سلمہ رضہ
۳۔ حضرت انس رضہ
۴۔ حضرت ابوہریرہ رضہ
۵۔ حضرت عثمان رضہ
۶۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ
۷۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ
۸۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضہ
۹۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضہ
۱۰۔ حضرت سلمان فارسی رضہ
۱۱۔ حضرت جابر رضہ
۱۲۔ حضرت معاذ بن جبل رضہ
۱۳۔ حضرت ابوسعید خدری
۱۴۔ حضرت طلحہ
۱۵۔ حضرت زبیر
۱۶۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف
۱۷۔ حضرت عمران بن حصین
۱۸۔ حضرت ابوبکرہ رضہ
۱۹۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضہ
۲۰۔ حضرت امیر معاویہ رضہ [1]

ان حضرات کے علاوہ ۱۲۲ صحابہ رضہ وہ ہیں جن میں سے بعض حضرات کے صرف ایک، یا دو ہی فتوے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو اس فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

یہ حضرات صحابہ رضہ پوری اسلامی قلمرو میں پھیلے ہوئے تھے، اور تعلیم دین، احکامات دین کی نشرو اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔ ۱۱۰ھ میں ان میں کے آخری فرد حضرت ابوالطفیل نے انتقال کیا۔ اب احکامات کی نشرو اشاعت کا کام ان کے شاگردوں (تابعین) نے شروع کر دیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں سات مقامات ایسے تھے جہاں تعلیمات دین کے لئے بڑی درسگاہیں اور دارالافتاء قائم تھے۔ ان مقامات پر بڑے بڑے جید تابعی موجود تھے اور کام کر رہے تھے وہ سات مقامات یہ ہیں (۱) مدینہ منورہ (۲) مکہ معظمہ (۳) کوفہ (۴) بصرہ (۵) دمشق (شام) (۶) مصر (۷) یمن

---

[1] ۔ تاریخ الفقہ صہ ۳۷

کوفہ کی درسگاہ

کوفہ کے متعلق تفصیلی حالات تو ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ اس سلسلہ کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ سنہ ۱۲۰ھ سے قبل امام ابو حنیفہ کی حیثیت ایک طالب علم کی تھی، لیکن سنہ ۱۲۰ھ میں امام حماد کے انتقال کے بعد امام صاحب ایک مستقل معلم اور مفتی اور کوفہ کی درسگاہ کے صدر نشین ہو گئے۔

امام صاحب چونکہ نہایت فہیم و ذکی تھے، انھوں نے سوچا، اب علم کسی ایک جگہ اور ایک فرد کے پاس نہیں ہے، بلکہ وہ اطراف عالم میں منتشر ہو چکا ہے اس کو اگر یکجا نہ کیا گیا تو وہ ضائع ہو جائے گا یا پہلی اُمتوں کی طرح اس کی اصل صورت بدل جائیگی پھر ان کی نظروں کے سامنے واضعین حدیث کے تصرفات موجود تھے۔ امام صاحب یہ بھی جانتے تھے کہ اختلاف زمان و احوال اور حوائج کی وجہ سے ایک صدی میں بڑا تغیر ہو چکا ہے تو آئندہ ادوار میں یہ تغیر نہیں رُک سکتا۔ اس لیے اس علم کو یکجا کرنا چاہیے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایسا دستور العمل مرتب کر کے دینا چاہیے جس میں تمام چیزوں کی رعایت ہو۔ اس لئے اسلامی قانون کی تدوین اور اس کے اصول کا تعین کرنا ضروری ہوا۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آج سے پہلے جو افراد تھے وہ آج نہیں ہیں۔ زمانہ انحطاط کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے آج جو جبال العلوم ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کے آثار سے استفادہ کرنا چاہیے۔ اور اسکو اصول و ضوابط کے تحت مبوب، مرتب، مدوّن کر دینا چاہیے۔ لہٰذا امام صاحب نے سنہ ۱۲۰ھ ہی سے اپنی درسگاہ کو اس نہج پر چلایا اور تدوین کا کام شروع کر دیا۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے اس کام کو بند بھی کر دیا تھا لیکن سنہ ۱۳۲ھ سے پھر پابندی کے ساتھ اس کام کو جاری رکھا اور بالآخر سنہ ۱۵۰ھ تک اس کام کو پورا کر دیا۔

فجزاہ اللہ عنی وعن جمیع المسلمین الی یوم القیامۃ

خیرا واحسن الجزاء

ضرورت تدوین فقہ

سطور بالا سے اجمالاً اگرچہ ضرورت تدوین فقہ پر کچھ روشنی پڑ چکی ہے لیکن قدرے تفصیل اس جگہ کی جا رہی ہے۔

حضرات شیخین سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ اور سیدنا عمر فاروق رضؓ کے دور خلافت میں تمام مسلمان متحد تھے۔ مذہبی اختلافات بھی زیادہ نہیں تھے بلکہ نفی کے درجہ میں تھے لیکن حضرت عثمان غنی رضؓ کے آخری عہد خلافت میں سیاسی فتنے شروع ہو گئے جنھوں نے آگے چل کر مذہبی صورت اختیار کر لی۔ حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں ان فتنوں نے خونی صورت اختیار کر لی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت راشدہ کے بعد ہی مسلمانوں میں سیاسی بنیاد پر مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں۔ چنانچہ خارجی اور شیعہ ان دونوں فرقوں کا وجود عمل میں آگیا۔

بنی امیہ کے وسطی دور حکومت میں علمائے اسلام کی بھی دو جماعتیں بن گئیں۔ ایک اہل حدیث جو صرف ظاہر حدیث پر عمل کرنے کو واجب اور ضروری سمجھتے تھے۔ قیاس اور رائے ان کے یہاں حرام کا درجہ رکھتے تھے، اس خیال کے تین گروہ تھے (۱) معتزلہ اس کا سربراہ نظام معتزلی ہے (۲) امامیہ شیعہ (۳) ظاہری، اس کا سربراہ داؤد بن علی الظاہری ہے۔ نظام پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا انکار کیا۔ ابو القاسم بغدادی لکھتے ہیں:-

جہاں تک مجھے علم ہے نظام سے پہلے کسی نے قیاس کا انکار نہیں کیا تھا۔[۱]

ان کے علاوہ دیگر تمام علماء قیاس کو دلیل شرعی مانتے ہیں۔ اس کے لئے ان حضرات نے اصول مرتب کئے۔ اس باب میں عراق میں ابراہیم نخعی اور حجاز میں امام مالک کے استاذ ربیعۃ الرائے اس زمانے کے مشہور عالم ہیں۔ ابراہیم نخعی کے بعد امام حماد اور ان کے بعد امام ابو حنیفہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان حضرات نے روایت اور درایت کو یکجا کر دیا۔

---

[۱] فقہ الاسلام ص ۲۳

پہلی صدی کے آخر میں روایت حدیث کی کثرت اور واضعین حدیث کے فتنے نے بھی مسائل میں اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ یہ فتنہ اتنا بڑا تھا کہ جس میں احادیث کے ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا، عین اسی موقعہ پر عمر بن عبدالعزیز نے اس خطرہ کو محسوس کیا اور فوراً ہی تدوین حدیث کا کام شروع کر کے تحفظ حدیث کا بندوبست کر دیا۔

دوسری صدی کے شروع میں اہل حدیث اور اہل الرائے کے درمیان ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا، چنانچہ سوال پیدا ہو کہ "حدیث" فقہ اسلام کی اصل اور قرآن کی متمم ہے یا نہیں پھر کثرت احادیث کی وجہ سے احادیث کی نوعیت میں اختلاف پیدا ہوا۔ قیاس اور استحسان کے ذریعہ استخراج مسائل میں اختلاف پیدا ہوا۔ اجماع کے اصل شرعی ہونے میں اختلاف، نہی اور امر کے صیغوں سے استنباط احکام میں اختلاف غرض کہ دوسری صدی ہجری کے ربع الاول میں علم کے ہر گوشہ میں اختلاف موجود تھا۔

عام مسلمان قاضیوں کے مختلف فیصلوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے، چنانچہ ابن المقفع نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو اپنے خط میں لکھا ہے:۔

> عدالتوں میں بدنظمی چھائی ہوئی ہے۔ ان میں کسی مشہور قانون کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان فیصلوں کا دارومدار قاضیوں کے اپنے اجتہاد پر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی شہر میں متضاد احکام صادر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک قاضی کے حکم کے مطابق اگر کوفہ کے ایک علاقہ میں بعض لوگوں کی جان و مال اور حرمت کے خلاف فیصلہ دیا جاتا ہے تو دوسرے علاقہ میں دوسرے قاضی کے فیصلہ کے مطابق اس کی حمایت میں فیصلہ صادر ہوتا ہے [1]

وجہ اس کی یہی تھی کہ کوئی قانون مدوّن نہیں تھا۔ امام صاحب نے اسی قسم

[1] فقہ الاسلام ۲۲۵ یہ حالات ۱۲۳ھ کے ہیں۔ اسکے بعد سے امام صاحب نے پابندی کے ساتھ تدوین کے کام کو جاری رکھا۔

کی موجودہ اور آئندہ ضروریات کو محسوس کیا اور قانون اسلامی کو مدون کرنا شروع کردیا اور امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ تمام دنیا پر بڑا احسان فرمایا۔ اسی وجہ سے قانون سازی کی تاریخ میں امام ابو حنیفہ کا نام سرفہرست ہے اور قانون ساز اسمبلیوں کے لئے اس فرزند جلیل کی ہدایات منارۂ نور ہیں۔

کیفیت تدوین فقہ

تدوین فقہ کا کام شروع کرنے سے پہلے یہ سئلہ زیر غور آیا کہ اس مجلس کو کس جگہ قائم کرنا چاہئے۔ بہت غور و فکر کرنے کے بعد کوفہ کو ترجیح دی گئی کیونکہ کوفہ اس کام کے لئے بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا۔ مختلف عربی و عجمی تہذیبیں وہاں موجود تھیں۔ قسم قسم کے مسائل وہاں اُٹھتے رہتے تھے۔ اہل علم بھی بہت تھے۔ اس کے علاوہ عرب کے دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی و سادہ تھی۔ اور ایک قانون ساز کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا کی تہذیبوں کو بہ نظر غائر مطالعہ کرے اور ان سے پیدا شدہ مسائل و ضروریات و حوائج کے اُبھار کو ہرگز نظر انداز نہ کرے۔ آج بھی جو لوگ بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہو کر پرانی لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور عرف عامہ اور رواجات زمانہ سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہیں انہیں ہرگز یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ لوگوں کی زندگیوں پر حرام حلال کے فتوے صادر کریں میرے نزدیک وہ فقہ حنفی کے مزاج سے یکسر جاہل ہیں۔ وہ وقت دور نہیں ہے کہ ان نام نہاد مفتیوں کے ہاتھوں سے قلم لیکر توڑ دیا جائے گا۔

بہر حال کوفہ میں یہ سب چیزیں موجود تھیں۔ اور امام صاحب نے جس کام کا بیڑہ اُٹھایا تھا اس کے لئے بھی ضرورت ایسی ہی جگہ اور ہوشیار افراد کی تھی۔ اس لئے انھوں نے ایک مجلس شوریٰ جو مجلس مباحثہ تھی کو مرتب کیا۔ علامہ موفق فرماتے ہیں:۔

فوضع ابو حنیفہ مذھبہ	امام صاحب نے اپنے مسلک کو مشورہ پر رکھا
شوریٰ بینھم لم یستبد فیہ	اور مجلس سے کٹ کر فقہ کو صرف اپنی ذات
بنفسہ دونھم ؎	پر موقوف نہیں رکھا۔

؎ موفق ص۱۳۳ ج۲

چنانچہ امام صاحب نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ماہر فن اشخاص منتخب کئے۔ امام طحاوی نے بہ سند متصل بیان کیا ہے کہ اس مجلس کے اراکین کی تعداد چالیس تھی۔ یہ سب کے سب حضرات درجہ اجتہاد کو پہونچے ہوئے تھے۔ ان چالیس میں سے دس بارہ حضرات کی ایک اور مجلس خصوصی تھی جس کے رکن امام ابو یوسف، امام زفر، داؤد طائی، احمد بن عمر، یوسف بن خالد، یحییٰ بن زائدہ، امام محمد، عبداللہ بن مبارک اور خود امام ابو حنیفہ تھے[1]۔ مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث فرماتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے کام میں کس طرح غلطی باقی رہ سکتی تھی جب کہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر، محمد، جیسے لوگ قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے۔ اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان، مندل جیسے ماہرین حدیث ان کے ساتھ تھے۔ اور لغت اور عربیت کے ماہر قاسم بن معن یعنی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے جیسے شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری رکھنے والے حضرات موجود تھے، لہٰذا جس کے رفقاء کار و ہمنشین ایسے لوگ ہوں وہ غلطی نہیں کرسکتا، کیونکہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ واپس کرنے والے تھے[2]۔

امام ابو حنیفہ نے استنباط مسائل کا یہ طریقہ مقرر کیا کہ اولاً کتاب اللہ پھر سنت نبویہ پھر آثار صحابہ رضؓ اور اس کے بعد قیاس، امام صاحب کی نظر احادیث کے بارے میں بہت دوربیں تھی وہ حدیث کے قوی، ضعیف، مشہور، احاد کے علاوہ، یہ بھی دیکھتے تھے کہ آخری امر جس پر جناب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا ہے وہ کیا تھا۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ رضؓ کی احادیث میں اختلاف ہوتا تو بربنائے فقہ افقہ کی روایات کو ترجیح دیتے تھے۔

---

[1] الجواہر المضیہ صفحہ ۱۴۔ج [2] استغراقاً جامع المسانید صفحہ ۳۳

مسائل کے استنباط میں امام صاحب اسی مذکورہ ترتیب کے ساتھ استحسان، مصالح مرسلہ ضروریات کو بھی پیش نظر رکھتے تھے اور سوچ سوچ کر اس قسم کے جزئیات پر بحث کرتے تھے کہ جن کا اب تک وجود نہیں ہوا تھا، امام صاحب فرماتے ہیں

اہل علم کو چاہئے کہ جن باتوں میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا امکان ہے۔ ان کو بھی سوچ لیں۔ تاکہ اگر واقعہ ہی ہو جائے تو انھیں انوکھی بات نظر نہ آئے کہ جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں بلکہ معلوم رہنا چاہئے کہ ان امور میں اگر کسی کو مبتلا ہی ہونا پڑے تو شرعاً ابتلاء کے وقت کیا کرنا چاہئے اور مبتلا ہونے کے وقت شریعت نے کیا صورت بتلائی ہے۔[1]

اسی وجہ سے قیس بن ربیع مشہور محدث کہتے ہیں:-

کان ابو حنیفہ اعلم الناس بما لم یکن[2] — امام صاحب ان مسائل کو بھی سب سے زیادہ جانتے تھے کہ جن کا وجود نہیں ہوا تھا

اسی وجہ سے امام صاحب نے مجلس تدوین میں ان تمام مسائل پر بحث فرمائی ہے کہ جن کے وقوع کا امکان ہو سکتا تھا۔ آپ کے گرد تلامذہ کا مجمع ہوتا تھا اور آپ جزئیات پیش کیا کرتے اور جواب حاصل کرتے اگر سب کا جواب ایک ہی ہوتا تو مسئلہ اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا تھا ورنہ پھر بحث کا سلسلہ جاری رہتا اور جو بھی آخر میں فیصلہ ہوتا وہی بات قرار پا جاتی۔

خدمت کتابت، اسد بن عمر، یحییٰ بن زکریا بن زائدہ اور امام ابو یوسف کے سپرد تھی۔ اختلافات کے ساتھ بحث کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا، کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر مہینے گذر جاتے تھے۔ امام صاحب اور تقریریں سنا کرتے تھے البتہ کبھی کبھی بیچ میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون — آپ میرے ان بندوں کو بشارت دیدیں

---

[1] موفق ص۲۶۰ [2] ایضاً

القول ویتبعون احسنہ الایۃ — جو بات سنتے ہیں اور احسن قول کا اتباع کرتے ہیں۔

جب کلام بہت طویل ہوجاتا تو امام صاحب اپنی تقریر شروع فرماتے تھے۔ اور ایسا محکم فیصلہ فرماتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض اراکین اپنی رائے پر قائم رہتے تھے تو اس صورت میں سب کے اقوال قلبند کرلئے جاتے تھے۔ اس کا بھی التزام تھا کہ جب تک شوریٰ کے خصوصی اراکین جمع نہ ہوں کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے چنانچہ الجواہر المضیۃ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرے میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد آپس میں کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ ذرا عافیہ کو آنے دو۔ جب وہ آجاتے اور مسئلہ سے اتفاق کرتے تب مسئلہ قلمبند کیا جاتا تھا اور جب کوئی مسئلہ حل ہوجاتا تو فرط مسرت سے سب مل کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے تھے۔

تقریباً ۲۲ سال کی مدت میں امام صاحب نے قانون اسلامی کو مدوّن کرلیا تھا یہ کتابیں کتب فقہ ابی حنیفہ کے نام سے مشہور ہوئیں یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر مشتمل تھا جس میں سے ۳۸ ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے باقی ۴۵ ہزار مسائل کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ ان ہی مسائل کے ضمن میں دقائق نحو اور حساب بھی مذکور تھے جن کے سمجھنے کے لئے عربیت اور حساب کے ماہر کی ضرورت ہے[۱]

اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی، باب الطہارت، باب الصلوٰۃ، عبادات کے بعد دوسرے ابواب اور ان کے بعد معاملات اور عقوبات کے ابواب تھے۔ آخر میں باب المیراث تھا۔ چنانچہ مروجہ تمام کتب حنفیہ اسی ترتیب پر آج بھی موجود ہیں۔

یہ مجموعہ اگرچہ ۱۴۲ھ سے پہلے مرتب ہوچکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے کیونکہ جب امام صاحب کو کوفہ سے بغداد جیل میں منتقل کردیا گیا تو یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ امام محمد کا امام صاحب کی مجلس سے تعلق وہیں سے ہوا ہے۔ اضافہ

---

[۱] موفق ص ۱۳۳ ج ۲، جامع المسانید ص ۳۳

کے بعد اس مجموعہ کی تعداد ۵ لاکھ مسائل ہو گئی تھی[1]۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں :۔

کتبت کتب ابی حنیفۃ غیر مرۃ کان یقع فیھا زیادات فاکتبھا[2]	میں نے امام صاحب کی کتابوں کو متعدد بار لکھا۔ ان میں اضافے بھی ہوتے رہے میں ان اضافوں کو بھی لکھتا تھا۔

اس مجموعہ کو امام صاحب کے زمانے ہی میں شہرت حاصل ہو گئی تھی۔ اس کے جس قدر اجزار تیار ہو جاتے تھے ہاتھوں ہاتھ چلے جاتے تھے۔ عدالتوں میں قضاۃ نے سرکاری طور پر ان اجزار کو رکھوا لیا تھا۔ جب یہ مجموعہ بالکل تیار ہو گیا تو امام صاحب نے اپنے تمام شاگردوں کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔

امام صاحب کی تقریر

میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے۔ تمہاری ہستیوں میں میرے حزن و غم کے ازالہ کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (قانون اسلامی) کی زین کس کر تم لوگوں کے لئے تیار کر چکا ہوں۔ اس کے منہ پر تمہارے لئے لگام بھی چڑھا چکا ہوں۔ اب تمہارا جس وقت جی چاہے اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا اور ہموار کر دیا۔ اب وقت آگیا ہے کہ تم سب لوگ علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں سے دس آدمی ایسے ہیں جو قاضی نہیں بلکہ اُن کے معلم بھی بن سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کا جو کہ تم کو ملا ہے اس کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتا ہوں۔ میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا، اور اگر تم میں سے کسی کو قضا

---

[1] جامع المسانید ص ۳۵ [2] ایضاً

کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہے دیتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں۔ جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کرے گا اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا۔ نہ اس کے لئے خدمت قضا حلال ہے اور نہ اس کی تنخواہ لینا حلال، قضا کا عہدہ اس وقت درست ہے جب قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے۔ بہرحال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں مثلاً دربان وغیرہ کو حائل نہ ہونے دینا۔ پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھنا، ہمیشہ لوگوں کی حاجت پوری کرنے کو تیار رہنا۔ امام یعنی مسلمانوں کا امیر اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرلے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے[۱]

امام صاحب کا یہ مدون شدہ قانون اس وقت کے تمام علماء اور والیان ریاست کے کام آیا۔ عدالتوں میں سرکاری طور سے اس کو داخل کر دیا گیا۔ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں

قضی بہ الخلفاء والائمۃ والحکام	خلفاء، حکام، ائمہ امام صاحب کے
واستقر علیہ الامر[۲]	مدون کردہ فقہ کے مطابق فیصلہ کیا کرتے

بالآخر اسی پر عمل ہونے لگا۔

شرکاء تدوین فقہ

۱۔	امام زفر	م ۱۵۸ھ
۲۔	امام مالک بن مغول	م ۱۵۹ھ
۳۔	امام داؤد طائی	״ ۱۶۰ھ
۴	امام مندل بن علی	״ ۱۶۸ھ
۵	امام نصر بن عبد الکریم	״ ۱۶۹ھ
۶	امام عمرو بن میمون	״ ۱۷۱ھ

---

[۱] معجم المصنفین ص۵۵ ج ۲۔ [۲] موفق ص۳۳ ج ۲

۷-	امام حبان بن علی	م سنہ ۱۷۲ھ
۸-	امام ابو عصمہ	" سنہ ۱۷۳ھ
۹-	امام زہیر بن معاویہ	" سنہ ۱۷۳ھ
۱۰	امام قاسم بن معین	" سنہ ۱۷۵ھ
۱۱	امام حماد بن الامام اعظم	" سنہ ۱۷۶ھ
۱۲	امام ہیاج بن بسطام	" سنہ ۱۷۷ھ
۱۳	امام شریک بن عبداللہ	" سنہ ۱۷۸ھ
۱۴	امام عافیہ بن یزید	" سنہ ۱۸۰ھ
۱۵	امام عبداللہ بن مبارک	" سنہ ۱۸۱ھ
۱۶	امام ابو یوسف	" سنہ ۱۸۲ھ
۱۷	امام محمد بن نوح	" سنہ ۱۸۲ھ
۱۸	امام ہشیم بن بشیر السلمی	" سنہ ۱۸۳ھ
۱۹	امام ابو سعید یحییٰ بن زکریا	" سنہ ۱۸۴ھ
۲۰	امام فضیل بن عیاض	" سنہ ۱۸۷ھ
۲۱-	امام اسد بن عمرو	" سنہ ۱۸۸ھ
۲۲	امام محمد بن الحسن	" سنہ ۱۸۹ھ
۲۳	امام علی ابن مسہر	" سنہ ۱۸۹ھ
۲۴	امام یوسف بن خالد	" سنہ ۱۸۹ھ
۲۵	امام عبداللہ بن ادریس	" سنہ ۱۹۲ھ
۲۶	امام فضل بن موسیٰ	" سنہ ۱۹۲ھ
۲۷	امام علی بن ظبیان	" سنہ ۱۹۲ھ
۲۸	امام حفص بن غیاث	" سنہ ۱۹۴ھ
۲۹	امام وکیع بن الجراح	" سنہ ۱۹۷ھ

۳۰	امام ہشام بن یوسف	م ۱۹۷ھ
۳۱	امام یحییٰ بن سعید القطان	" ۱۹۸ھ
۳۲	امام شعیب بن اسحاق	" ۱۹۸ھ
۳۳	امام ابو حفص بن عبد الرحمن	" ۱۹۹ھ
۳۴	امام ابو مطیع بلخی	" ۱۹۹ھ
۳۵	امام خالد بن سلیمان	" ۱۹۹ھ
۳۶	امام عبد الحمید	" ۲۰۳ھ
۳۷	امام حسن بن زیاد	" ۲۰۴ھ
۳۸	امام ابو عاصم النبیل	" ۲۱۲ھ
۳۹	امام مکی بن ابراہیم	" ۲۱۵ھ
۴۰	امام حماد بن دلیل	" ۲۱۵ھ [1]

ان حضرات پر مختصراً بھی کچھ لکھنا ایک مستقل تصنیف کو دعوت دینا ہے۔ اس لیے ان کے حالات سے گریز کیا جا رہا ہے۔ ہاں اتنا عرض ہے کہ ان حضرات کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

کتب فقہ ابی حنیفہ

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی یا دستور اسلامی کے مؤلف اول امام ابو حنیفہ رحہی ہیں اور دیگر آئمہ آپ کے خوشہ چیں ہیں اور سب ہی نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے دور تدوین کے ان آثار علمیہ کے بارے میں علامہ شبلی نے فرمایا ہے۔

غالباً یہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔

قلائد عقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام صاحب نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوّے ہزار سے کچھ زیادہ تھی۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے یہ مسائل ۶ لاکھ تھے

---

[1] مقدمہ انوار الباری، امانی الاحبار، الجواہر المضیہ

یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو، لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے ان کی تصدیق ہو سکتی ہے [۱]

لیکن افسوس کہ اس مجموعہ کا کیا نام تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا، البتہ اقدمین کی کتابوں میں امام صاحب کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ مؤلف انوار الباری نے علامہ کوثری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کتاب الرائے، کتاب اختلاف الصحابہؓ، کتاب الجامع کتاب السیر، کتاب الاوسط، الفقہ الاکبر، العالم والمتعلم، کتاب الرد علی القدریہ رسالہ الی الامام ابی عثمان البتی، چند مکتوبات بطور وصایا، امام صاحب کے علمی تحفے ہیں اور امام صاحب کا فقہی مجموعہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قلم سے آج بھی بعینہ موجود ہے۔ ان کتابوں کا نام جو کتب فقہ ابی حنیفہ رح کے نام سے موسوم ہیں سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

کتب ظاہر الروایۃ۔

اس میں چھ کتابیں شمار ہوئی ہیں:۔

۱۔ جامع صغیر:۔ اس کتاب میں امام محمد نے امام ابو یوسف کی روایت سے امام صاحب کے [illegible] کیے ہیں۔ اس کتاب کے مسائل کی تعداد ۵۳۲ ہے جن میں سے ۱۷۰ مسائل سے امام محمد نے اختلاف بھی کیا ہے اس کتاب کی چالیس شروحات لکھی گئی ہیں [۲]۔ جن میں سے خاص شرح یہ ہیں۔

۱۔ ابو اللیث سمرقندی ۲۔ صدر الاسلام بزدوی ۳۔ فخر الاسلام علی بزدوی ۴۔ شمس الائمہ سرخسی ۵۔ الصدر الشہید حسام الدین ۶۔ علامہ الاسبیجابی۔ ۷۔ برہان الدین صاحب المحیط ۸۔ ابوبکر رازی ۹۔ علامہ العتابی / ۱۰۔ علامہ تمرتاشی ۱۱۔ احمد بن اسماعیل ۱۲۔ علامہ المجوبی ۱۳۔ ابو المعین النسفی ۱۴۔ فخر الدین خاں ۱۵۔ بدر الدین عمر۔ ۱۶۔ صاحب الہدایہ [۳]

---

[۱] سیرت النعمان ص ۱۰۹۔ الجواہر المضیہ ص ۳۴۹ ج ۲۔

جامع صغیر کو محمد بن سماعہ اور عیسیٰ بن ابان نے امام محمد سے روایت کیا ہے اس کتاب کی تبویب قاضی ابوطاہر محمد بن محمد الدبوسی سے نے کی ہے ہندوستان میں مولانا عبدالحی فرنگی محل کے حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے

جامع کبیر

یہ کتاب بھی جامع صغیر کی طرح ہے مگر اس میں مسائل زیادہ ہیں۔ اس کتاب میں امام صاحب کے اقوال کے علاوہ امام ابویوسف اور امام زفر کے اقوال بھی موجود ہیں ہر مسئلہ کی دلیل بھی موجود ہے۔ بعد کے فقہا نے اصول فقہ کے مسائل اسی کتاب سے اخذ کئے ہیں۔ اس کتاب کی شراح بھی بہت ہیں مثلاً:- قاضی ابوخادم ۲۔ الامام علی القمی۔ ۳۔ امام ابوبکر بلخی، ۴۔ شیخ ابوبکر رازی جصاص ۵۔ ابوعبداللہ جرجانی ۶۔ ابواللیث سمرقندی ۷۔ الامام المسعودی ۸۔ امام ابوالفضل کرمانی ۹۔ قاضی ابوزید الدبوسی۔ ۱۰۔ امام برہان الدین ۱۱شمس الائمہ حلوائی۔ ۱۲۔ الصدر الشہید حسام الدین ۱۳شمس الائمہ السرخسی۔ ۱۴۔ فخر الاسلام البزدوی ۱۵۔ صدر الاسلام البزدوی ۱۶۔ قاضی الارسابندی ۱۷۔ امام العتابی ۱۸۔ شیخ الاسلام علاؤ الدین سمرقندی ۱۹۔ فخر الدین قاضی خاں ۲۰۔ امام ظہیر الدین ۲۱۔ جمال الدین الحصیری ۲۲۔ صدر الاسلام مجد الدین ۲۳۔ الامام السیجابی[1]

اسی جامع کبیر کو پڑھ کر ایک نصرانی مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ جب مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا یہ حال ہے تو بڑے محمد کا کیا حال ہوگا۔

۲۔ مبسوط

یہ امام محمد کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اصل کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امام محمد نے ایسے ہزاروں مسائل جمع کئے ہیں جن کا امام صاحب نے جواب دیا ہے اور وہ مسائل بھی ہیں جن میں امام ابویوسف اور امام محمد

---

[1] - الجواہر المضیہ صفحہ ۱۳۹ ج ۲

نے اختلاف کیا ہے۔ اس کتاب میں امام محمد کی یہ عادت ہے کہ پہلے آثار پھر
ان سے ماخوذ مسائل اور آخر میں ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کا اختلاف بھی
ذکر کرتے ہیں۔

۴۔ زیادات

اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر میں
درج ہونے سے رہ گئے تھے۔

۵۔ السیر الصغیر

اس کتاب میں حکومت و سیاست اور جہاد کے مسائل ہیں جب
اس کتاب کو امام اوزاعی نے دیکھا تو پسند کیا اور طنز بھی کیا اور کہا اہل عراق
کو سیر سے کیا واسطہ۔ امام محمد نے جب یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھ ڈالی۔

۶۔ السیر الکبیر

یہ کتاب ۶۰ اجزاء پر مشتمل ہے جب امام محمد اس کی تالیف
سے فارغ ہوئے تو خلیفہ وقت اور امام اوزاعی نے اس کتاب کو بہت زیادہ
پسند کیا۔ علامہ ابن القیم نے فرمایا ہے کہ یہ امام محمد کی سب سے آخری کتاب ہے

اعلم ان السیر الکبیر اخر تصنیف صنعہ محمد فی الفقہ[۱] — سیر کبیر امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔

یہ کتابیں مذہب حنفیہ کی اصل ہیں۔ چوتھی صدی کے آغاز میں ابوالفضل محمد
بن احمد مروزی المعروف بحاکم شہید نے کافی کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں
کتب ظاہر الروایۃ کے تمام مسائل جمع کردئیے ہیں۔ امام سرخسی نے اس کتاب کی
۳۰ جلدوں میں شرح لکھی جو اب مبسوط کے نام سے مشہور ہے۔

کتب نوادر۔

کتب ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمد کی دیگر کتب فقہ کو نوادرات کہتے

۱؎ انوار الباری ص ۲۰۳ ج ۱ ؎ الطرق الحکمیہ ص ۱۲ اس کتاب کو میں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مطالعہ کیا
ہے۔ یہ عبارت اسی مطالعہ کی یادگار ہے۔

ہیں۔ اس میں رقیات، کیسانیات، جرجانیات، ہارونیات، امالی امام محمد نوادر ابن رستم وغیرہ داخل ہیں۔ ان کے علاوہ حدیث وفقہ میں حضرات صاحبین کی متعدد کتابیں ہیں مثلاً کتاب الآثار، کتاب الحج، اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلےٰ الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب الآثار امام ابو یوسف، موطا امام محمد وغیرہ داخل ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ششم

اجتہاد اور تقلید

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ جمع الفوائد — از علامہ ابن اثیر جذری
۲۔ نور الانوار — از ملّا جیون
۳۔ تفسیر مظہری — از علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۴۔ فقہ الاسلام — از علامہ الخطیب حسین احمد مصری
۵۔ فتح القدیر — از امام ابن ہمام
۶ عقد الجید — از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی
۷ حجۃ البالغہ — " " " "
۸ ترجمان السنۃ — از مولانا بدر عالم میرٹھی
۹ سہ روزہ مدینہ — بجنور
۱۰ معارف — اعظم گڈھ
۱۱ ترجمان القرآن — از مولانا آزاد
۱۲ رد المختار — از علامہ ابن عابدین
۱۳ ادشحۃ الجید — از علامہ شوق نیموی

اجتہاد اور تقلید

اسلام میں اجتہاد کی ابتداء آنحضرت صلعم کے وقت سے ہے لہذا اجتہاد کو امر محدث یا بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ کتاب اللہ اور احادیث نبویہ اس پر شاہد ہیں اور خود آنحضرت صلعم اور حضرات صحابہ رض کا اجتہاد کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ:۔

۱۔ جناب رسول اللہ صلعم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم مقرر فرما کر بھیجا تو دریافت کیا، اے معاذ! تم کس طرح فیصلے کرو گے۔ عرض کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے اور پھر اجتہاد کروں گا۔

اجتهد وافیہ برائی — پھر میں اس میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبل کی تصویب فرمائی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اجتہاد کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی مسئلہ میں نصوص موجود نہ ہوں۔

۲۔ ایک عورت خشعمیہ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی وہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میرا باپ بوڑھا ہے اور اس کے اوپر حج فرض ہو گیا لیکن وہ اس کی ادائگی پر قادر نہیں۔ کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتی ہوں

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ار ایت لوکان علی ابیک دین فقضیتہ اما کان یجزیک فقالت بلی فقال علیہ السلام فدین اللہ احق بالقضاء الحدیث[۱]

تیرا کیا خیال ہے اگر تیرے باپ پر کسی کا قرض ہو اور تو اس کو ادا کرے تو کیا تیری ادائیگی کافی ہوگی، اس نے کہا بیشک! آپ نے فرمایا اللہ کا قرض بطریق اولی

۱۔ جمع الفوائد۔

ادا ہو جائے گا۔

اس واقعہ میں حضور صلعم نے حج کو حقوق مالیہ پر قیاس کیا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے دریافت کیا گیا۔ ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے بلا مہر کے ہو گیا اور قبل دخول اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا کیا اس عورت کے لئے مہر ہے؟ حضرت ابن مسعود نے ایک ماہ کے بعد ارشاد فرمایا۔

لہا مہر مثلہا — اس کے لئے مہر مثل ہے۔

بہرحال اجتہاد دین میں امر محدث نہیں ہے۔ حضرات صحابہ رض انفرادی اور اجتماعی طور پر مسائل کو حل کرتے رہتے تھے مگر اسی وقت ہوتا تھا جب کوئی آیت یا حدیث سے مسئلہ کا جواب نہ دیا جا سکتا ہو یعنی نصوص شرعیہ موجود نہ ہوں تب نصوص کی شرعیہ کی علل کے تحت جواب دیا جاتا تھا اسی فعل کو خفیہ قیاس یا اجتہاد کہتے ہیں۔

القیاس فی اللغۃ التقدیر و فی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ [۱]	قیاس لغت میں اندازے کو کہتے ہیں اور شریعت میں فرع کو اصل پر اور حکم کو علت پر اندازہ کرنے کو کہتے ہیں۔

امام صاحب کا اس معاملہ میں یہی مسلک ہے وہ حتی الامکان حدیث اور آثار صحابہ رض کو نظر انداز نہیں کرتے، ارشاد فرماتے ہیں:۔

اترکوا قولی بخبر رسول اللہ صلعم وقول الصحابۃ ونقل انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی [۲]	میرا قول حدیث رسول اور آثار صحابہ رض کے مقابلہ میں ترک کردو اور ان سے یہ بھی منقول ہے جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے

چنانچہ اجتہادی مسائل میں قول صحابی قیاس کے مقابلہ میں مقدم ہے۔ امام صاحب کا ارشاد ہے کہ کسی اہم معاملہ میں صحابی کا فتویٰ محض اپنی رائے پر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل ہو گی جیسے زید بن ارقم کا اپنی ام ولد

---

[۱] نور الانوار۔ [۲] مظہری ص ۶۴ ج ۲

کے ہاتھ ادھار غلام بیچا اور حضرت عائشہ رضؓ کا اس بیع کو ناجائز قرار دینا جمعہ کے لئے اذان ثانی جس کو حضرت عثمان رضؓ نے شروع کیا وغیرہ یہی مسلک امام مالک کا ہے اور امام شافعی صاحب کا بھی مسلک قدیم یہی ہے۔ حنفیہ میں سے صرف علامہ کرخی نے اختلاف کیا ہے۔

بہرحال اجتہاد کا اسلام نے دروازہ بند نہیں کیا بلکہ اس نے اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ ہاں اس کے لئے کچھ شرائط مقرر کر دیئے ہیں کہ کون اجتہاد کر سکتا ہے؟ اور کس وقت اجتہاد کرنا چاہئے۔ ان چیزوں کو ہم آئندہ سطور میں بیان کر رہے ہیں۔

تقلید کی ابتداء

یہ بھی عجیب بات ہے کہ آج مغرب زدہ طبقہ اور کچھ آزاد روش حضرات کے نزدیک تقلید ایک بدترین عیب ہے[۱] ہے، حالانکہ تقلید ہر ایک کے ساتھ سایہ کی طرح لگی ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چھوٹا بڑے کی اور محکوم حاکم کی تقلید کرتا ہے۔ اگر صبح سے شام تک اور پیدائش سے وفات تک کی زندگی اٹھا کر دیکھ لی جائے تو کوئی فرد تقلید سے خالی دکھائی نہ دے گا ہر آدمی جبراً و قہراً یا رغبتاً اس کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ معصوم بچے بھی اس سے خالی نہیں اور جو اعتراض کرتے ہیں وہ بھی اس سے پاک نہیں۔ پھر نہ معلوم کیوں اس کے مخالف ہیں۔

یہ بھی عقل کا دیوالیہ پن ہے کہ ہر کام میں تو تقلید اور دین و آخرت کے معاملہ میں آزادی۔ کیا رسول اللہ صلعم نے قرآن کی تقلید نہیں کی۔ حضرات صحابہ رضؓ نے رسول اللہ صلعم کی تقلید نہیں کی۔ یا مدہر کہ آمد منزل نو ساخت کا معاملہ رہا ہے؟ اگر یہ حقیقت ہے تو آج متقدمین اور اسلاف کی تقلید سے کیوں انحراف ہے؟ کہا جاتا ہے اندھی تقلید کی مخالفت ہے، معلوم نہیں وہ اندھی تقلید ہے کیا اور کون اس کا داعی ہے اور کون اس کی تبلیغ کرتا ہے؟

---

[۱] فقہ الاسلام ص ۲۵ ج ۱۔

یہ ایک بات تھی جو عرض کردی ورنہ مناظرہ یا جھگڑا مقصود نہیں ہے۔ لہذا دوسری طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلعم کی موجودگی میں تو مسلمان آپ ہی سے دریافت کیا کرتے لیکن آپ کے بعد حل مسائل اور جوابات کا مرجع حضرات صحابہ رضؓ بنے جو صحابی جہاں پہونچا وہ وہیں کا مرجع یا مقتدا بن گیا۔ ان کے بعد تابعین کا وقت آیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں سنہ ۹۵ء میں امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، ان کے بعد دیگر مجتہدین پیدا ہوئے مثلاً ۱۵۰ھ میں امام شافعی صاحب نمرہ میں (امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد کے شاگرد ہیں) بغداد میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات وہ ہیں کہ جن کا مسلک اب تک زندہ ہے۔ ان ہی چاروں کے مسلک حق پر اجماع ہو چکا ہے

ان حضرات کا طریق کار وہی تھا جو ان سے پہلے حضرات کا تھا۔ عوام الناس میں جو بھی جس کا معتقد تھا اسی کے مجتہدات پر عمل کرتا تھا۔ لیکن ۲۰۰ھ کے بعد لوگوں میں ہوائے نفس کا غلبہ ہوا۔ چنانچہ ہر ایک آزاد تھا۔ نرمی اور سہولت کو پسند کرتا تھا یہی حال عدالتوں میں تھا۔ ایک عدالت میں ایک ہی معاملہ میں کچھ فیصلہ ہے تو دوسری عدالت میں اسی معاملہ میں خلاف ہوتا تھا۔ لہذا ۴۰۰ھ کے قرب وجوار میں اس آزادروشی کو ختم کیا گیا اور اس پر اجماع ہوگیا کہ ائمہ اربعہ میں سے جو جس کا معتقد ہے اسی کے مجتہدات پر عمل کرے۔

انعقد الاجماع علی عدم العمل بالمذاہب المخالفۃ من الائمۃ الاربعۃ[1] — یعنی اس پر اجماع ہوگیا کہ آئمہ اربعہ کے مذہب کے علاوہ کسی بھی مسلک پر عمل نہ کیا جائے

حافظ ابن حجر مکی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں آئمہ اربعہ کے علاوہ کسی بھی مسلک پر عمل نہ کیا جائے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:۔

جان لینا چاہیے کہ ان مذاہب کے اجتہاد میں ایک عظیم الشان مصلحت

---

[1] فتح القدیر

اور اُن کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے، ہم اس کو دلائل سے ثابت کریں گے۔
۱۔ اُمت نے اتفاق کیا کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں گے۔
چنانچہ تابعین نے صحابہ رضی پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پر دال ہے اس لئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے معلوم ہوئی اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے اور استنباط میں بھی مذاہب متقدمین کا علم ضروری ہے تاکہ ان کے اقوال سے باہر نکل کر اجماع نہ توڑ دے اور یہ بھی ضروری ہے کہ مذاہب متقدمین پر اپنا قول مبنی کرے، اور اس استنباط میں گذشتہ لوگوں کی مدد لے۔
کیونکہ تمام فنون مثلاً صرف، نحو، طب، شعر، آہن گری، بڑھئی گیری، اور رنگریزی کسی کو ان میں سے فن اس وقت تک نہ آیا جب تک ماہر فن کے ساتھ نہ رہا، اس کے علاوہ نادر وبعید ہے۔ ایسا بھی نہیں ہوا۔ اگرچہ عقلاً ممکن ہے۔

جب سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا متعین ہے اور ضروری ہے کہ ان کے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہے سند صحیح سے مروی ہیں یا مشہور کتابوں میں مدون موجود ہیں نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان اقوال کو زیر بحث لایا بھی گیا ہو کہ اس کے محتملات کے راجح کو بیان کر دیا گیا ہو اور بعض مواقع میں عموم کی تخصیص اور مطلق کی قید کی گئی ہو۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

آخری زمانوں میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں ہاں بہ شکل مذہب امامیہ اور زیدیہ کو کہا جا سکتا ہے مگر وہ بھی اہل بدعت ہیں اور ان کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں (۲) رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے سواد اعظم بڑی جماعت کی اتباع کرو، اور چونکہ صحیح مذہب ان چار کے

علاوہ مفقود ہو گئے ہیں تو ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے [1]

حضرت شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے۔

تمام امت محمدیہ یا اس کے معتد بہ حضرات کا اس پر آج تک اجماع رہا ہے کہ ان مذاہب اربعہ مدونہ کی تقلید درست ہے اور اس میں بہت سے مصالح ہیں خصوصاً اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت قاصر ہو گئیں اور رگ و پے میں ہوائے نفسانی سرایت کر گئی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے۔ وہاں ابن حزم کا قول کہ تقلید حرام ہے غلط ہے [2]

مدعی الاجتہاد فی هذا العهد مردود [3] — اس زمانہ میں اجتہاد کا دعویٰ کرنیوالا مردود ہے

غرضکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تقلید کے علاوہ چارہ کار نہیں ہے اور یہ بات ۴۰۰ھ میں طے پا گئی تھی لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ہوئے جنھوں نے تقلید کے قلادہ کو اتار پھینکا اور آزاد روشی کی تبلیغ شروع کر دی

آزاد روشی اور ابن حزم

۳۸۴ھ میں ابن حزم پیدا ہوئے۔ یہ پہلے شافعی تھے۔ پھر بعد میں داؤد ظاہری کے مقلد ہو گئے۔ ویسے بہت بڑے محدث اور عالم ہیں۔ غرور علم نے ان کو تقلید سے باہر نکال دیا اور خود صاحب مسلک بن بیٹھے اور ائمہ مجتہدین پر سخت قسم کی تنقید کرنے لگے۔ علامہ ذہبی نے تحریر فرمایا ہے

ولم یتادب مع الائمۃ فی الخطاب [4] — کلام میں ائمہ کا ادب نہیں ملحوظ رکھتے۔

لیکن مصر اور مشرق وسطیٰ کے ممالک میں اور آزاد روش حضرات کے درمیان ان کی مقبولیت بڑھ رہی ہے کیونکہ یہ ائمہ پر سخت تنقید کرتے ہیں اور یہی

---

[1] عقد الجید مطبوعہ کراچی صہ ۹۶ [2] ترجمان السنۃ صہ ۱۶ ج ۱ [3] رد المختار [4] ترجمان السنۃ [3] او تتمۃ الجید۔

چیز آج کل کے مزاج کے مطابق ہے اور اس پر خوشی ہوتی ہے۔ مورخ ابن خلکان لکھتا ہے۔

اسلام میں حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کی سی تیز زبانی کسی کو حاصل نہیں ہوئی [1]

میری رائے یہ ہے کہ لوگوں کو محض آزاد روشی کی وجہ سے ابن حزم کے بارے میں ضرورت سے زیادہ خوش فہمی ہے حالانکہ خود ابن حزم کی اپنے بارے میں یہ رائے ہے۔

ولقد اصابتنی علۃ شدیدۃ علی ربو فی الطحال شدیداً فولد ذلک علی ضیق الخلق وقلۃ الصبر والنزق امراً حاسبت نفسی فیہ فانکرت تبدل خلقی و اشتد عجبی من مغارقتی لطبعی [2]	یعنی میں ایک بار شدید بیمار ہوا جس کی وجہ سے میری طحال بہت بڑھ گئی تھی اس لئے میرے مزاج میں تنگی، تیزی، بداخلاقی جلد بازی پیدا ہو گئی۔ جب میں پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میرے اخلاق و عادات کس قدر تبدیل ہو گئے اور میں اپنی اصلی طبیعت سے کسقدر دور ہو گیا ہوں

اس پر ایک لطیفہ معلوم ہو۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن حزم اپنی جلالت قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں یہ جب ان کے سامنے امام ترمذی کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے وہ کون ہیں؟ ایک مجہول شخص ہیں، چنانچہ حافظ ذہبی نے اس پر گرفت کی۔ غرضکہ ۲۰۰ھ کے اجماع کو ابن حزم نے پامال کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔

امام ابن تیمیہ ابن حزم کے بعد انھیں کے نقش قدم پر چلنے والے امام ابن تیمیہ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑے عالم ہیں اور دنیا پر ان کی علمیت کا سکہ جما ہوا ہے۔ خصوصاً مصر و عرب تو ان کا شیدائی ہے

---

[1] ترجمان السنۃ ص ۲۷ [2] ایضاً ص ۲۸ [3] ایضاً

ابن بطوطہ نے ان کی بہت زیادہ مدح سرائی کرنے کے باوجود تحفۃ النظار میں لکھ دیا ہے۔

الا ان فی عقلہ شیئاً [۱] — مگر ان کی عقل میں کچھ کمی ہے

علامہ صلاح الدین خلیل نے تحریر فرمایا ہے

علمہ متسع جدًا الی الغایۃ و عقلہ ناقص [۲] — ابن تیمیہ کا علم بہت وسیع ہے، لیکن عقل ناقص ہے۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں تحریر فرمایا ہے

علمہ اکبر من عقلہ [۳] — ان کا علم ان کی عقل سے بڑا ہے

اور عقل کا کمال یہ ہے کہ وہ علم کے تابع رہے لیکن اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو پھر آدمی دیوانگی کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے

علامہ ابن تیمیہ کے بعد ان کے شاگرد رشید ابن قیم نے بھی اسی آزاد روش کو اختیار کیا، ان کے متعلق حافظ ذہبی نے بیان فرمایا ہے:۔

لکنہ معجب برائہ وسیء الفہم [۴] — ابن قیم خود پسند اور سوء فہم ہے

لیکن یہ بھی ناانصافی اور احسان فراموشی ہوگی کہ ان کے تبحر علمی اور خدمات علمی کا اعتراف نہ کیا جائے ان کی تصانیف سے بہت فائدہ پہونچا ہے۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ یہ آزادانہ رائے رکھتے ہیں۔ اور اس کا تعلق اس زمانے اور ماحول سے ہے اس وقت کے تاریخی حالات جس قدر ابتر تھے ایسے حالات میں عام طور سے آدمی ایسا ہی ہو جاتا ہے۔

آزادروشی کے اثرات

ان کے بعد بارھویں صدی ہجری کا زمانہ آیا تو عبدالوہاب نجدی پیدا ہوئے۔ وہ فقہ میں اگرچہ امام احمد کے مقلد ہیں لیکن سب معاملات میں نہیں ان کی بھی مخالفت کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے بھی بہت معتقد ہیں لیکن کہیں کہیں اس پر بھی قائم نہیں رہتے۔ ان کی وفات ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔

غلط اجتہاد کی بنا پر انھوں نے حجاز کی سرزمین پر جو کارنامہ انجام دیا اور ان کی تقلید میں حجاز میں آج کل جو کچھ ہو رہا ہے ہم اس کو علمی اور اسلامی نقطۂ نظر سے مستحسن قرار نہیں دے سکتے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد آزاد روشنی کی وبا نجد سے چل کر ہندوستان میں بھی آ گئی جس نے ایک خاص طبقہ کو جنم دیا۔

ہندوستان آزاد ہونے کے بعد یہاں کی پارلیمنٹ نے ایک دستور بنایا ہے کہ وہ ملک میں ایک سول کوڈ نافذ کرنے کی مجاز ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں یہاں کے وزیر قانون نے اس کا اعلان کیا اور اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں چند جوشا مدیوں نے حکومت سے سفارش کی کہ وہ مسلم پرسنل لا کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی بنائے جو مسلم پرسنل لا میں ترمیم کرے جنوری ۱۹۶۴ء میں محمد علی کریم چھاگلہ نے ایک بیان میں کہا۔

یہ بات قرین عقل نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لا اتنا مقدس اور قابل احترام ہے کہ اس میں ہرگز ترمیم و تبدیلی نہ کی جائے۔ مسلم پرسنل لا میں جو تبدیلیاں سماجی انصاف کے نقطۂ نظر سے ہوں ان کو عمل میں لانے کے لئے ہندوستانی پارلیمنٹ پوری طرح با اختیار ہے[1]۔

راقم الحروف نے چھاگلہ جی کے اس فرمان کا جواب ۲۱ر جنوری ۱۹۶۴ء کے مدینہ کے ریڈنگ آرٹیکل میں نہایت تفصیل سے دیا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان میں سرکاری مسلمان اور وہ لوگ جو امریکہ اور یورپ کے دورے کر آئے ہیں اور بہت سے جدید علماء اور نئی روشنی کے پروانے اسی چیز کے داعی ہیں کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہونا چاہئے اور ہر آدمی کو اس کا اختیار دینا چاہئے۔ ایسے حضرات کی خدمت میں ہم حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا مصری کا ارشاد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفےٰ احمد

ماضی میں انفرادی اجتہاد کی ضرورت تھی لیکن اب وہ سخت خطرناک بن چکا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں جن باتوں کے

---

[1] مدینہ ۲۱ر جنوری ۱۹۶۴ء

اندیشہ کی بنا پر اجتہاد کا دروازہ فقہائے مذاہب نے بند کر دیا تھا، وہ
اب بالکل متیقن اور قطعی بن گیا۔ دین سے سودا بازی کرنے والوں کی تعداد
معتد بہ ہے اور ان میں سے علم اور تقریر و تحریر کی قوت میں علمائے صالحین اور
اتقیا سے بڑھ کر ہیں۔ جامع ازہر کے فضلاء نے ایسی کتابیں اور فتاوے شائع
کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنا قلم دشمنان اسلام کے
ہاتھوں گروی رکھ دیا ہے اور وہ اسلام کی بنیادیں اس طرح ڈھا دینا چاہتے ہیں
کہ جس طرح دشمن بھی نہیں ڈھا سکتے۔ اس قسم کے لوگوں کا دین سے کیا تعلق
ہو سکتا ہے یہ تو منافق اور سازشی قسم کے لوگ ہیں جو اجتہاد اور آزادی رائے
اور حریت فکر کے پردے میں دین کے ساتھ خیانت اور مذاق کر رہے ہیں اور
اس سازش اور خیانت کا ان کو بڑا معاوضہ مل رہا ہے اور خدا کی لعنت سے بے پرواہ
ہو کر بڑے بڑے دنیوی منافع حاصل کر رہے ہیں[1]

حضرت مولانا آزاد کا ارشاد آجکل ہندوستان اور مصر کے بعض مدعیان اجتہاد و نظر نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے
کہ زمانہ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا جدید تحقیقات علمیہ کا
اس سے استنباط کیا جائے۔ گویا قرآن صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کوپرنیکس اور
نیوٹن یا ڈارون اور ویلس نے بغیر کسی الہامی کتاب کے فلسفیانہ اندیشیوں کے دریافت
کرلی ہے اسے چند صدی پہلے معموں کی طرح دنیا کے کانوں تک پھونک دے
اور پھر بھی وہ دنیا کی سمجھ میں نہ آئے، یہاں تک کہ موجودہ زمانہ کے مفسر پیدا ہوں
اور وہ تیرہ سو برس پہلے کے معمے حل فرمائیں، یقیناً یہ طریق تفسیر بھی ٹھیک ٹھیک
تفسیر بالرائے ہے[2]

---

[1] معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۶۰ء [2] ترجمان القرآن صفحہ ۱۶ ج ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ہفتم

فقہ حنفی

یا

دستور اسلامی کے

چند نمونے

ماخذ و حوالہ جات

۱۔ فتح القدیر — از امام ابن ہمام
۲۔ در مختار — از علامہ علاؤالدین
۳۔ دارمی — از علامہ دارمی
۴۔ احکام سلطانیہ — از ابوالحسن مصری
۵۔ رد المختار — از علامہ ابن عابدین
۶۔ ہدایہ — از علامہ کمال الدین
۷۔ عقید الجید — از شاہ ولی اللہ
۸۔ مسند امام اعظم — از علامہ حصکفی
۹۔ عالمگیری — مختلف حضرات بحکم عالمگیرؒ
۱۰۔ ہدایۃ المجتہد — از ابن رشد
۱۱۔ عقود الجواہر
۱۲۔ سیرت النعمان — از علامہ شبلی
۱۳۔ الاشباہ والنظائر — از ابن نجیم
۱۴۔ مجمع الانہر — از علامہ آفندی
۱۵۔ شرح عقائد — از علامہ نسفی
۱۶۔ الرد علی سیر الاوزاعی — از امام ابو یوسف
۱۷۔ مدینہ — مدینہ اخبار بجنور
۱۸۔ مکتوبات — از شیخ الاسلام
۱۹۔ اسلام کا اقتصادی نظام — از مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن
۲۰۔ اوجز المسالک — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
۲۱۔ تبییض — از علامہ سیوطی
۲۲۔ حجۃ اللہ البالغہ — از شاہ ولی اللہ
۲۳۔ ترمذی شریف — از امام ترمذی
۲۴۔ البنایہ — از علامہ عینی
۲۵۔ عورت اسلامی معاشرے میں — از مولانا جلال الدین عمری
۲۶۔ الغایہ — از علامہ اکمل الدین صاحب
۲۷۔ کتاب الحج — از امام محمد
۲۸۔ البدائع — از علامہ کاشانی
۲۹۔ فقہ اکبر — از ملا علی قاری

سیاسیات

دستور اسلامی یا فقہ حنفی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقوام عالم کے مزاج کی رعایت موجود ہے۔ حالات اور ضروریات کی وجہ سے انسانی زندگیوں میں جو نشیب و فراز پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا پورے طور سے خیال رکھا گیا ہے یہ بات دوسرے ائمہ کے فقہ میں بہت کم نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی فقہ ہمیشہ سے دنیا کی بیشتر مسلم آبادی کا مسلک رہا ہے اور رہے۔

الحنفیہ۔ ثلثی المومنین [1] کل مسلمانوں میں حنفیہ ⅔ ہیں۔

وجہ در اصل اس کی یہ ہے کہ جو دستور فطری ضروریات اور تقاضوں سے جلد ہم آہنگ ہو جاتا ہے وہی دنیا میں شائع ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ اس کو آسان الفاظ میں اس طرح کہہ لیجئے جو فطری تقاضے اور ضروریات جب مدوّن دستور کی شکل میں آجاتے ہیں وہی دیرپا ہوتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

انما الولد یولد علی الفطرۃ بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے، ماں فابواہ یہودانہ او ینصرانہ باپ ہی اس کو یہودی، نصرانی مجوسی او یمجسانہ۔ بنا دیتے ہیں۔

اسلام کے سوا کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے یا کوئی سا طریقہ زندگی اختیار کرنے کے لئے وقوع فعل علی المفعول کی ضرورت ہے۔ اسلام فعل لازم ہے جو فاعل سے خود بخود صادر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کو فطرۃ اصلیہ سے نہ ہٹایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب موجودہ سائنسی ارتقاء کے زمانے میں ڈانواڈول ہو گئے لیکن اسلام کو جنبش تو درکنار تقویت ہی پہونچی ہے

فقہ اسلامی کی چند دستوری جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ حالات اور تقاضہ کے تحت

---

[1] مرقاۃ ص۲۲ ج ۲

ہم نے سیاست کو مقدم دکھایا ہے اور چونکہ سیاست ایک وسیع اور عریض موضوع ہے اس لئے اس کے عنوانات مقرر کر کے چند عنوان پر مختصراً کچھ عرض کیا جا رہا ہے

تقرر حاکم شرعی فقہ حنفی میں تقرر حاکم شرعی یا امام اہم واجبات اسلام میں سے ہے[۱]۔ اس لئے کہ اسلام انفرادیت کو ناپسند اور اجتماعیت کو پسند کرتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

یامعشر العرب الارض الارض ان لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة[۲]	اے اہل عرب زمین پر فساد سے بچو! بلا شبہ اسلام بلا جماعت کے نہیں اور جماعت بلا امیر کے نہیں اور امیر بلا طاعت کے نہیں

بات یہی ہے کہ جب تک قوم میں اجتماعیت نہ ہو اسلام کی ضیا پاشیوں سے محروم رہے گی۔ آخر کوئی تو چیز تھی کہ جناب رسول اللہ صلعم کے دفن سے پہلے اس مسئلہ کو حل کیا گیا اور جب تک حضرت ابوبکر صدیق رض خلیفہ نہ ہو گئے، کوئی کام نہ شروع کیا۔

انتخاب امام کا طریقہ امام دو طریقے سے منتخب ہوتا ہے اول یہ کہ ارباب حل وعقد نے اس کو امام بنایا ہو۔ دوسرے یہ کہ امام سابق نے اس کو اپنا جانشین یا ولیعہد مقرر کیا ہو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت قسم اول میں شمار ہوتی ہے کہ پہلے پانچ آدمیوں (مثلاً حضرت عمر رض ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت اسید بن حضیر، حضرت بشر بن سعد اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہ) نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے بعد دوسرے حضرات نے اور دوسری قسم کی حضرت عمر رض کی ہے۔ جس خلیفہ کو ارباب حل وعقد نے منتخب کیا ہو ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ہر شہر منتخب کرے۔ بعض نے کہا کہ پانچ آدمیوں کا ہونا کافی ہے۔ اہل بصرہ کا یہی مذہب ہے۔ اہل کوفہ کہتے ہیں کہ تین ارباب حل وعقد کافی ہیں[۱]

دار الحرب میں بھی مسلمانوں کے مذہبی امور مثلاً رویت ہلال، فسخ نکاح

[illegible]

وغیرہ کے لئے امیر ہونا چاہئے۔ جس کا انتخاب مسلمانوں کی مرضی کے مطابق ہو ؎
ہندوستان میں شرعی پنچایتیں غالباً حاکم شرعی کا بدل ہیں ــــــ لیکن میرے نزدیک اسلامی
نقطۂ نظر سے شرعی پنچایتوں کا انتخاب بالغرض غیر شرعی بھی نہ ہوا۔ اور اُس کو کھینچ تان کر
جواز کا لباس بھی پہنا دیا جائے تاہم اس میں مجھے اسلامی روح محسوس نہیں ہوتی اس
طرز انتخاب کو تو یوروپ نے جنم دیا ہے جو اسلام کی ہر چیز کاٹ کر مخالف ہے۔ اور متقلدان
ہند نے جس کو محسوس بھی نہیں کیا ہے۔ اور اپنی جماعتوں کی تشکیل و انتخاب میں اسی
نقطۂ نظر کو داخل کر لیا ہے۔ ایسے غیر اسلامی دور میں قاضی اور حاکم شرعی کے قائمقام ہر
شہر کے وہ اہل فقہ و افتاء اور وہ صاحب بصیرت علماء جو لباس تقویٰ سے آراستہ
ہوں زیادہ اہل اور حقدار ہیں بلاشبہ ان کے فیصلے حاکم شرعی کے فیصلے کہے جائیں گے

عمدۃ الرعایۃ میں ہے

العالم الثقۃ فی بلدۃ لاحاکم فیہ قائم مقامہ ؎ ص ۳۰۹

وہ ثقہ اور معتبر عالم کہ جس شہر میں حاکم شرعی نہ ہو اس کے قائمقام ہیں

حاکم شرعی کے اوصاف

فقہائے احناف نے کتاب و سنت کی روشنی میں حاکم شرعی کے جو اوصاف مقرر کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

ان یکون عدلاً عفیفاً عالماً بالسنۃ وبطریق من کان قبلہ من القضاۃ ؎

عادل، پاکباز، عالم بالسنۃ اپنے سے پہلے حاکموں کے فیصلوں اور طریق کار سے واقف ہو۔ ؎

اسی کے ساتھ اجتہاد کا بھی اضافہ ہے کیونکہ فہم ناقص کی صورت میں اولاً تو فیصلہ ممکن ہی نہیں اور اگر ہوگا تو غلط ہوگا۔

؎ احکام سلطانیہ ص ۲۴ ؎ درمختار ؎ فتح القدیر ج ۲ ؎ موجودہ اصطلاح میں قدماء کے فتاوی کو ہائی کورٹ کے نظام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

ان یکون من اھل الاجتھاد[1] اور اہل اجتہاد بھی ہو

حنفیہ نے حاکم شرعی کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ کتاب و سنت سے مستنبط ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے۔

فاحکم بین الناس بالحق لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو

ولا تتبع الھوی۔ الآیۃ اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

اسی طرح جناب رسول اللہ صلعم نے جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر کیا تو ان سے دریافت کیا تمہارے فیصلوں کی کیا نوعیت ہوگی۔ انھوں نے بالترتیب جواب دیا کہ پہلے کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ اور پھر اپنی صواب دید پر فیصلے کروں گا۔

حنفی فقہ میں کتاب القاضی کے نام سے مستقل ایک موضوع ہے جس میں تفصیلی طور پر ان تمام چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور حاکم شرعی کے متعلق تمام حقوق و شرائط، تقرری و برخاستگی کے تمام قاعدے ذکر کردیے گئے ہیں، مگر ہم نے حاکم شرعی کے صرف ایک وصف، اجتہاد و تقلید کے متعلق مختصراً سطور سابقہ میں عرض کیا ہے۔ اس کی وجہ اختیار آج کل کے حالات اور لوگوں کا تجدید و تدوین فقہ کی طرف میلان اور رغبت ہے اس لئے میری رائے میں یہ بحث امام صاحب کی سیرت و سوانح میں ایک اضافہ نہیں بلکہ ایک ضرورت ہے جس کو پیش کیا جا چکا ہے۔

شرائط اجتہاد

حاکم شرعی یا امام وقت کے لئے اجتہاد کی بھی شرط ہے اس لئے بلا اجتہاد کے صحیح فیصلے ممکن نہیں۔

اجتہاد چونکہ ایک بہت بڑی ذمہ داری اور پورے دین کی عمارت کے بقاء و تحفظ اور انسانوں کی زندگیوں کے اضطراب و سکون کا تعلق اس سے وابستہ ہے۔ اس لئے علمائے اُمت نے کتاب و سنت اور ائمہ مجتہدین کی صفات

---

[1] فتح القدیر ص ۲۴۸ ج ۳

اور خصوصیات پر نظر کرنے کے بعد ان شرائط کو مقرر فرمایا ہے

مجتہد کے لئے شرط ہے کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو اور فقیہ النفس یعنی شدید الفہم ہو۔ لغت عربیہ کا ماہر اور علوم قرآنیہ پر حاوی ہو۔ احادیث کے متن و سند ناسخ و منسوخ اور طریق قیاس کا عالم ہو[1]

اصطلاحی اعتبار سے عالم بالکتاب سے مراد وہ نہیں جن پر حضرت مولانا ابو الکلام آزاد اور جناب مصطفےٰ احمد زرقا مصری نے تنقید فرمائی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کتاب اللہ سے متعلق تمام طرق اجتہاد سے واقف ہو۔ یعنی عام، خاص، مجمل، مفسر، مؤول، محکم متشابہ، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص، امر، نہی، حروف معانی اور اُن کے علاوہ علمائے متقدمین کے مسلک پر کافی عبور رکھتا ہو تاکہ ان کے وجوہات فاسدہ یا وجوہات ترجیح اس سے پوشیدہ نہ ہوں۔

عالم بالحدیث سے مراد حدیث سے متعلق جتنے علوم ہیں خواہ از قسم سند ہوں یا از قسم متن سب سے پوری طرح واقفیت ہو بلکہ ان چیزوں میں مہارت حاصل ہو اور آیت و حدیث اور اثر صحابی کے معنی نحویہ اور شرعیہ سے پوری طرح باخبر ہو، حاصل یہ ہے کہ

مجتہد ایسا صاحب حدیث ہو کہ اس کو فقہ بھی آتا ہو تاکہ آثار کے معنی دریافت کر سکے اور ایسا صاحب فقہ ہو کہ اس کو حدیث کا بھی علم ہو تاکہ منصوص علیہ کی موجودگی میں قیاس کے پیچھے نہ ہوے اور کہا گیا ہے کہ صاحب نظر اور بصیرت بھی ہو تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کی عادات سے باخبر رہے۔ کیونکہ بہت سے احکامات عادات انسانیہ ہی پر مبنی ہیں[2]

ان تمام شرائط کے ساتھ سب سے زیادہ اہم شرط تقویٰ ہے کیونکہ یہ دین کا معاملہ ہے۔ ہوائے نفس کا اجتہاد میں دخل نہ ہونا چاہیے ورنہ پھر اس دین حنیف

---

[1] رد المحتار ص۳۲۶ ج ۴ [2] ہدایہ آخرین کتاب القاضی

کا حشر بھی وہی ہو سکتا ہے جو ادیان سابقہ کا ہوا ہے اور اسی کی شکایت ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا نے کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے

اجتہاد کی شرط یہ ہے کہ مجتہد کے لئے ضروری ہے وہ قرآن و حدیث جس قدر احکام سے متعلق ہیں جانتا ہو۔ نیز اجماع کے مواقع، قیاس صحیح کی شرائط، مقدمات کی صحیح ترتیب، علوم عربیہ سے واقف ہو، علاوہ بریں ناسخ و منسوخ اور راویوں کے حالات سے بھی باخبر ہو[1]۔ یہ وہی شرائط ہیں جن کو ہم فقہ حنفی سے نقل کر چکے ہیں۔

حکومت کے فرائض

امام ابوحنیفہ عن الہیثم عن الحسن عن ابی ذر روایت فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا، اے ابوذر! حکومت ایک امانت ہے اور وہ قیامت کے دن ایک رسوائی ہو اور شرمندگی ہے، مگر اس شخص کے لئے جس نے امارت اور حکومت کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اُس پر تھی اس سے سبکدوشی حاصل کی۔

اور ایک روایت میں حضرت ابوذر رض سے یوں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امارت قیامت کے دن ایک ذلت ہے اور شرمساری ہے مگر جس نے اس کا حق ادا کیا اور جو ذمہ داری اس پر تھی اس کو ادا کیا۔ فرمایا، اے ابوذر! ایسا ہوتا ہی کہاں ہے[2]

امام ابوحنیفہ نے جو یہ روایت نقل فرمائی ہے اس سے ایک حاکم کے فریضہ پر کس قدر واضح الفاظ میں روشنی پڑرہی ہے، غالباً اسی وجہ سے امام صاحب نے حکومت کی کرسی کو قبول نہیں کیا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اپنے علم کو حکومت کی ذلت سے محفوظ رکھنا، لیکن افسوس کہ آج کل لوگوں نے حکومت کو کار طفلانہ بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فسادات کا تسلسل قائم ہے اور لوگوں کے

---

[1] عقد الجید صنا [2] مسند امام اعظم کتاب الاحکام

خون کی ارزانی ہے۔

حاکم عادل

امام ابو حنیفہ ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں میں بلند ترین امام عادل ہوگا۔

دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہیں دو ان میں سے دوزخی ہیں یعنی وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے لوگوں میں بغیر علم کتاب وسنت کے اور ایک کو دوسرے کا مال ناحق کھلاتا ہے اور وہ قاضی جو اپنے علم کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور ناحق فیصلے دیتا ہے تو یہ ہر دو قسم کے قاضی دوزخی ہیں تیسرا وہ قاضی جو فیصلے دیتا ہے کتاب اللہ کی رو سے تو وہ جنتی ہے [۱]

اقلیتوں کے ساتھ

اقلیتوں اور ذمیوں کو جو رعایات اسلامی حکومت میں حاصل ہیں وہ ان کو اپنی حکومت بھی حاصل نہیں ہوتیں شراب اور سور جو مسلمانوں کے نزدیک مکروہ اور مبغوض ترین اشیاء میں سے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے ذمی بھائی کی ان چیزوں کو تلف کردے تو حاکم اس پر جرمانہ قائم کردے گا اور مالک کو اس کا ڈنڈ دلوائے گا۔

من اتلف خمراً او خنزیراً لذمی یجب الضمان علی متلفہا سواء کانت متلفاً مسلماً او ذمیاً غیر ان المتلف ان کان ذمیاً یجب علیہ مثل الخمر وان کان المتلف مسلماً یجب علیہ قیمۃ الخمر

اگر کسی نے شراب یا سور کو تلف کر دیا تو اگر یہ چیزیں کسی ذمی کی تھیں تو تلف کرنیوالے پر ان کا تاوان واجب ہوگا۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو یا ذمی ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ ذمی ہو تو شراب کے تاوان میں شراب ہی واجب ہوگی اور مسلمان پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔ [۲]

یہ ہے اقلیت نوازی حکومت بھی اسلامی، اکثریت بھی مسلمان اور تلف

---

[۱] مسند امام اعظم کتاب الاحکام [۲] عالمگیری باب الغصب

بھی ان چیزوں کو کیا گیا ہے جن میں مزاج انسانی کے خلاف اثرات موجود ہیں، لیکن چونکہ وہ غیر مسلم اقلیت (ذمی) کی ملک ہیں، اس لئے ان کو ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آج کے جمہوری دور حکومت میں قومی آہنگی یا جذباتی ہم آہنگی کے پیش نظر اقلیتوں کو قربان ہو جانے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ہیں ہمارے لیڈر اور قائدین کرام جو جمہوریت کے معنی صرف اس قدر جانتے ہیں کہ اگر ملک میں کسی خاص فرقہ کو کوئی تکلیف یا شکایت ہے تو اس کو تنہا آواز بلند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ دوسرے تمام فرقوں کو ساتھ ملا کر مطالبہ کرنا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو فرقہ پرستی ہے۔ حالانکہ کسی ملک کی اقلیت نہ کبھی فرقہ پرست ہوئی ہے اور نہ ہے۔ حقوق اور رفع شکایات کا مطالبہ فرقہ پرستی نہیں ہے بہرحال ہدایہ جس کا مرتبہ عالمگیری سے بڑا ہے اس میں مذکورہ قانون کو اور زیادہ واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

واذا اتلف المسلم خمر الذمی او خنزیرہ ضمن فان اتلفہا المسلم لم یضمن الخمر لہم کالخل لنا والخنزیر لہم کالشاۃ لنا ونحن امرنا ان نترکہم وما یدینون والسیف مرفوع[1]

اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب یا سور کا نقصان کر دیا تو اسے تاوان دینا ہوگا اور اگر یہ چیزیں کسی مسلمان کی تھیں تو نہیں۔ اس لئے کہ شراب تو ان کے لئے ایسی ہے جیسی ہمارے لئے سرکہ اور خنزیر ایسا ہے جیسے ہمارے لئے بکری۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم انھیں ان کے دین پر چھوڑ دیں اور تلوار ان کے اوپر سے اٹھا لی گئی ہے۔

یہ ہے غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اسلامی دستور کا سلوک، کہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں آنے کے بعد ان کے دین کی بھی حفاظت کا اعلان اور ان کے جان و مال کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، ہندوستان میں مسلم اقلیت کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے؟ چین اور روس میں مساجد کی بے حرمتی۔ امریکہ میں کالوں پر گولیوں کی

---

[1] ہدایہ آخرین کتاب الغصب

بارش، آج کل کی تہذیب اور طرز حکومت کی عریاں تصویریں ہیں اس کے باوجود اسلامی نظام حکومت کو ناقابل عمل قرار دینا ایک مضحکہ خیز تصور ہے۔

قتل ذمی اسلامی حکومت میں ذمی یا غیر مسلم اقلیت کے اموال کی حفاظت کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اُن کی جان کی حفاظت کے متعلق جناب رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد (جس کی پابندی حضرات حنفیہ بہت زیادہ کرتے ہیں) موجود ہے۔

دمائهم کدمائنا واموالهم کاموالنا۔ ان کی جانیں اور مال ہماری جانوں اور مال کی طرح محترم ہیں۔

اس کے علاوہ دستور حنفی اپنے یہاں آیۃ مبارکہ

النفس بالنفس جان کے بدلے جان

کو اصول کلیہ کے طور پر مانتا ہے۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ذمی جب دار الاسلام کا شہری بن گیا تو اس کی جان و مال بالکل محفوظ ہو گئے۔ حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ بات نہیں ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں۔

لا یقتل مسلم بحربی [۱] مسلمان قاتل کو غیر مسلم (حربی) کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا۔

امام فخر الدین رازی نے مذکورہ حدیث پر بحث کرتے ہوئے حنفی فقہ پر اعتدال سے زیادہ نکتہ چینی کی ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے آیۃ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں جو فیصلہ کیا ہے وہ زیادہ وقیع ہے۔ امام صاحب کی ایک حدیث ہے۔

قتل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلماً بمعاهدٍ فقال انا احق من اوفی بذمتہ [۲] حضور صلعم نے ایک غیر مسلم ذمی کے عیوض ایک مسلمان کو قتل کروایا اور فرمایا اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے والوں میں اپنے

---

[۱] ہدایۃ المجتہد صفحہ ۵۰۵ ج ۲۔ [۲] مسند امام اعظم حدیث صفحہ ۱۶۰

ذمہ کو پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ہر دو حضرات نے صحابہؓ کے مشورے سے مسلمان قاتل کو ذمی مقتول کے عوض قصاصاً قتل کیا ہے[1] ان ہی دلائل کی روشنی میں علامہ شبلی نے امام رازی کی نکتہ چینی پر خوب تبصرہ کیا ہے

لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں، بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ وگدا مقبول، مردود کا ایک مرتبہ ہے ۔ بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا ۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے خود صحابہؓ کا کیا قول اور کیا عمل تھا۔ حضرت علیؓ کا قول ہے "ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور ذمی کی دیت ہماری دیت ہے"[2]

ذمیوں کے لئے سہولتیں

امام صاحب نے ذمیوں کے لئے جو دستور مرتب فرمایا ہے اس میں انھوں نے فیاضی سے زیادہ کام لیا ہے۔ ذمی ہر قسم کی تجارت میں بالکل آزاد ہیں، جس طرح مسلمان سے مال تجارت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے ۔اسی طرح ذمیوں سے بھی ٹیکس وصول کیا جائیگا بلکہ اگر حربی بھی دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آئے گا تو اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جس طرح وہ ہمارے تاجروں کے ساتھ کرتے ہیں ۔اگر وہ مسلمان تاجروں کے ساتھ ظلم کا برتاؤ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے ظلم کا برتاؤ نہیں کیا جائیگا

جب ذمی اپنے دینی مسائل اور عقائد میں باہم نزاع یا اختلاف کریں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا، وہ جانیں اور ان کا کام، ان کو اپنے حقوق کا مقدمہ اپنے حاکموں کے پاس لے جانے سے نہ روکا جائے گا۔ ہاں اگر وہ ہماری

---

[1] عقود الجواہر ص ۱۷۶ ج ۲ [2] سیرت النعمان ص ۱۳۶ ج ۲

عدالتوں کی طرف مرافعہ کریں گے تو اس کا فیصلہ دستور اسلامی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

ان میں سے جو شخص نقض عہد کرے یا دستور کو ہاتھ میں لے گا تو اُس کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں اگر ذمی خفیہ طور پر بغاوت کا عزم رکھتے ہوں یا فرقہ وارانہ فساد مچاتے ہوں۔ یا اپنی کوئی سیاسی جماعت تشکیل کر رہے ہوں تو وہ پھر عہد ذمہ سے خارج ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ اگر وہ کسی مسلمان عورت سے زنا کر بیٹھیں یا مسلمان کو کفر کی تبلیغ کریں یا جاسوسی کریں تو ان کو سخت ترین سزا تو دی جا سکتی ہے مگر حقوق شہریت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

ذمی چار مہینہ تک بلا جزیہ اور سال بھر تک جزیہ دے کر رہ سکتے ہیں ان دونوں کے درمیان کے متعلق اختلاف ہے۔

ذمیوں سے غیروں کا دفاع ضروری ہے۔ ان کو دارالاسلام میں اپنی نئی عبادت گاہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہاں وہ اپنی پرانی عبادت گاہوں کی مرمت اور ان کی آبادکاری کر سکتے ہیں غرضیکہ اسلامی حکومت میں ذمی ایک باعزت شہری کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ اسلامی دور حکومت میں غیر مسلم کثیر تعداد میں اپنی حکومتوں سے منتقل ہو کر مسلمان حاکم کی رعایا بننے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کے لئے امام ابو یوسفؒ نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے تین اصول ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ جو عہد بھی ان سے کیا گیا ہو اُسے پورا کیا جائے۔

۲۔ ملک کے دفاع کی ذمہ داری اُن پر نہیں مسلمانوں پر ہے

۳۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان پر جزیہ اور خراج کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔

پھر وہ تحریر فرماتے ہیں، مسکین، بوڑھے، راہب، عبادت گاہوں کے کارکن، عورتیں، بچہ جزیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ذمیوں کے اموال، مواشی وغیرہ پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے میں مارپیٹ وغیرہ سے کام لینا

جائز نہیں ہے۔ معذور اور محتاج ذمیوں کی پرورش حکومت کے خزانہ سے ہونی چاہئے۔
(کتاب الخراج)

جزیہ اور خراج

بعض معترضین نے خراج اور جزیہ پر اعتراض کیا ہے اور اس کو اسلام کا ظالمانہ دستور بتلایا ہے۔ لیکن آجکل کے جمہوری دور حکومت میں لوکل سیلف گورنمنٹ اور دوسرے ذرائع سے جو موت ٹیکس، شادی ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، ٹول ٹیکس اور دوسرے ہزاروں ظالمانہ ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔ وہ کہاں تک حق و انصاف کی حدود میں داخل ہو سکتے ہیں یہاں یہ صحیح ہے کہ اگر ملک اور قوم کو ضرورت پیش آئے تو ملک کے ہر باشندہ کو اس میں حصہ لینا چاہئے اس کو ٹیکس کہہ لیجئے یا جزیہ اور خراج سے موسوم کر لیجئے فرق کچھ نہیں ہے پھر اسمی فرق سے اس قدر چیں بر جبیں ہونے کی وجہ صرف اپنی ہی کوتاہی فہم ہو سکتی ہے اور بس

جزیہ اور خراج تین امور میں متحد اور تین میں ممتاز ہیں۔ جن میں اتحاد ہے وہ یہ ہیں (۱) دونوں مشرکین سے لئے جاتے ہیں (۲) دونوں مال فئے ہیں اور فئی کے مصارف میں خرچ ہوتے ہیں (۳) دونوں سال گزرنے پر وصول کئے جاتے ہیں، اس سے قبل نہیں۔ جن امور میں دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں وہ یہ ہیں (۱) جزیہ منصوص قرآنی ہے اور خراج مجتہد فیہ (۲) جزیہ کی مقدار شرعاً مقرر ہے (۳) جزیہ کفر کی حالت میں لیا جاتا ہے اور اسلام لانے پر ساقط ہو جاتا ہے، لیکن خراج اسلام لانے پر بھی ساقط نہیں ہوتا۔

شرائط اہل جزیہ

جزیہ جزار سے مشتق ہے یعنی جزائے کفر ہے اس لئے مرد وقت قائم ہوتا ہے۔ جزیہ کے لئے دو شرط اور ہیں ایک ضروری اور دوسری غیر ضروری، ضروری میں چھ امور داخل ہیں۔

(۱) کتاب اللہ پر طعن یا اس کی تحریف کے مرتکب نہ ہوں (۲) رسول اللہ صلعم کی توہین و تکذیب نہ کریں۔ (۳) اسلام کی مذمت اور اُس پر اعتراض نہ کریں (۴) مسلمہ عورت سے زنا نہ کریں (۵) کسی مسلمان کو نہ ورغلائیں (۶) اہل حرب کی اعانت نہ کریں۔ ان چھ شرطوں میں

سے صرف چار شرطیں امام صاحب کے نزدیک ایسی ہیں جن سے عہد ذمہ ساقط ہو جائیگا لیکن دو شرطیں جن کو ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں مختلف فیہ ہیں۔

غیر ضروری شرطیں بھی چھ ہیں (۱) لباس میں فرق ہو گا، یعنی زنار وغیرہ کے ذریعہ (۲) اپنی عمارتیں مسلمانوں سے بلند نہ کریں (۳) اپنی کتابوں کی آواز مسلمانوں کو نہ سنائیں (۴) اعلانیہ شراب نوشی نہ کریں (۵) اپنے مردوں کو خاموشی سے دفن کر دیں، اس پر نوحہ نہ کریں (۶) گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ یہ چھ امور داخل معاہدہ نہیں مگر شرط کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں۔

جزیہ سال گزرنے پر وصول کیا جائے گا، سال کے اندر جو شخص مر جائے اسکی اولاد سے وصول نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں۔

الساقط لا یعود ۔ جو چیز ساقط ہو گئی وہ عود نہیں کرے گی

مقدار و مصارف امام ابو حنیفہ کے نزدیک مالداروں سے ۴۸ درہم متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں سے ۱۲ درہم وصول کئے جائیں گے۔ خراج اور جزیہ کا وہی مصرف ہے جو مال فے کا مصرف ہے یعنی مفاد عامہ پر صرف کیا جائے گا۔ مثلاً تعمیر سرائے، پل، سڑک، مسافر خانے، ہسپتال وغیرہ اس سے معلوم ہوا کہ جزیہ حفاظتی ٹیکس کے علاوہ افادی ٹیکس کہلانے کا زیادہ حقدار ہے۔

خراج خراج ان حقوق میں سے ہے جو زمینوں پر مقرر کر کے وصول کیا جاتا ہے اور لغت عرب میں کرایہ اور پیداوار کو کہتے ہیں[1]۔ اسی طرح عشر بھی زمین کی پیداوار کا ایک حق ہے۔

خراجی اور عشری زمینوں میں بحیثیت ملک اور حکم کے فرق ہے۔ تمام زمینوں کی چار قسمیں ہیں

۱۔ جس کو مسلمان ابتداءً زیر کاشت لائیں۔ یہ عشری زمین ہے اس سے

---

[1] احکام سلطانیہ ص ۳۳۴ ج ۱

خراج لینا جائز نہیں ہے۔

۲۔ جس کے باشندے مسلمان ہو جائیں۔ امام شافعی صاحب کے نزدیک یہ عشری ہوگی، اس پر خراج لینا جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اس زمین پر عشر یا خراج کا مقرر کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔

۳۔ وہ زمین جو مشرکین سے جبراً حاصل کر لی گئی امام شافعی کے نزدیک اس زمین کو غانمیں پر تقسیم کر کے عشر وصول کیا جائے۔ امام مالک کے نزدیک اس زمین کو مسلمانو پر وقف کر کے خراج وصول کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کو دونوں چیزوں کا اختیار حاصل ہے۔

۴۔ وہ زمین کہ جس کے مالک مشرکین سے مصالحت ہو گئی ہو اس پر خراج ہی لگایا جائے گا۔

خراج کی مقدار زمین کی حیثیت پر ہے۔ حضرت عمر رض نے زمینوں کی پیمائش کرواکے ان کی حیثیت کے مطابق خراج لگایا تھا اور ایسے تمام امور کا لحاظ رکھا گیا تھا جس سے زمین کے مالک اور کاشتکار کسی کا بھی نقصان نہ ہو۔

خراج کی آمدنی کا مصرف بھی مفاد عامہ ہے مثلاً سڑکیں، سرائے، پل، ہسپتال، مدارس وغیرہ بنوانا۔ آج کل زمینوں کے اوپر جو ٹیکس عائد کیا گیا ہے اس کو لگان یا مالگذاری کہا جاتا ہے جس کو دنیا کا کوئی ملک بھی ظالمانہ ٹیکس نہیں قرار دیتا لیکن نہیں معلوم کہ اسلام کے بارے میں کیوں اس تعصب کو جائز رکھا گیا ہے۔

زمین کا بندوبست

امام صاحب رح کے مسلک کے مطابق امام ابو یوسف صاحب رح زمینداری کی اس قسم کو حرام قرار دیتے ہیں کہ جس میں حکومت کاشتکاروں سے مالگذاری وصول کرنے کے لئے ایک شخص کو زمیندار بنا کر بٹھا دیتی ہے اور عملاً اسے یہ اختیار دیدیتی ہے کہ حکومت کا لگان ادا کرنے کے بعد باقی جو کچھ چاہے اور جس طرح چاہے کاشتکاروں سے وصول کیا جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین کے عطئے صرف اسی صورت میں جائز ہیں کہ جبکہ غیر آباد اور غیر مملوکہ زمین کو آبادکاری کی نیت سے معقول حد کے اندر دیا جائے اس طرح کا عطیہ جس شخص کو دیا جائے اگر تین سال تک وہ شخص اس کو آباد نہ کرے تو اس سے واپس لے لینا چاہیے۔ (کتاب الخراج صلا۱۱

لہ مجمع الانہر صفحہ ۶۶۵ ج ا

مسلمان غیر مسلم مملکت میں

غیر مسلم مملکت سے مراد وہی حکومتیں ہیں جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہو اور مسلمانوں کی اقلیت اور مسلمان عملاً محکوم ہوں، دستوری اعتبار سے اس کا فیصلہ کرنا آجکل ذرا دشوار ہے کہ کون حاکم ہے اور کون محکوم، کیونکہ حاکم اور محکوم کا احساس واظہار برتاؤ سے ہوتا ہے۔ محض کتابت دستور سے نہیں۔ اگر کسی ملک میں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود پُرامن رہتے ہوں اور امن کی جا دتگاہیں محفوظ اور ان کے حقوق مصئون ہوں اور ان کو پورے شہری حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنے شعار اور فرائض کو بلا روک ٹوک ادا کرتے ہوں تو ایسی کافر حکومت ان کے لئے ایسی نام نہاد اسلامی حکومت سے بدرجہا بہتر ہے کہ جہاں ان کا دین محفوظ نہ ہو۔ گذشتہ زمانہ میں کمال اتا ترک کی حکومت کو کیا کہا جائے گا اور زمانہ قدیم کی شاہ نجاشی کی حکومت کے متعلق کیا رائے ہوگی؟ بہر حال دستور کے ساتھ نفاذ دستور کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ نہیں جیسا کہ آج کل جمہوری حکومتوں میں دستور تو مرتب کر لیا جاتا ہے، لیکن اس کا نافذ ہونا اکثریت کے رحم وکرم پر موقوف ہوتا ہے۔

جہاں تک اسوۂ نبی صلعم اور حضرات صحابہ رضؓ کی مقدس زندگیوں کا تعلق ہے وہ ہمارے لئے ہر حالت میں مشعل راہ ہیں اور حنفی فقہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ اکثریت، اقلیت، جہاد، امن، صلح، جنگ، معاہدے غرضکہ ان مقدس زندگیوں کی روشنی میں حنفی فقہ میں انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام ہی مسائل کا حل موجود ہے

ہم نے مختلف دساتیر کو پڑھا، لیکن جو رعایت اور آسانیاں اہل کفر کے غلبہ

کی صورت میں مسلمانوں کے لئے حنفی فقہ نے بہم پہونچائی ہیں ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد ان کے مدونین کی روحوں کے لیے بے اختیار منہ سے دعائیں نکلتی ہیں

قیام جمعہ وعیدین جمعہ وعیدین کی حیثیت جمہور اگرچہ واجبات کی ہے لیکن اجتماعیت کی وجہ سے ان کو شعاریت حاصل ہے اس لئے ان کے قیام کے لئے امام کی ضرورت ہے۔ ائمہ حنفیہ نے قیام جمعہ وعیدین کے لئے امام وقت یا اس کے مقرر کردہ حاکم کو شرط قرار دیا ہے۔ فقہ حنفی کے نزدیک اسی قسم کی دوسری نزاکتوں کے پیش نظر نصب امام واجب ترین امر ہے

ونصبہ اھم الواجبات فلذا قدموہ علی دفن صاحب المعجزات صلعم[1]

تقرر امام واجبات میں سب سے زیادہ اہم ہے اسی وجہ سے حضرات صحابہ رضہ نے حضور صلعم کے دفن پر اس کو مقدم کیا۔

علامہ نسفی نے اپنی مشہور عالم کتاب شرح عقائد نسفی میں امام کی ضرورت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ احکامات شرعیہ کے نفاذ اور حدود اللہ کے قیام، امور جہاد کی انجام دہی اور اسلامی مملکت کو مفسدوں اور لٹیروں سے مامون رکھنے کے لئے ونیز جمعہ وعیدین کو قائم کرنے کے لئے اور شہادتوں کے قبول ورد کرنے کے لئے کسی امام کو ضرور مقرر کرلیں[2]

اس مختصر عبارت سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ معاملات اور عبادات میں بغیر تقرر امام کے چارہ کار نہیں ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں بہ کثرت احادیث موجود ہیں جن میں مسئلہ امامت کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اسی ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر دار الکفر میں تقرر امام ایک نازک ترین مسئلہ بن گیا ہے لیکن فقہ حنفی نے اس نزاکت کو نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ تراضی المسلمین سے اس مسئلہ کو سہل ترین کر دیا ہے۔

اما فی بلاد علیہا ولاۃ الکفار — لیکن ان شہروں میں جن میں غیر مسلم

---

[1] درمختار صفحہ ۳۴۳ ج ۱ [2] شرح عقائد نسفی

فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین[1]

حاکم ہیں، مسلمانوں کو جمعہ وعیدین قائم کرنا جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کا آپس میں کسی کو قاضی مقرر کر لینا ہی کافی ہوگا) اور وہ قاضی شرعی حاکم کے حکم میں شمار ہوگا۔

یعنی اگر مسلمانوں نے اپنے معاملات طے کرنے کے لئے کسی کو حاکم شرعی یا قاضی بنالیا تو اُن کے اوپر سے وہ ذمہ داری ساقط ہو جائے گی جو شریعت نے ان کے اوپر ڈال دی ہے اور یہ قاضی بھی نام کا قاضی نہ ہوگا بلکہ اس کے فیصلے معتبر اور نافذ ہوں گے۔ آج کل ہندوستان میں بیشتر مقامات پر شرعی پنچایتوں کا قیام اسی حاکم شرعی کا بدل قرار دیا گیا ہے

غلبۂ کفار کی دشواریوں اور نزاکتوں کو محسوس کرتے ہوئے سلطان عبدالمجید خاں نے ۹۴۵ھ میں ایک حکم صادر فرمایا تھا جس کو حنفی فقہ نے نظر انداز نہیں کیا ہے اسی وجہ سے غیر مسلم ممالک میں قیام جمعہ وعیدین کے لئے مسئلہ میں کوئی قابل اعتراض بات باقی نہیں رہی ہے۔

وفی مجمع الانہر انہ جائز مطلقاً فی زماننا لانہ وقع فی تاریخ خمس واربعین وتسعمائۃ اذن عام وعلیہ الفتویٰ[2]

کتاب مجمع الانہر میں مذکور ہے کہ اقامت جمعہ وعیدین مطلقاً جائز ہے کیونکہ ۹۴۵ھ میں اذن عام ہو چکا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

یعنی دار الکفر میں غلبہ کفار، اقامت جمعہ وعیدین کے لئے موانع میں داخل نہیں سمجھنا چاہیے۔ علامہ شامی نے اس پر تنقید بھی کی ہے، لیکن صاحب مجمع الانہر نے ص۵۶۵ ج ۱۔ پر اس کے متعلق جو بحث کی ہے وہ بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی الحاصل حنفی دستور نے بدلتے ہوئے حالات میں جو رہنمائی کی ہے وہ ایک ناقابل فراموش احسان ہے

---

[1] رد المحتار ص۲۶۱ ج ۳ [2] در مختار ص۵۹۲ ج ۱

حدود و قصاص

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے حدود اللہ (قطع ید، قصاص، ضرب، اسواط) کا قیام ضروری ہے۔ آجکل کے نام نہاد مہذب ترین ملکوں کی قتل، زنا، سرقہ اور ناجائز بچوں کی شرح پیدائش کی جو رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ متعلقہ حکومتیں اپنے نام نہاد دستور کو بھی نافذ کرنے میں قاصر ہیں جس کی وجہ سے ان جرائم اور قتل انسانی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی ہے لیکن اسلام نے قتل کا بدلہ قتل قرار دے کر انسانی زندگیوں کو فنا کے گھاٹ اور بن آئی موت سے محفوظ رکھا ہے۔

ولکم فی القصاص حیاۃ الایۃ — تمہارے لئے قصاص لینے میں حیات ہے

لیکن حدود و قصاص کا قائم کرنا حکومت کا کام ہے افراد اور رعایا کا نہیں اسی وجہ سے فقہ حنفی نے غلبۂ کفر کی صورت میں مسلم رعایا کے اوپر سے اس فریضہ کو اٹھا دیا ہے۔

لاتقام الحدود فی دار الحرب[1] — دار الحرب میں حدود قائم نہیں کی جائیں گی

امام صاحب نے حدود قصاص کے متعلق یہ حکم محض اپنے قیاس سے نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کے پاس اس باب میں متعدد احادیث ہیں جن کے لئے الرد علی سیر الاوزاعی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دستوری اعتبار سے ہم نے یہاں تک جو کچھ بیان کیا ہے اس میں ایک چیز نمایاں طور پر موجود ہے۔ وہ یہ کہ اقامت حدود اور دعوت دین کو اجتماعی طور پر انجام دینے کے لئے، دار الاسلام ہو یا دار الحرب، امارت اور قیادت از بس ضروری ہے بغیر اس کے دین کے صحیح خدوخال نمایاں نہیں ہو سکتے۔ اقامت حدود کے لئے تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر بغیر اقامت حدود کے امن قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی بھی حد کے ٹوٹنے کی صورت میں فساد لازمی ہے اور ازالۂ فساد قیام حد سے ہی ہو سکتا ہے

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی

کیونکہ فتنہ پرور عناصر کے ہاتھوں کو جب تک کوئی روک نہ لگائی جائے اُس وقت تک وہ فتنہ انگیزی سے باز نہیں آسکتے اور یہ چیز قیادت و امارت کی قوت ہی سے انجام پا سکتی ہے۔

قیام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نام ہی دعوت ہے اس کے لئے بھی امارت کی ضرورت ہے اس کی وجہ سے صلاح پذیر طبائع منکرات سے مجتنب رہیں گی اور اشاعت دین کے لئے بھی راہیں استوار رہیں گی۔ موجودہ زمانہ میں مغرب نے ایک خاص قسم کے نہج حکمرانی (جمہوریت) کی ترویج کر کے اسلام کے لئے بڑی مشکلات پیدا کردی ہیں۔ جن جماعتوں نے عملی طور پر اس نظم کو قبول کر لیا ہے وہ اشاعت کے لئے بڑی آڑ بن گئی ہیں۔ ایسے زمانہ میں سب سے آسان صورت یہ ہے کہ ملک میں جماعت مسلمین کا ایک وفاق قائم ہو جائے تو ان دونوں راہوں میں آسانی کے ساتھ سفر کیا جا سکتا ہے، اور اُمت مرحومہ کو پھر ایک دفعہ متنبہ کیا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ ۱۹۶۳ء میں اس کی ایک شکل بن کر آئی تھی جس کو سہارا دیکر اور اس کی اصلاح کر کے اچھی صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں لیکن بعض مسلم جماعتوں نے اس وفاق کو پارا پارا کر دیا اور حق یہ ہے کہ اس قسم کا فعل ان ہی لوگوں سے صادر ہو سکتا ہے جو قیادت کی اہلیت نہیں رکھتے اور قیادت کو سنبھالنے کے متمنی رہتے ہیں۔ بلاشک ہر زمانہ میں اس قسم کے عناصر اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہوئے ہیں۔

معاشیات

قرآن پاک کو اگر بغور پڑھا جائے تو یہ چیز بہت نمایاں طور پر سامنے آئیگی کہ عبادات، ذکر و فکر، خوف آخرت کے بیان کے بعد اور اسی طرح طلاق و نکاح، خلع جہاد، حج کے بیان کے ساتھ ساتھ اکل حلال کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ روزہ کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہے۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الخ — اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق

آخرت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطان۔ الخ — اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال اور پاکیزہ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو!

ان کے علاوہ اور متعدد آیات ہیں۔ ان میں اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ بخوبی معلوم ہو جائیگا کسی بھی غیر جائز طریقہ سے جو مال حاصل کیا جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ عبادات و معاملات میں اضمحلال اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے بلکہ عقیدۂ آخرت میں بھی کمزوری آتی ہے جس سے انسان کی انسانیت بھی تباہ ہو جاتی ہے اور زمین پر ظلم و استبداد کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور دھیرے دھیرے قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ وہ جہاں عقیدۂ آخرت اور قیام عبادات کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ معاملات کی بھی اصلاح بھی فرماتے ہیں چنانچہ رسولوں کی تعلیمات پر اگر غور کیا جائے، تو وہ انسانوں کو ان چھوٹے اعمال کے ارتکاب سے بھی بچاتے ہیں جن کا انجام بہت بورے ہی ہوتا ہے

چونکہ مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے نزدیک نظریۂ آخرت کوئی چیز نہیں ہے اور نہ وہ وجود باری اور اس کے نظام ارسال رسل ہی کو مانتے ہیں۔ اس لئے ان کے واسطے معیشت کی تمام راہیں آزاد ہیں جس میں وہ اپنی من مانی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے

سامنے دوسروں کے فائدے کو اقدمیت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

مسلمان، چونکہ کسی فرد کو بھی عطیات الٰہی اور معاش سے محروم کرنے کو جرم سمجھتے ہیں، ان کی شریعت میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ ایک کو مرزوق کثیر کر دیا جائے اور دوسرے کو محروم، و عاجز۔ اس لئے اسلام نے ربوٰی کا کاروبار اور اس طریق تجارت کی ممانعت کی ہے کہ جس میں پورا سرمایہ صرف ایک ہی کی ملکیت بن جائے اور دوسرے محنت و مشقت کے باوجود محروم رہیں اور اس طرح نظام سرمایہ داری کو عروج اور تقویت حاصل ہوتی ہے۔

سودی معاملات

سودی کاروبار اور بیوعات فاسدہ کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف ہو جائے گی کہ اس میں سرمایہ داری کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور غریب محروم ہوتا ہے جو سراسر بے انصافی پر مبنی ہے آج کل کے نظام حکومت کے شیدائی غور فرمائیں کہ ایک کا، سوا، ڈیڑھ اور دو وصول کرنے کے ڈانڈے کہاں جا کر ملتے ہیں۔ یقیناً آج کل کے طریق تجارت سے منافع صرف ایک ہی کی ملکیت میں سمٹ کر جا رہا ہے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو نے کہا ہے کہ "منصوبہ بندی سے سرمایہ داروں کو زیادہ فائدہ پہونچا ہے، اور غریبوں، کاشتکاروں کو بہت کم" [۱]

بات یہی ہے کہ موجودہ طریق تجارت کی ابتدا ربنیا سسٹم سے ہے اور اسکی انتہا شہنشاہیت پر ہے لیکن افسوس اس کا علاج آج کل کے مفکرین اور معاشیات کے ماہران غلط طریقوں کے خاتمہ کے لئے کوئی حل نہیں پیش کر سکے

بینک سسٹم، کوآپریٹیو نظام، انشورنس، لاٹریاں، بونڈس وغیرہ تمام ہی طریقوں میں سود اور ناحق نفع خوری پائی جاتی ہے۔ اسی طرح قمار بازی، سٹہ، جرمانہ اور ٹیکس سب کی سب سرمایہ دارانہ نعنتیں ہیں جن میں ہندوستان کے ہندو مسلمان سب ہی گرفتار ہیں۔ ایسی حالت میں حنفی دستور نے نزاکت کو محسوس کیا ہے اور مسلمانوں

۱۔ مدینہ دسمبر ۱۹۶۳ء

کو ایسے دور ابتلا میں پسماندگی کی بدترین لعنت سے محفوظ رکھا ہے

قال ابو حنیفۃ لو ان مسلماً دخل ارض الحرب بامان فباعهم الدرھم بالدرھمین لم یکن بذلک باس لان احکام المسلمین لاتجری فبای وجہ اخذ اموالھم برضاھم فھو جائز[1]

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان اہل کفر کے ملک میں امان (ویزا) لیکر جائے (یا اس ملک کے دستور کو تسلیم کرکے وہاں کا شہری بنجائے) اور وہاں کے کافروں کے ساتھ لین دین اس طرح کرے کہ کافر اس کو ایک درہم کے بدلے میں دو درہم (سود) دیں۔

تو اس میں اس مسلمان کے لئے مضائقہ نہیں ہے۔ یہ اس کے لئے حلال ہے اس لئے کہ مسلمانوں کے احکامات کافروں پر جاری نہیں کئے جاسکتے۔ لہٰذا اہل کفر اپنی مرضی سے جس طرح بھی اپنا مال مسلمانوں کے سپرد کریں مسلمانوں کے لئے یہ مال حلال ہے

لہٰذا بنک وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کو جو رقم سود کے نام سے ملتی ہو وہ ان کے لئے جائز ہے لیکن اس سہولت اور دستوری لچک کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان آپس میں بھی سودی کاروبار کرنے لگیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی حیثیت نہ صرف ایک عام شہری کی سی ہے بلکہ ان کے ذمہ اقامت دین اور دعوت دین کی بھی ذمہ داری ہے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ عملی طور پر اسلام کا کردار پیش کریں۔

اس جگہ امام صاحب کے مذکورہ قول کی لطافت کی طرف بھی اشارہ کرنا فائدہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ امام صاحب نے اپنے مذکورہ قول میں برضاھم (ان کی رضامندی) کی قید کا اضافہ کیا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ کافروں کی رضامندی سے ہونا چاہئے۔ لہٰذا جب کافر اپنی مرضی سے کسی عنوان سے اپنے مال کو کسی مسلمان کے حوالہ کردے تو اس کو کون روک سکتا ہے اس کا مال ہے جو چاہے کرے۔ رضامندی کی وجہ سے اس مال میں وہ قباحت

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی ص۹۶

بظاہر نہیں معلوم ہوتی ہے جو غلط معاملہ کے کسب میں ہوتی ہے اور غلبہ کفر کی وجہ سے ہم ان کو اپنے دستور کا مکلف بھی نہیں قرار دے سکتے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اہل کفر سے برضاء و رغبت جو مال حاصل کیا جاتا ہے اسکو مصالح مسلمین پر خرچ کر دیا جائے۔

لا ربو بین المسلم والحربی فی دار الحرب[1] اہل کفر کے ملک میں مسلمان اور کافر کے درمیان ربو نہیں ہے۔

اس سے بات صاف ہو گئی، لیکن باوجود اس کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ آزاد طبع ہو جائیں۔ ہاں بدرجہ مجبوری اگر ان کو کافروں کی مرضی سے کچھ مل رہا ہو تو اس کو حاصل کر لیں از خود اس کے طالب نہ ہوں اور حتی الامکان اجتناب ہی کریں۔ کیونکہ اس عارضی نفع خوری سے اجتناب بہتر ہے۔ حضرت شیخ الاسلام سیدی مرشدی و مولائی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا ہے

دارالحرب میں غدر اور خیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لئے مباح ہے اس لئے کہ مسلمانوں اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ طرفین کا اصول ہے[2]

لان الربوا لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب اس لئے کہ ربوا مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں جاری نہیں ہوتا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملہ جائز نہیں ہے جو لوگ از راہ تقویٰ دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں۔ وہ امام ابو یوسف کے اسی مسلک پر عمل پیرا ہیں لیکن یہ تمام تفصیلات اس صورت میں ہیں جب کہ سود لینے والا مسلمان اور سود دینے والا حربی ہو مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور پر ناجائز ہے[3]

اس معاملہ میں امام ابو یوسف رح کا مسلک زیادہ قوی اور نصوص کے

---

[1] ردالمحتار [2] مکتوبات شیخ الاسلام [3] ایضاً

مطابق ہے، کیونکہ حدیث لاربو میں بہت سخت اختلاف ہے اور کوئی بھی اس کی صحت کا قائل نہیں ہے لیکن مکحول نے اس کو مرسل روایت کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ اور ثقہ کے مراسیل معتبر ہوتے ہیں۔ تاہم امام صاحب نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے اس میں زمانہ کی نزاکت اور حالت اضطرار کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے کیونکہ جب ماحول اور معاشرہ بگڑ جائے اور سانس لینا بھی دشوار ہو جائے تو ایسے ماحول اور معاشرے میں عہدہ برآ ہونے کے لئے ایسے اموال کو بکراہت لے کر مفاد مسلمین اور غرباء پر تقسیم کر دینا چاہیے نہ یہ کہ مسلمان خود ہی اس کے عادی ہو جائیں اور بلا ضرورت بھی ایسے کاروبار میں ملوث ہو جائیں۔ ان کو معلوم رہنا چاہیے کہ وہ کسی بھی ملک میں عام شہری کی طرح نہیں ہیں۔ بلکہ داعی الی اللہ بھی ہیں اور قیام شعار اسلام ان کے ذمہ ہے اور یہ بات دیگر ہے کہ فقہائے متاخرین نے سودی رقم کو انتظاماً اور مصلحۃً مسلمانوں کے مفاد عامہ اور غرباء و مساکین کی پرورش پر صرف کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لئے بینک سسٹم سے حاصل کردہ رقم کو مسلمانوں کے مفاد عامہ پر صرف کرنا جائز ہے۔ ہاں دھوکہ بازی اور خیانت سے گریز کرنا چاہیے۔

اذا دخل دار الحرب بامان مسلم تاجر یحرم علیہ ان یتعرض لشیٔ من اموالھم[1]	جب مسلمان اہل کفر کے ملک میں پاسپورٹ اور ویزا کے ذریعہ داخل ہو جائیں تو کافروں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے۔

صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں :۔

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالاً مباحاً اذا لم یکن فیہ غدر	اس لئے کہ کافروں کا مال دار الحرب میں غدر و خیانت کے علاوہ جس طرح بھی حاصل کیا جائے وہ مال مباح ہے

صاحب درمختار اس عبارت کے بعد تحریر فرماتے ہیں :

اذا المسلمون عند شروطھم[2]	اس لئے کہ مسلمان شروط پر قائم رہتے ہیں اور اسی کے مطابق وہ ماخوذ ہیں۔

بالفرض اگر کسی نے دھوکہ اور خیانت سے مال حاصل کر لیا تو اس کو صدقہ کرنا پڑیگا۔
غرضکہ اسلامی دستور یا فقہ حنفی نے مختلف حالات میں مسلمانوں کیلئے جو سہولتیں بہم پہونچائی ہیں وہ ناقابل فراموش احسان ہے۔ اگر دوسرے فقہوں کی طرح اس میں بھی سختیاں ہوتیں تو آجکل کے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے لئے زندگی گذارنا نہایت دشوار ہوتا
اس جگہ اگر غور وفکر کو کام میں لایا جائے تو حنفیت کی مقبولیت اور اس کے اسباب و عروج بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ میں ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ حنفیت کو عروج اس کو اپنے ابتدائی اقتدار کی وجہ سے ہوا ہے جو یہ کہتا ہے وہ تاریخ اسلام کو مسخ کرتا ہے اور اُمت مسلمہ پر جبن اور بزدلی کی تہمت لگاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس اُمت نے کبھی اقتدار اور طاقت کے بل بوتے پر کسی چیز کو قبول نہیں کیا ہے لہذا جب یہ معاملہ ہے تو سوائے اس اعتراف کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ حنفیت کی قبولیت اس کے سہل انگاری کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ

ہم اوپر عرض کر آئے ہیں کہ اسلام عطیات الٰہیہ سے کسی کو محروم کرنا نہیں چاہتا ہے۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں:۔

جملہ اشیاء عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان خلق لکم ما فی الارض جمیعاً تمام بنی آدم کی مملوک معلوم ہوتی ہیں یعنی غرض خداوندی تمام اشیاء کی پیدائش سے رفع حوائج جملہ ناس میں مشترک ہے اور من وجہ سب کی مملوک ہے ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت منفرد کیا گیا اور جب تلک کسی شے پر کسی شخص کا قبضہ مستقلہ باقی ہے۔ اس وقت تلک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ [1]

اس عبارت کو آسان طور پر اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ زمین کی پیداوار

---

[1] - اسلام کا اقتصادی نظام ملک

سب کو انتفاع کا حق حاصل ہے لیکن ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ اس انتفاع کے آڑے آتے ہیں شریعت نے اس کو احتکار وغیرہ کے نام سے یاد کیا ہے اور حنفی فقہ نے حدیث شریف کی روشنی میں اس مضرت رساں ذخیرہ اندوزی کو بُری نظر سے دیکھا ہے۔

من احتکر فھو خاطی[1] جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ خاطی ہے

زمانہ جاہلیت میں تاجروں نے عادت بنالی تھی کہ لوگوں کی ضرورت کی اشیاء خاص خاص مواقع کے لئے اِدھر اُدھر سے جمع کر کے روک لیتے تھے اور پھر بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے جس سے لوگوں کو بہت زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ حدیث کی کتابوں میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر کچھ تاجر ٹھہرے ہوئے ہیں جن کے پاس غلہ کی بڑی مقدار ہے۔ آپ نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ فلاں شخص ہے اور آپ کے غلام نے یہ غلہ اس غرض سے جمع کیا ہے کہ مناسب وقت پر کثیر منافع لیکر فروخت کرے۔ تب حضرت عمرؓ نے اسکو نصیحت فرمائی۔

حنفی فقہ نے ایسی ذخیرہ اندوزی اور چور بازاری کہ جس سے دوسروں کو نقصان پہونچے روکا ہے اور حرام قرار دیا ہے[2]۔ یہ حکم صرف کھانے پینے کی اشیاء تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ضروریات زندگی کی تمام اشیاء ہیں داخل ہیں۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں:

کل ما اضر بہ العامۃ فھو احتکار[3] ہر وہ شے جس کی رکاوٹ سے عوام کو ضرر ہو وہ احتکار ہے

ملاوٹ اور کھوٹ

اشیاء کو مارکیٹ میں اس کی اصلی حالت کے بجائے ملاوٹ کے ساتھ فروخت کرنا اور اصلی ظاہر کرنا یہ آج کل اگرچہ ایک آرٹ اور فن سمجھا جاتا ہے جس کو باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے بھلا وہ

---

[1] اوجز صفحہ ۹۶ ج ۵ [2] در مختار ط ۱۳۶ ج ۲۔ [3] اوجز ص ۹۶ ج ۵

کس طرح فلاح پا سکتے ہیں جو عیوب اور خرابیوں کو فن کی طرح سیکھتے ہیں لیکن اسلام کے نزدیک یہ فعل نہایت مذموم ہے، کیونکہ اس سے دوسروں کو نقصان پہونچتاہے فقہ حنفی نے اس مذموم حرکت کو بند کرنے کے لئے جناب رسول اللہ صلعم کا ارشاد پیش کیا ہے۔

لیس منا من غش فی البیع والشراء — الحدیث

وہ ہم میں سے نہیں جس نے خرید و فروخت میں دھوکہ دیا۔

اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء حنفیہ نے حکم دیا ہے

الغش حرام[1] — غش حرام ہے

یعنی اشیاء میں ملونی کر کے فروخت کرنا گناہ کبیرہ اور ایک بڑا اخلاقی جرم ہے اس لئے کہ پبلک کو نظر انداز کر کے اپنی تجوری آباد کرنا انتہائی درجہ کی پست اخلاقی ہے۔ حنفی دستور کی رو سے اس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا اور مشتری کو اسکی قیمت واپس دلائی جائےگی۔

وفسخ اذا وجد فی البیع عیبًا — اس بیع کو توڑ دیا جائے گا جس بیع میں عیب موجود ہوگا

اس قسم کے معاملہ کو فقہ حنفی میں بیع غرر یا غش کہتے ہیں، فقہاء حنفیہ نے باب خیار عیب کے تحت اس کے قواعد و ضوابط بیان کئے ہیں اور جگہ جگہ احادیث سے استدلال کر کے اس ناجائز ... منافع خوری کی کمر توڑ دی ہے۔ افسوس کہ آج کل جمہوری حکومتوں نے کما حقہ حنفی دستور سے استفادہ نہیں کیا۔

قمار یا سٹہ سرمایہ دارانہ نظام کو تقویت دینے کے لئے یہ وہ طریقہ کسب ہے جس میں بے محنت دولت حاصل کرنے کی لت پڑ جاتی ہے [؟] اسلام اور فقہ حنفی نے اس کی تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے ایک مشہور حنفی عالم حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

---

[1] تنسیق ص ۱۷۲

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین پر ان کی معاش کا انتظام فرمایا تو انسانوں کے درمیان جنگ وجدل اور کشمکش برپا ہو گئی۔ تب خدا کے قانون کا یہ فیصلہ ہوا کہ جو شخص ذاتی محنت، وراثت یا کسی دوسرے جائز اور صحیح طریقہ سے کسی چیز کا مالک ہے اس کی چیز میں دوسرا کوئی مزاحمت اور کشمکش کا حقدار نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کو بدل کے ذریعہ خریداری اور معتبر و صحیح رضامندی اور معاملت کے ساتھ اس چیز کو حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے کہ جس میں نہ بدل صحیح ہو اور نہ باہمی تعاون پایا جائے بلکہ دوسرے کو نقصان دیکر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے قمار یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں۔[1]

اس باب میں حنفی فقہ کی بنیاد یہ آیۃ مبارکہ ہے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ

بلاشبہ شراب، جوا، بت، پانسے یہ سب سر نجاست اور شیطانی دھندے ہیں ان سے بچو

میسر و ازلام، منابذہ، ملامسہ وغیرہ مخرب اخلاق طریقوں کو مرور ایام نے اب تہذیب و اخلاق قرار دیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ

کوآپریٹو سوسائٹیاں آجکل پنجالہ پلان کے ماتحت ملک کے باشندوں کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے امداد باہمی کا طریقہ نکالا ہے جس کو کوآپریٹو سوسائٹی کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقوں کو سستے قرض دینے کے اصول پر چلائی جاتی ہیں مگر سوشلزم نظام کا یہ بدنما دھبہ (سود کی لعنت) اس میں بھی موجود ہے جس کا انجام سرمایہ داروں

---

[1] - حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۳ ج ۲

اور پونجی یتیموں کی سرپرستی اور پرورش ہوتا ہے اور سود کی یہ لعنت جس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

لیاتین علی الناس زمان لایبقی	لوگوں پر ایک وقت ایسا آئے گا کوئی
احد الا اکل الربو فمن لم یاکل	سود خوری سے باقی نہ رہے گا اور جو نہیں بھی
اصابہ من بخارہ	کھائیگا اُسکو اس کا دھواں ضرور پہونچے گا

بلاشک موجودہ زمانہ اسی خبر کے مطابق ہے اس کو امداد کہا جائے یا ایک قسم کا ذریعہ تجارت کہ جس میں امدادی رقوم کو اضافہ کے ساتھ وصول کیا جائے۔ مسلم رہنما جو مسلم پرسنل لا کو فروغ قیادت کے لئے زبان پر لاتے رہتے ہیں، وہ اس شعار کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ اگر ان لوگوں کو قوم یا اسلام کی فکر ہوتی تو یہ بات نہیں ہے کہ فلاح و بہبودی کی کوئی راہ ہاتھ نہ آئی۔

اسلام اور حنفی فقہ نے ان سوسائٹیوں کی اصلاح کی ہے اور امداد باہمی کے ایسے طریقے بتلائے ہیں جن سے غریبوں کی تباہ حال زندگیاں خوش حالی سے بدل سکتی ہیں اور ان طریقوں سے غریبوں کا بہت زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً پبلک سوسائٹیوں کا نظام اس طرح قائم کیا جائے کہ تجارتی، زراعتی، صنعتی ناموں سے علیحدہ علیحدہ مجالس کا قیام عمل میں آجائے۔ اور سود کی لعنت کو اس میں سے نکال دیا جائے۔ فقہ حنفی میں ان مجالس کے یہ اسماء ہیں۔

الف۔ شعبۂ تجارت میں مضاربت، معاوضہ، عنان، وجوہ

ب۔ شعبۂ زراعت میں، مضارعت، معاملہ، مساقات

(۱) مضاربت:۔ ایک قسم کا تجارتی معاہدہ ہوتا ہے جس میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے عمل، یا محنت ہوتی ہے اس کی ۶ شرطیں ہیں جن کو فقہ کی کتابوں سے دریافت کیا جا سکتا ہے

۲۔ معاوضہ۔ ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں کمپنی کے طور پر چند افراد اپنا اپنا مال لگا کر شریک ہو جاتے ہیں اور نفع و نقصان کے آپس میں

شریک ہوتے ہیں۔

۳۔ شرکت صنائع:۔ کمپنی کے طرز پر اس کاروبار کو کہتے ہیں جس میں چند ہم پیشہ، صاحب صنعت و حرفت اپنے اپنے پیشہ کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں اور نفع و نقصان میں شریک رہتے ہیں۔

۴۔ وجوہ:۔ کمپنی کے طور پر چند افراد کے درمیان مساوی عمل و محنت، کسب، اکتساب میں شرکت ہو جائے، ان میں سے ہر آدمی اپنے ذاتی رکھ رکھاؤ کی وجہ سے مارکیٹ میں خرید و فروخت کرتا ہے۔ یہ بھی نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں۔

مسلم معاشرے پر اگر اس لائن سے محنت کی جاتی تو ناممکن تھا کہ معاشرہ کی بدحالی دور نہ ہوتی۔ معاشرہ کی اصلاح کا یہ کام علماء ہی انجام دے سکتے تھے، لیکن افسوس کہ اموی اور عباسی دور خلافت سے لیکر اب تک جس چیز کو مسلم دینی قیادت نے ناپسندیدہ قرار دیا تھا ۱۹۴۷ء کے بعد اس کو (یعنی کار حکمرانی میں علماء کی شرکت) اب گوارہ کیا جانے لگا ہے۔

معاشرت

امور خانہ داری یا افراد کی معاشرتی زندگی کو بنانے اور سنوارنے میں اسلامی قوانین کی ترتیب و حکمت کچھ ایسی عجیب و غریب ہے کہ جس کے ڈانڈے ملکی سیاست سے جا ملتے ہیں گویا کہ گھر کی چہار دیواری ملکی سیاست کے لئے ایک ٹریننگ اسکول یا ابتدائی تربیت گاہ ہے۔ یہاں کے تربیت یافتہ افراد ملکی اور ملی خدمات کے میدان میں کامیاب ہی اترتے ہیں۔

نظام البیت یا شاہی اسٹیٹ پر نظر ڈالنے کے بعد مختلف افراد سامنے آتے ہیں جن کے خطابات باپ، بیٹا، بیوی، بہن، سالی، خوشدامن، خسر، ماموں بھانجا، ماں، دادی، پھوپی، نواسہ، نواسی، پوتا، پوتی وغیرہ ہوتے ہیں جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو سب کے سب ایک رشتہ نکاح میں منسلک نظر آئیں گے۔

ان تمام رشتوں میں تال میل قائم رکھنے کے لئے اور اس کی وجہ سے جو مصائب و آلام پیش آتے ہیں ان پر صبر و تحمل سے کام لینے کے لئے امام ابو حنیفہ نے ایک حدیث پیش کی ہے۔

اذا بات احدکم مغموماً	تم میں سے کسی کا اولاد کے غم و فکر میں
مھموماً من سبب العیال کان	کوئی رات گزارنا اللہ کے نزدیک اسکی
افضل عند اللہ تعالیٰ من الف ضربۃ	راہ میں تلوار کے ایک ہزار وار چلانے سے
بالسیف فی سبیل اللہ [1]	افضل ہے۔

یہیں سے پہلی امید میں صبر و تحمل کرنے کی ابتدا ہوتی ہے حنفی فقہ نے

[1] مسند امام اعظم

امور خانہ داری سے متعلق جو قانون تیار کیا ہے اور جو ہدایات فرمائی ہیں انکو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

نکاح

فقہاء حنفیہ نے اشتغال بالنکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ امام ابن ہمام شارح ہدایہ تحریر فرماتے ہیں

نکاح کی وجہ سے تہذیب اخلاق اور باطنی وسعت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان معاشرہ میں اپنے ابنائے نوع کے ساتھ تحمل اور بردباری سے پیش آتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد کی تربیت، غریبوں کی امداد عزیز و اقارب کا نان و نفقہ اور نفس کی پرہیزگاری اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے اہلیت عبادت بھی پیدا ہوتی ہے، غرضکہ ایسے بہت سے فرائض ہیں جن کی ادائیگی صرف نکاح پر موقوف ہے اسی وجہ سے نکاح کو نفلی عبادت سے افضل قرار دیا ہے [1]

امام ابن ہمام نے نکاح کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کی شرح کی ہے اور بیان کیا ہے کہ "نکاح سے مقصود تکثیر مسلم بھی ہے"۔ یہ ایک ایسی حکمت ہے جس کی وجہ سے ملکی سیاست میں انقلاب لایا جاسکتا ہے کیونکہ آج کل سارا جھگڑا اور سیاست کا رُخ صرف اکثریت و اقلیت کے دائرے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

انتخاب زوجہ

اتنا بڑا مقصد جس کی طرف مذکورہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے صرف انتخاب زوجہ پر موقوف ہے۔ یہ مسئلہ اگر طرفین کی مرضی کے مطابق طے پا جائے تو پھر تمام مقاصد کی تکمیل سہل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے فقہ حنفی نے زوجین کو پورا پورا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہوں

لا تجبر البالغۃ العاقلۃ   بالغہ، عاقلہ لڑکی پر جبر نہیں کیا جاسکتا

---

[1] فتح القدیر ص۔ ج ۲

یعنی اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رشتۂ زوجیت میں منسلک ہو، بخلاف دوسرے فقہوں کے کہ ان میں اولیاء کی اجازت کو شرط قرار دیا ہے جس کی وجہ سے لڑکی مجبور محض ہو کر رہ گئی ہے۔ لیکن حنفی فقہ نے اس سے آگے بڑھ کر یہاں تک اجازت دیدی ہے کہ غض بصر کی قیودات کے باوجود انتخاب زوجین (خطبہ) میں ایک دوسرے کو دیکھا بھی جا سکتا ہے اس کے لئے حنفی فقہ ایک حدیث پیش کرتا ہے۔

النظر الیہا احریٰ [1] عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

یعنی جس عورت کو بیوی بنانے کا ارادہ ہو اس کو دیکھ لینا زیادہ اچھا ہے اسی حدیث کی روشنی میں فقہائے حنفیہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر ہونے والے شوہر کو شہوت کا اندیشہ بھی ہو تب بھی اپنی منگیتر کے چہرے کو دیکھ سکتا ہے [2]

امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث بیان فرمائی ہے جس میں مندرجہ ذیل اقسام کی عورتوں سے نکاح کرنے کو منع کیا گیا ہے

۱۔ شہبرہ — موٹی فربہ عورت جس کی آنکھیں بلّی کی طرح ہوں
۲ نہبرہ — دبلی پتلی اور لمبی عورت گویا چھپّر کی بلّی ہے
۳۔ لہبرہ — آزاد شدہ بڑھیا عورت
۴۔ ہبدرہ — پستہ قد عورت گویا کہ کپڑے کی گٹھری ہے
۵۔ لفوت — جس کی گود میں دوسرے شوہر کا بچہ ہو

اس روایت کو امام صاحب نقل فرمانے کے بعد دیر تک ہنستے رہتے تھے [3]

اسی حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث کی روشنی میں امام ابوحنیفہ نے زمام اختیار زوجین کے ہاتھوں میں دیدی ہے۔

کفو | انتخاب زوجین کے باب میں حنفی دستور نے کفو کو بھی ضروری قرار دیا

---

[1] ترمذی [2] ردالمحتار ص ۲۴۶ ج ۵۔ [3] مسند امام اعظم

ہے۔ چنانچہ امام محمد فرماتے ہیں اور یہی ایک روایت امام ابو حنیفہ کی بھی ہے

ویفتی فی غیر الکفو لعدم الجواز اصلاً — غیر کفو میں نکاح بالکل ناجائز ہے

یعنی ایسا نکاح صحیح نہیں ہے کہ زوجین نے اپنی مرضی سے نکاح غیر کفو میں کرلیا ہو۔ ممکن ہے حنفی فقہ کا یہ قانون بظاہر غلط معلوم ہو لیکن اگر اس کو معاشرے کی اصلاح اور آپس کے تال میل کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس قانون کا ضروری ہونا ثابت ہو جائے گا۔ فقہ حنفی اس کی وجہ بیان کرتا ہے۔

الوجہ فیہ ان انتظام المصالح انما یکون بین الزوج والزوجۃ عند التوافق والالفۃ وھما یکونان بین المتکافیین [1] — وجہ اس میں یہ ہے کہ انتظام مصالح زوج اور زوجہ کے درمیان آپس میں موافقت اور محبت ہونے کی حالت میں ہوتے ہیں یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں مساوات ہو

بہرحال فقہ حنفی میں کفو کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ہاں اگر عورت اور اس کا ولی غیر کفو میں شادی کرنے پر راضی ہو جائیں تو بات دیگر ہے۔ لیکن اگر عورت نے اپنی ہی مرضی کو مقدم رکھا اور غیر کفو میں شادی کرلی تو اس کے متعلق اوپر بیان کیا جا چکا ہے مزید برآں یہ کہ غیر کفو میں شادی کرنے میں اذلال نفس بھی لازم آتا ہے جس کو فقہاء حنفیہ نے حرام قرار دیا ہے۔

ولی جہاں تک عورت کے ذاتی حقوق و اختیار کا تعلق ہے وہ اس میں آزاد ہے لیکن جہاں دوسرے کے حقوق سے وابستگی پائی جائے گی وہاں عورت کو تابع رہنا پڑے گا، وجہ اس کی غالباً اس کا ناقص العقل ہونا ہے۔ یہ بات اگرچہ عورت پرستوں اور عریاں تہذیب کے عشاق پر گراں ہو گی، لیکن کیا کیا جائے کہ جب ان ہی کے ہم مشرب ماہر جنسیات نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے۔

---

[1] نہایہ صفحہ ۱۰۳ ج ۲

مرد کے سب سے بھاری دماغ کا وزن ۶۹ ر ۰، اونس اور سب سے ہلکے کا وزن ۳۴ اونس ہے اور متوسط درجہ کے دماغ کا وزن ۴۹ ½ اونس ہے۔ بخلاف عورت کے کہ اس کا سب سے بھاری دماغ ۶۱ ½ اونس اور سب سے ہلکا ۳۱، اونس اور متوسط دماغ ۴۴، اونس ہے۔

اس کے ساتھ ایک حنفی محقق امام اکمل الدین شارح ہدایہ کی بھی ملاحظہ فرمایئے۔

نفس انسانی کی قوتوں کو چار درجہ میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا درجہ یہ کہ مطلقاً سوچنے سمجھنے کی استعداد موجود ہو۔ یہ استعداد فطرۃً ہر انسان میں پائی جاتی ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ جزئیات میں حواس کے استعمال سے بدیہی باتیں حاصل ہونے لگیں (مثلاً دیکھ کر رنگ کا اور چکھ کر ذائقہ کا یقین وغیرہ) اور عقل اس قابل ہو کہ اس میں غور و فکر کے ذریعہ خالص فکری حقائق کا اکتساب کرنے لگے اس کو اصطلاح میں عقل بالملکہ کہتے ہیں اس صلاحیت کے بعد ہی آدمی پر شریعت کی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ بدیہی حقیقتوں سے جو نظریات مستنبط ہو رہے ہیں، ان کے ادراک میں کسی قسم کی دقت اور محنت پیش نہ آئے، اس کا نام العقل بالفعل ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ نظریات ہمیشہ ذہن میں اس طرح مستحضر ہوں کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس کو عقل مستفاد کہا جاتا ہے۔ اور شریعت کی ذمہ داریوں کا مدار جس صلاحیت عقل پر ہوتا ہے وہ دوسرا درجہ ہے۔ عورتوں میں اس کی کمی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جزئیات میں حواس کو استعمال کر کے بدیہیات کو پالیتی ہیں اور اگر کسی بات کو فراموش کر جاتی ہیں تو یاد دہانی کے بعد یاد بھی کر لیتی۔ اگر اس صلاحیت میں کسی قسم کا نقص ہو تو دین کے جن ارکان کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی گئی ہے، عورتوں کو اس سے مختلف ارکان کی تکلیف دی جاتی ہے اور ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلعم نے ان کے حق میں ناقصات العقل جو فرمایا ہے
اس سے عقل بالفعل عقل کا تیسرا درجہ مراد ہے [1]

اس تشریح سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ عورت کو امور ذاتیہ میں تو خود مختار قرار دیا جائے گا اور اس کے فعل اور قول کا اعتبار ہو گا، لیکن جہاں دوسروں کے حقوق سے ادنیٰ درجہ کی بھی وابستگی ہوگی وہاں اُس کے حدود اختیار پر پابندیاں لگ جائیں گی۔ ان ہی دونوں چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حنفی دستور نے قرآن و حدیث کے عین مطابق حکم لگا دیا ہے، کہ نابالغ، مجنون عورت کو اختیار نہیں کہ وہ بلا ولی کی اجازت کے نکاح کر سکے۔ اس باب میں مجنونانہ ماں کو اپنے بالغ لڑکے کی اجازت کا محتاج رہنا پڑے گا۔ ایسے ہی باعقل و شعور عورت کو یہ اختیار نہیں ہو گا کہ وہ خاندانی شرافت کو بٹہ لگا کر غیر کفو میں نکاح کرے۔

مہر | مہر کے تقریباً آٹھ یا نو نام ہیں مثلاً المہر، النخلہ، الصداق، العقر، العطیہ الفریضہ، الاجرۃ، الصدقہ، العلاق [2]

مہر اگرچہ شرائط نکاح میں سے نہیں ہے لیکن احکام نکاح اور واجبات نکاح میں سے ضرور ہے۔ ائمہ اسلام نے اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح جنس مہر میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے خواہ لوہے کا ایک چھلا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ محض تعلیم القرآن پر بھی مہر کے قائل ہیں۔ امام مالک کے نزدیک کم از کم ¼ دینار یا تین درہم ہیں۔ ابن شبرمہ کے نزدیک کم از کم پانچ درہم، ابراہیم نخعی کے نزدیک کم از کم ۴۰ درہم ہیں۔ سعید بن جبیر کے نزدیک کم از کم پچاس درہم ہیں۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک نصاب سرقہ یہی ہے [3]۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اکثر مہر کی حد نہیں لیکن قلت میں کم از کم دس درہم ہونا ضروری ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث حجت ہے۔

---

[1] غایہ شرح ہدایہ ص۳ ج ۲ مطبوعہ مصر [2] عینی شرح ہدایہ ج ۱ ص۱۳۷ [3] ایضاً ص۱۱۸ ج ۲

لا مہر اقل من عشرۃ دراھم دس درہم سے کم مہر نہیں۔

امام صاحب کے نزدیک کم سے کم نصاب سرقہ بھی یہی ہے۔ امام صاحب کا فرمانا ہے کہ قطع ید چونکہ دس درہم کے عوض میں آجاتا ہے۔ اس لئے دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا عضو انسانی کی شرافت کے خلاف ہے۔

فقہا کی تشریحات کے مطابق مہر مثل بھی خاص حالتوں میں مقرر کیا جا سکتا ہے مہر مثل میں عورت کے آبائی قبیلہ کی قریبی رشتہ دار عورتوں کے مہر کا لحاظ رکھا جائے گا۔ جس کی شرائط اور قیودات فقہ کی کتابوں میں تلاش فرمائیں۔

شاہدین اسلامی احکامات میں سے کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو بعض کے لئے قابل قبول ہو اور بعض کے لئے نہ ہو۔ یہی حال شادی و نکاح کے احکامات کا ہے۔ اس میں صرف ایجاب و قبول (جس کے لئے نصاب شہادت بھی شرط ہے) اسلامی شادی بیاہ کی سادہ شکل ہے اور اسلامی مساوات کا عمدہ مظاہرہ ہے۔ کم از کم دو گواہوں کا ہونا اس وجہ سے شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔ کیونکہ نکاح سے پہلے وہی عورت جس کی طرف دیکھنا بھی ناجائز تھا، لیکن ایجاب و قبول کے بعد زوج زوجہ کے پورے جسم سے متمتع ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ اگر اسلام شہادت کی شرط نہ مقرر کرتا تو زنا اور فواحشات کا دروازہ کھل جاتا اسی لئے فقہاء حنفیہ نے حدیث شریف کی رو سے نصاب شہادت کو شرط قرار دیا ہے

لا نکاح الا بشھود بلا شہادت کے نکاح ہی نہیں ہوتا۔

اسی سے امام صاحب نے خفیہ نکاح کو نکاح ہی تسلیم نہیں کیا۔ امام مالک تو اس سے بھی زیادہ اعلان نکاح کو بھی شرط قرار دیتے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ اس کے متعلق فرماتے ہیں

انعقاد نکاح جبکہ گواہوں کی موجودگی میں ہو گیا، اگرچہ پورے طور پر اعلان نہیں ہوا وہ نکاح جائز ہے اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ جب تک

اعلان نہ ہو تو یہ نکاح سر ہے اور نکاح سر کے لئے ممانعت موجود ہے۔
امام محمد فرماتے ہیں کہ جب کہ نکاح پر گواہ ہو گئے تو اس کو کس طرح باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟ (مالکیہ سے خطاب کرتے ہوئے) ایک آدمی بادشاہ سے خائف ہے۔ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح عادل گواہوں کی موجودگی میں کر دیا اور کوئی اعلان نہیں کیا، تو کیا یہ نکاح باطل ہے؟ اور باطل نہیں ہے تو کیوں؟ اس کے بارے میں آپ کہیں گے کہ ایک اثر موجود ہے جس کی وجہ سے امام مالک نے ایسے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ پھر یہ کہ ایک آدمی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرد گواہ اور دوسری گواہ عورت کی موجودگی میں کر دیا۔ حضرت عمر رض نے اس نکاح کو ناجائز قرار دے دیا۔ آپ کا فرمانا ہے کہ اعلان نہیں تھا ہم کہتے ہیں نصاب شہادت پورا نہیں تھا [1]

بہر حال اسی قسم کے بہت سے دلائل ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس باب میں امام صاحب نے جو اصول مقرر فرما دیا ہے وہ عین قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں آیت مداینت کی روشنی میں بیوعات جیسے معاملات میں کتابت اور اس پر شہادت کو مستحب قرار دیا ہے۔ لیکن عقد نکاح اور معاملات کی طرح نہیں ہے اس لئے حدیث مشہورہ کے ماتحت نصاب شہادت کو شرط قرار دیا ہے۔ اور یہی اعلان نکاح کا بھی قائمقام ہے

اذا احضراہ شاھدین جب دو گواہ موجود ہو گئے تو

فقد اعلناہ [2] اعلان ہو گیا

عربی لغت کے اعتبار سے بھی تین آدمیوں کا وجود (دو گواہ اور ایک شوہر) بھی اعلان ہے۔

وسترک ماکان عند امرء وسر الثلاثۃ غیر الخفی

نکاح میں اگر دو مرد گواہ نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

---

[1] کتاب الحج ص ۳۰۶ [2] البدائع ص ۲۵۳ ج ۱

کافی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے "رجل" و امراتان". بہر حال حنفی دستور نے اس معاملہ میں جس قدر سہولت اور انسانی مزاج اور اس کے نشیب و فراز کو پیش نظر رکھا ہے وہ ناقابل انکار ایک حقیقت ہے۔

غرضیکہ سیاست و معاشرت وغیرہ تمام عنوانات میں حنفیہ کا ایک مکمل دستور مرتب اور مدون ہے اور چونکہ پورے مسائل کو لانا ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے بطور نمونہ چند چیزوں کو ذکر کر دیا گیا ہے۔ تفصیلات فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقائد اہل سنت والجماعت

زمانہ قدیم میں قانون، اصول دین عقائد ان سب کے لئے "الفقہ" کا لفظ استعمال ہوتا تھا، اسی وجہ سے امام صاحب کی کتاب کا نام "فقہ اکبر" ہے۔ امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اُس کا خلاصہ ہم شرح فقہ اکبر سے اس جگہ پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ ایمان کی تعریف کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

"ایمان نام ہے اقرار اور تصدیق کا"

اس کی تشریح یہ ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا۔ نہ تنہا اقرار، ایمان ہے اور نہ تنہا تصدیق و معرفت ایمان ہے۔ امام صاحب کے نزدیک اعمال ایمان سے ایک علیحدہ شے ہے کیونکہ بسا اوقات مومن سے عمل مرتفع ہو جاتا ہے اور ایمان مرتفع نہیں ہوتا۔ مثلاً فقیر پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ اس پر ایمان واجب نہ ہو۔

۲۔ گناہ اور کفر کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں۔

ہم کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہتے

ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص فاسق ہو اور کافر نہ ہو۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ "امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہ گار سب مومن ہیں

کافر نہیں ہیں۔ بندہ خارج از ایمان نہیں ہوتا جس کے اقرار نے اُسے داخلِ ایمان کیا تھا۔

ایک مرتبہ خارجیوں کی ایک بڑی جماعت امام صاحب کے پاس آئی اور امام صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد کے دروازے کے باہر دو جنازے رکھے ہیں۔ ایک شرابی کا جو شراب پیتے پیتے مرگیا ہے، دوسرا زانیہ کا جو زنا سے حاملہ ہوئی اور اُس نے خودکشی کرلی۔ امام صاحب نے دریافت کیا یہ دونوں کس ملّت سے تھے؟ آیا یہودی تھے یا نصرانی یا مجوسی؟ انھوں نے کہا کہ ان میں سے کسی ملّت سے نہیں تھے بلکہ اسی ملّت سے تھے جو کلمۂ اسلام کی شہادت دیتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا یہ ایمان کا کون سا حصّہ ہے؟ عرض کیا کل ایمان ہے۔ اسی پر امام صاحب نے فرمایا، اب مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تم تو خود اپنی زبان سے اُس کو مومن کہہ رہے ہو

۳۔ امام صاحب گناہ گار مومن کے بارے میں فرماتے ہیں

ہم یہ نہیں کہتے کہ گناہ مومن کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ مومن دوزخ میں نہیں جائے گا اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اگر وہ فاسق ہو۔

ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے نہ جنّتی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں اور نہ دوزخی ہونے کا اور نہ ہم اُن پر کفر، شرک اور نفاق کا حکم لگاتے ہیں۔ جب تک ان سے ایسی بات کا صدور نہ ہو جائے۔ ہم ان کی نیتوں کا معاملہ ان کے خدا کے سپرد کرتے ہیں

۴۔ حضرات صحابہؓ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضؓ کو تمام اُمت پر افضل قرار دیتے ہیں۔ اور سب سے پہلے خلافت ان کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ پھر عمرؓ پھر عثمانؓ، پھر علی رضی اللہ عنہم اور یہ خلفاء راشدین مہدیین ہیں۔

دیگر حضرات کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ ان میں

سے کسی کی محبت میں حد سے نہیں گزرتے اور نہ کسی سے تبری کرتے ہیں۔ ان
سے بغض رکھنے والے اور ان کا ذکر برائی سے کرنے والے کو ہم ناپسند کرتے
ہیں .... اور ان کا ذکر بھلائی
کے سوا کسی اور طرح نہیں کرتے۔

ذاتی طور پر امام صاحب اگرچہ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں ....
حضرت علیؓ کی طرف میلان رکھتے ہیں، کیونکہ خاندان نبوت سے ان کا رشتہ بھی ہے۔ لیکن
جہاں تک اُن کے عقیدے کا معاملہ ہے اس میں انھوں نے وہی راہ اختیار کی ہے جو
حق ہے ابوزہرہ مصری نے غلطی کی ہے جو انھوں نے میلان طبع کو عقیدہ کہا ہے۔ امام صاحب
نے جو عقیدے بیان فرمائے ہیں ان کا ایک عظیم پس منظر ہے جس کو دیکھتے ہوئے امام صاحب
کی دوربینی اور اعتدال کی ہر شخص کو داد دینی پڑے گی۔ حق یہ ہے کہ امام صاحب نے ان عقائد
کو بیان فرما کر اُمت کو بڑی تباہی اور گمراہی سے نجات دلادی، کیونکہ خلافت راشدہ کے بعد
جو دور ملوکیت شروع ہوا تھا، اس میں نہ صرف یہ کہ صرف سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے تھے
بلکہ دینی لائینوں میں بھی اختلافات اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف یونانی فلسفہ
اسلامی حدود میں داخل ہو چکا تھا اور دینی مسائل کو اس کے معیار پر رکھا جانے لگا تھا۔
ایک بڑی جماعت ایسی پیدا ہو گئی تھی جو صحابہؓ پر سب وشتم کرتی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے
کہ جب قرن اول کے معماران اسلام ہی محفوظ نہ رہ سکتے ہوں تو ان کا لایا ہوا دین کب
محفوظ رہ سکتا تھا، امام صاحب وہ پہلے انسان ہیں جنھوں نے اسلام کا بنیادی
عقیدہ تحریری طور پر مرتب کیا اور قیامت تک کے لئے پوری اُمت کو اس منور اور کشادہ
سڑک پر لا کھڑا کیا جس پر چل کر اس کی نجات ہو جائے گی

امام صاحب نے حضرات صحابہؓ کے سلسلے میں جو عقیدہ تحریر فرمایا ہے اس
کی آسان الفاظ میں تفسیر اس طرح کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت
کے لئے اپنے رسول کو بھی بھیجا، جس طرح کتاب پر ایمان لانا ضروری ہے اُسی طرح رسول
پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ صرف براہ راست کتاب اللہ ہی پر ایمان لا کر ہدایت نصیب

نہیں ہو سکتی ہے۔ کتاب کے ساتھ رسول پر اعتماد رکھنا اور ان کے ارشادات پر اعتماد رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ہمارے سامنے آپ کے ارشادات ہی سے کتاب اللہ کے مطالب واضح ہوئے ہیں۔

حضور صلعم کے وصال کے بعد موجودہ زمانہ تک اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا ذخیرہ ہم تک بالواسطہ پہونچا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو تسلیم کریں اور واسطوں کو قابل اعتماد قرار نہ دیں۔ ہمارے نزدیک جس طرح اسلامی تعلیمات محترم ہے اسی طرح اس کے واسطے اور وسائل محترم ہیں۔ ہم اپنی زبان سے کسی کو بھی نشانہ بنانا اپنے لئے دنیا اور آخرت کی بربادی کے مصداق جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین

مشاجرات اور اختلافات صحابہ اسی طرح تابعین کے علمی اختلافات یا محدثین کرام کا آپس میں نقد و تبصرہ اگرچہ کتابوں میں موجود ہے لیکن وہ ہمارے نزدیک نیک نیتی پر مبنی ہے۔ اس کے دوسرے معنی پہنانا ہمارے نزدیک ہرگز مناسب نہیں۔ ہمارے عدل و انصاف کی ترازو اس میار کی نہیں ہے جس میں صحابہ اور تابعین کا عدل و انصاف تولا جا سکے۔ ہمارے سب اکابر اور رہنما ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

باب ہشتم

قواعد کلیہ کا بیان

مآخذ و حوالہ جات

۱- الاشباہ والنظائر از علامہ ابن نجیم

قواعدِ کُلیّہ کا بیان

کسی دستور کی حسن و خوبی معلوم کرنے کے لئے اس کے قواعد کلیہ کا معلوم کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ یہی کلیات فروعات کی بنیاد ہوتے ہیں۔ اگر ان میں تضاد اور تزلزل پیدا ہو جائے تو پھر اس دستور کی پوری عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان کلیات میں ربط و استحکام موجود ہے تو پھر فروعات کی کتنی ہی ان گنت منزلیں ان پر قائم کر دی جائیں تو کوئی ضرر نہیں ہوتا ہے۔ سطور ذیل میں ان قواعد کلیہ میں سے چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفی نے اپنی مایہ ناز کتاب الاشباہ والنظائر میں بیان فرمایا ہے کہ اس فن میں سبقت لے جانے والے ہمارے ہی علماء ہیں کہ انھوں نے فقہ حنفی کے قواعد کلیہ کو مرتب کیا۔ اس سبقت کا فخر تنہا ان ہی کی ذات کو حاصل ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے امام ابو طاہر دباس نے مذہب حنفی کے متعلق ۱۷ قاعدے ترتیب دیئے[1]

علامہ ابن نجیم مصری نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں سات فنون کو بیان فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک فن کے ماتحت ان قواعد کلیہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علامہ موصوف کا فرمانا ہے کہ یہ قواعد وہ ہیں کہ جن کے ذریعہ ایک فقیہ عالم درجہ اجتہاد پر فائز ہو جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعہ فتاویٰ کی راہیں کھلتی ہیں۔[2]

آج کل لوگوں کو اجتہاد اور تدوین و تجدید فقہ کا بہت شوق ہے، لیکن ان میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے کہ جن کو کسی دستور کے کلیات معلوم ہوں اور ان کلیات سے اخذ و استنباط کا معاملہ تو بہر حال ایک کام ہے جو خال خال ہی

---

[1] الاشباہ ص۱۰ [2] ایضاً

کسی کو نصیب ہوتا ہے، بہرحال یہ قواعد بہت اہم ہیں[1]۔ علامہ ابن نجیم بیان فرماتے ہیں۔

وانی لا استطیع کنہ صفاتہ ولو ان اعضائی جمیعاً تکلم

میں ان کی صفات کی کنہ بیان کرنے پر قادر نہیں ہوں، اگرچہ میرے تمام اعضاء کلام کرنے لگیں

ان کے بہت سے فائدے ہیں، جب کسی عالم کو کسی فرعی مسئلہ میں کوئی دلیل نہ ملے تو یہ قواعد کلیہ اس کے لئے خضر راہ کا کام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے علمائے احناف نے اس فن میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ اوران کی توضیح تشریح کا بھی پورا پورا حق ادا کردیا ہے۔ اس طرح ان حضرات نے اُمت کے لئے ایک ایسا عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے جس سے شریعت اسلامیہ کا جاہ و جلال خوب نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے میرا ہر ایک عالم کو مشورہ ہے کہ وہ ان قواعد کلیہ کو ایک مرتبہ ضرور مطالعہ کریں یہاں پر نمونۃً صرف چند قاعدوں کو ذکر کیا جارہا ہے۔

قاعدہ ۱ الضرر یزال ضرر کو دور کیا جائے گا

یہ قاعدہ اس حدیث کے ماتحت آتا ہے

لاضرر ولاضرار نہ تو نقصان پہونچانے میں ابتدا کی جائے اور نہ اس کے بدلے میں نقصان پہونچایا جائے۔

علامہ ابن نجیم بیان فرماتے ہیں کہ یہ وہ قاعدہ ہے کہ جس پر ابواب فقہ کی بنیاد رکھی گئی ہے[2] چنانچہ اس قاعدہ کے تحت جن فروعات کا استنباط کیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت معاشرے میں انصاف قائم کرنا چاہتی ہے اور اس انصاف کی راہ میں اس کے یہاں کسی کی رعایت نہیں ہے بلکہ ضرر و نقصان ظلم و ستم جس طرف ہے اس کو دور کرنا اس کے مقاصد میں داخل ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اس قاعدے کے تحت جن چیزوں کو بیان کیا ہے ان میں سے بعض کو اس جگہ بیان کیا جارہا ہے۔

---

[1] احقر نے موجودہ نصاب تعلیم پر دسمبر ۱۹۶۳ء کے مدینہ میں ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا تھا اس میں نے مشورہ دیا تھا کہ کتاب الاشباہ والنظائر کو داخل درس ہونا چاہئے۔ [2] الاشباہ ص ۳۲

۱۔ مبیع کو عیب کی وجہ سے لوٹا دینا، کیونکہ معیوب مبیع کو بن دیکھے خریدنے کی وجہ سے مشتری کا نقصان ہے اس لئے کہ وہ قیمت سالم اور بے عیب مبیع کی دے چکا ہے اور ناقص اس کو حاصل ہوئی۔

۲۔ حق شفعہ اولاً شریک کا ہے اس وجہ سے کہ یہ شریک تقسیم کے نقصان سے بچ جائے گا، اس کے بعد پڑوسی کا حق ہے کیونکہ وہ چارسو کی مضرتوں سے محفوظ رہے گا۔

۳۔ اگر کوئی شخص اپنے مکان وغیرہ کی چھت پر چڑھے تو اس کو بلا آواز دیئے چڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ عدم اطلاع کی صورت میں پڑوسی کی عورتوں پر نظر پڑے گی۔ دوسروں کی اندرون خانہ اشیاء پر اس کی نظر جائے گی۔ اگر یہ نہیں مانتا تو اس کا مرافعہ حاکم وقت کی عدالت میں کیا جائے گا اور ایسے شخص کو جبراً روکا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کو اگرچہ اپنی ملک میں پورے تصرف کا اختیار رہے، لیکن یہاں دوسروں کا ضرر مقدم رہے گا۔

۴۔ اسی طرح قصاص، شرعی حدود، کفارے وغیرہ چیزوں کا ضامن بننا اسی قاعدے کے تحت آتا ہے۔

قاعدہ ۲ الضرورات تبیح المحظورات، ضرورت حرام شے کو مباح قرار دے دیتی ہے۔ یہ قاعدہ بھی نہایت عظیم قاعدہ ہے اس کے تحت بھی بے شمار فروعات موجود ہیں، مثلاً:۔

۱۔ بھوک کی حالت میں مضطر کے لئے اپنی جان بچانے کے لئے بقدر رسد رمق میتہ اور مردار کھانا۔ اسی طرح اگر کھانے کا لقمہ حلق میں اٹک جائے تو شراب کے گھونٹ سے اس کو اتارنا جبکہ کوئی دوسری چیز موجود نہ ہو جائز ہے

۲۔ اکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر کہہ دینا یا مال غیر کو تلف کر دینا جائز ہے، مثلاً کشتی میں بہت ساز و سامان لدا ہے جس کی وجہ سے کشتی ڈوبنا چاہتی ہے تو جان کی حفاظت کے لئے سامان کو دریا برد کر دینا جائز ہے

۳۔ اسی قاعدہ کے تحت آج کل علماء کرام نے پاسپورٹ برائے حج اور شرکت

امتحانات وغیرہ کے لئے فوٹو کھنچوانے کو مباح قرار دیا ہے، غرضیکہ بے شمار فروعات اس قاعدے کے تحت آتے ہیں ۔ علمائے کرام نے اس قاعدہ کی اصل اس آیتہ مبارکہ کو قرار دیا ہے ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر بوقت ذبح اللہ کے نام کے کسی دوسرے کا نام لیا جائے حرام قرار دیا ہے مگر جو مجبور ہو جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو (سورہ مائدہ)

حضرت عمر رض کی خدمت میں ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا، حضرت عمر رض نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو حضرت علی رض نے روکا اور فرمایا، اس عورت سے دریافت کر لیا جائے ممکن ہے یہ کوئی عذر پیش کر سکے ۔ اس عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا میرا ایک پڑوسی تھا جس کے یہاں پانی اور دودھ بہ کثرت تھا میرے اونٹوں پر نہ پانی تھا اور نہ دودھ تھا میں پیاسی رہتی تھی، اس نے پانی اس شرط پر دینا منظور کیا کہ میں اس کے ساتھ ہمبستر ہو جاؤں ۔ اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا، مگر جب میری پیاس بہت بڑھ گئی تو میں نے پانی کے لالچ میں اس کی خواہش کو پورا کر دیا ۔ یہ سنکر حضرت علی رض نے فرمایا جو فعل مجبوری کی وجہ سے کیا جائے اور اس کا اردہ زیادتی کا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے ۔ غرضکہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخ اور تذکروں سے دستیاب ہو سکتے ہیں ۔

قاعدہ ۳ وما ابیح للضرورۃ یقدر بقدرھا

جو چیز مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے مباح ہوتی ہے وہ بقدر ضرورت ہی جائز رہے گی

لہذا اسی قاعدے کے تحت ایک بھوکے کو اسی قدر مردار کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے ۔

۲۔ اسی طرح طبیب کا نامحرم عورت کے ستر عورت کو اسی قدر دیکھنا جائز ہے جس قدر سے مرض کا تعلق ہے

۳۔ جنگل یا شہر کے کنوؤں میں بکری یا اونٹ کی مینگنیوں کے پڑے رہنے کی

وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جب کہ مینگنیاں کثیر نہ ہوں۔

۴۔ ماء مستعمل خود متوضی کے کپڑوں پر اگر پڑے تو معاف لیکن اگر دوسرں کے کپڑے پر پڑے تو معاف نہیں۔

۵۔ شہید کا خون اس کے حق میں پاک ہے لیکن دوسروں کے حق میں پاک نہیں ہے۔ اسی قاعدہ کے قریب قریب ایک دوسرا قاعدہ اور ہے وہ یہ کہ

وما جاز لعذر بطل بزوالہ — جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوئی ہے وہ عذر کے زائل ہوتے ہی باطل ہو جائے گی۔

مثلاً تیمم جو مرض یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے جائز ہوا تھا، وہ خود بخود مرض کے ختم ہونے اور پانی کے ملتے ہی باطل ہو جائے گا۔

قاعدہ ۴ — الضرر لایزال بالضرر — کوئی ضرر دوسرے نقصان سے دور نہیں ہوتا

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدے سے مستنبط ہے اس کی مثال یہ ہے کہ بھوکے اور مضطر آدمی کو دوسرے بھوکے اور مضطر آدمی کے کھانے کو کھانا جائز نہیں ایسے ہی کسی مولا کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی باندی یا غلام کا نکاح ضرور کرے اگرچہ یہ باندی اور غلام مولی کو نقصان پہنچاتے ہوں کیونکہ نکاح پر مجبور کرنے کی صورت میں بھی مولی کا نقصان ہے

قاعدہ ۵ — یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام — عام لوگوں کے ضرر کو دور کرنے کے لئے کسی خاص آدمی کے ضرر کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔

یہ قاعدہ بھی بہت اہم قاعدہ ہے اس سے بھی بکثرت فروعات مستنبط ہیں۔ مثلاً اگر کافر اپنے بچاؤ اور لشکر اسلام سے محفوظ رہنے کے لئے مسلمان قیدیوں یا بچوں کو آڑ بنالیں تو لشکر اسلام کے لئے فائرنگ کرنا جائز ہے، لیکن اس فائرنگ میں مسلمانوں کو نشانہ بنانے کی نیت نہ ہو۔ ایسے ہی اگر کوئی جاہل طبیب ہو یا نااہل مفتی ہو تو ان کو علاج کرنے اور فتوے دینے سے جبراً روکا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے نہ روکنے میں ضرر عام ہے۔

اسی قاعدہ سے یہ قاعدہ بھی نکالا گیا ہے۔ کہ اگر دو طرح کے نقصانات۔ جمع ہو جائیں اور ان میں سے ایک نقصان دوسرے سے شدید تر ہو تو شدید تر نقصان کے مقابلے میں کم نقصان کو اختیار کیا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر مرنے والے شخص پر یا اس کی اولاد صغار پر قرضہ ہو تو خود مختار وصی یا وارث کو اختیار ہے کہ وہ قرض خواہ سے قرض کے مقابلے میں مصالحت کرے جبکہ قرض خواہ منکر ہو اور کوئی گواہ موجود نہ ہو اس صورت میں کم از کم نقصان کو برداشت کیا جائے گا۔

ایسے ہی کسی آدمی نے کسی کا لوہا یا لکڑی غصب کر لی اور اپنے مکان میں لگا کر اس پر تعمیر بنالی تو اس صورت میں اگر لکڑی یا لوہے کی قیمت عمارت کی لاگت سے کم ہے تو غاصب اس شے کی قیمت دے کر مالک بن جائے گا۔ اور اگر لوہے یا لکڑی کی قیمت زیادہ ہے اور عمارت کی کم تو اس صورت میں یہ سامان مالک کو دلوایا جائے گا اور عمارت کو منہدم کرا دیا جائے گا۔

ایسے ہی اس عظیم الشان اصول سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اسلامی شریعت جماعتی مفاد کو انفرادی مفاد پر اس وقت ترجیح دیتی ہے جبکہ دونوں متصادم ہوں اور اس کی مثال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

قاعدہ ۶۷ جب دو خرابیاں جمع ہو جائیں تو ان میں سے کمتر خرابی کا ارتکاب کرنا جائز ہے، اس قاعدہ عظیمہ کی اصل یہ ہے۔

ان من ابتلی ببلیتین وھما متساویان یاخذ ھما بایتھما شاء وان اختلفا یختار اھونھما

جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے اور دونوں برابر ہوں تو کسی بھی ایک کو اختیار کر لیا جائے لیکن اگر مساوی نہ ہوں تو پھر ہلکی مصیبت کو اختیار کرنا چاہیے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی زخمی ہے اور نماز پڑھنا چاہتا ہے لیکن حالت اس کی یہ ہے کہ سجدہ کرنے کی صورت میں اس کا زخم کھل جائے گا اور خون بہنے لگے گا۔ اور اگر سجدہ نہ کرے تو زخم نہ کھلے گا تو اس صورت میں اس آدمی کو چاہیے

کہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے۔ کیونکہ اشارہ سے نماز پڑھنا بے وضو نماز پڑھنے سے کم مضر ہے

ایسے ہی اگر سچ بولنے کی وجہ سے کسی بڑی خرابی اور مفسدہ کے پھوٹنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بول دینا جائز ہے۔ علامہ حموی نے اس قول کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

جھوٹ تین مقام پر جائز ہے، لوگوں کی اصلاح، جنگ میں، بیوی کی اصلاح میں، یہ بھی منقول ہے کہ احیائے حق اور ظلم کے ازالہ کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو توریہ سے کام لے، لیکن اگر کسی کسی شخص کو یہ علم ہو جائے کہ بغیر صریح جھوٹ کے چھٹکارا ممکن نہیں ہے تو ایسی حالت میں شریعت نے رخصت دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں جھوٹ بولنا ضروری بھی ہے، مثلاً مسلمان کسی کے پنجۂ ظلم سے نجات پا سکتے ہوں یا کوئی ظالم شخص کسی کی امانت زبردستی چھیننا چاہتا ہو۔[۱]

قاعدہ ۷ درءالمفاسد اولیٰ من جلب المصالح — خرابیوں کو دور کرنا جلب منفعت پر مقدم ہے۔

لہٰذا جب برائی اور بھلائی دونوں جمع ہو جائیں تو برائی کے دفیعہ کو بھلائی کے حصول پر مقدم کیا جائے گا چنانچہ جوا اور شراب حرام ہیں کیونکہ ان میں منفعت کے مقابلہ میں مفسدے بہت ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اثمھما اکبر من نفعھما الآیۃ — ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اسی قاعدے کے پیش نظر جنبی کو جنابت کی حالت میں غسل کرتے ہوئے کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں بحالت صوم مبالغہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ روزے کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

---

[۱] حاشیہ الاشباہ از حموی

قاعدہ ۸ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد — ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹتا۔

اسی پر اجماع ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ایک حکم دیا حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف حکم دیا۔ باوجود اس کے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم میں تبدیلی نہیں آئی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ نفس اجتہاد میں دونوں اجتہاد مشترک ہیں اور کسی دلیل کو ختم کرنے کے لئے اس سے قوی دلیل ہونا چاہیئے۔ پھر جبکہ اجتہاد اول کو قضا کی قوت بھی حاصل ہو چکی ہو تب تو وہ بہ طریق اولیٰ اجتہاد ثانی سے ختم نہیں ہوگا۔

قاعدہ ۹ جب حلال اور حرام مجتمع ہو جائیں تو حرام کو غلبہ رہے گا۔ اس قاعدہ کے تحت بھی بے شمار فروعات ہیں، مثلاً ایک دلیل سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور دوسری دلیل سے اس کی اباحت تو اس موقع پر حرمت کو ترجیح حاصل رہے گی جیسا کہ اگر کسی بکری سے کتے نے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا کھانا حلال نہ ہوگا۔

قاعدہ ۱۰ آسانی فراہم کی جائے اور سختی کو دور کیا جائے۔

اس قاعدے پر بہت سے احکام مبنی ہیں جن میں انسان کی فطرت اور اس کی قوت برداشت کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے، چنانچہ اسی قاعدے کے مطابق زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب مال حد نصاب کو پہونچ جائے اور وہ بھی مال کا قلیل حصہ یعنی $\frac{1}{40}$، اسی طرح عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ ہے، کیونکہ حیض میں طلاق دینے کی صورت میں عدت دراز ہو جائے گی۔ بہر حال یہ چند قاعدے بطور نمونہ ہم نے علامہ ابن نجیم کی کتاب الاشباہ والنظائر سے اخذ کئے ہیں۔ ان قواعد کے متعلق علامہ قرافی نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

دوسری قسم قواعد کلیہ فقیہ ہیں جن کی تعداد بہت ہے اور وہ شریعت کے اسرار و رموز کے سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ ہر قاعدے کے تحت بے شمار فروعی مسائل ہیں۔ یہ قواعد فقہ میں بہت اہم اور مفید ہیں جس قدر ان

قواعد کا احاطہ کر سکے گا، اسی قدر اس کی قدر و منزلت بڑھے گی اور فقہ کی رونق نمایاں ہوگی۔ انہی قواعد کے ذریعہ فتاویٰ کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور انہی کی بدولت اہل علم کی ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر ہوتی ہے[1]

بابُ الاستحسان[2]

عوام و خواص کی سہولت اور راحت کی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر دینا اور امر مستحسن کو اختیار کر لینے کا نام استحسان ہے[3]۔ کتب اصول میں قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان ہے[4]۔ ابوالحسن الکرخی کہتے ہیں "کہ کسی وجہ قوی یا ضرورت شدیدہ کی بنا پر مجتہد کسی مسئلہ میں اس کے نظائر کے مثل حکم کرنے سے باز رہے[5]"۔ یعنی قیاس چاہتا ہے کہ فلاں مسئلہ میں حکم یہ ہونا چاہیے لیکن کسی اثر (آیت یا حدیث، اثر صحابی) یا اجماع یا ضرورت (کہ جس کو نظر انداز کرنے کی صورت میں انسان حرج شدید میں مبتلا ہو جائیں گے) معارض ہونے کی وجہ سے مجتہد وہ حکم نہ دے[6]۔ مثلاً

۱۔ جناب رسول اللہ صلعم نے چاندی سونے کے ظروف کا استعمال ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے[7]

[1] فقہ الاسلام ص۳۳۴ ج ۱ [2] فقہ کی کتابوں میں اس باب کو مختلف ناموں سے ذکر کیا ہے مثلاً جامع صغیر و شرح طحاوی، ہدایہ میں کتاب الکراہیۃ اور قدوری، ایضاح تحفہ، فتاویٰ قاضی خان میں "الحظر والاباحت" اور محیط، ذخیرہ، مغنی، کافی وغیرہ میں کتاب الاستحسان کے نام سے ذکر کیا گیا ہے الخ البنایہ ص۱۹۵ ج ۴۔ فتح القدیر ص۸۰ ج ۴ [3] الجواہر ص۱۱۳ ج ۲ [4] قمر الاقمار ص۲۲۳ [5] ابو زہرہ ص۳۲۵ [6] ایضاً ص۳۲۶۔ ابن رشد کہتے ہیں کہ وہ دلیل کہ جس کا استعمال بکثرت ہو ابن عربی کہتے ہیں کہ استثناء یا رخصت کے طور پر دلیل کو ترک کر دینے کا نام استحسان ہے شمس الائمہ کہتے ہیں کہ ضعیف الاثر کو قیاس اور قوی الاثر کو استحسان یا قیاس مستحسن کہتے ہیں ابو زہرہ [7] مسند امام اعظم ص۲۰۰

هی لهم فی الدنیا و لکم فی الاٰخرة [1] — یہ برتن کافروں کے لئے صرف دنیا ہی میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔

اسی طرح دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا ہے

نهی عن الاکل والشرب فی اٰنیة الذهب والفضة [2] — آپ نے چاندی سونے کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا

ان آثار اور احادیث سے ظاہر ہے کہ چاندی، سونے کے برتن میں کھانا، پینا اور ان کا استعمال مرد کے لئے جائز نہیں ہے۔ لیکن فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ (مفضض) برتن میں پینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پینے والے کا منہ چاندی کی جگہ نہ لگے اور اس حصہ کو ہاتھ سے بھی نہ پکڑے جس جگہ چاندی کا کام ہو رہا ہے۔ امام ابو یوسف اس کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں۔ امام محمد صاحب ایک روایت میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں اور دوسری روایت میں وہ امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح بچ کر استعمال کرنا حقیقۃً چاندی کا استعمال نہیں کہلاتا بلکہ اس وقت تو چاندی والا حصہ تابع ہے اور دوسرا حصہ استعمال میں اصل ہے اور اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تابع کا۔

۲۔ یہ کہ بائع اور مشتری میں مقدار ثمن کے متعلق اختلاف ہے لیکن ابھی تک مشتری نے مبیع پر اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا۔ بائع زیادتی ثمن کا مدعی ہے لہٰذا بموجب حدیث شریف

البینة للمدعی والیمین علی من انکر — گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہے

چنانچہ مشتری سے قسم لی جائے گی کیونکہ وہی زیادتی کا منکر ہے لیکن دلیل استحسان سے یہاں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ ہر ایک ان میں سے مدعی اور مدعا علیہ ہے۔ اس لئے قیاس جلی کو بدلیل استحسان بوجہ حدیث ذیل ترک کرنا پڑے گا۔

---

[1] کتاب الآثار محمد صـ ۱۴۴ [2] الجواہر صـ ۱۱۲ ج ۲

اذا اختلف المتبائعان والسلعۃ قائمۃ تحالفا — جبکہ سامان موجود ہو اور بائع و مشتری میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دونوں کو قسم دی جائے گی

۳۔ یہ کہ نسیاناً روزہ کی حالت میں کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا قیاس مقتضی ہے کہ روزہ ٹوٹ جانا چاہئے، لیکن مندرجہ ذیل حدیث کی وجہ سے استحساناً عدم فساد صوم کا حکم دیدیا۔

من نسی وھو صائم فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ — جس نے روزہ میں بھول کر کھا پی لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے

۴۔ یہ کہ کوئی چیز کاریگروں سے بنوائی اور قیمت پیشگی طے کرلی جیسا کہ آج کل بہ کثرت ہوتا ہے اس میں قیاس تو یہ کہتا ہے کہ یہ معاملہ ناجائز ہونا چاہئے، کیونکہ مبیع معدوم ہے لیکن استحساناً اجماع کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ یہ کہ ناپاک کنویں یا حوض کی دیواریں اور پانی نکالنے والوں کی رسّی ڈول، ہاتھ، کنویں میں سے ناپاک پانی کے آخری ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتے ہیں مثلاً جس کنویں کو سینچا جا رہا ہے اور کنواں معین ہونے کی وجہ سے ڈولوں کی تعداد ۳۰۰ مقرر ہے تو جب تک ۲۹۹ ڈول نکلیں گے، اس وقت تک سب چیزیں ناپاک، لیکن جب آخری ڈول نکال کر باہر ڈال دیا تو اب کنویں کی دیواریں بھی پاک ہو گئیں حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دیواروں کو پاک نہ ہونا چاہئے لیکن استحساناً ضرورت شدیدہ اور حرج کی وجہ سے پاک قرار دیا جاتا ہے۔

یہ اور اسی طرح کی بہت مثالیں ہیں جن میں امام ابو حنیفہ نے قیاس استحسانی سے کام لیا ہے اور قیاس جلی کو ترک کر دیا ہے وجہ اور اہمیت قارئین کے سامنے ہے۔ امام صاحب کے استحسان کو یہ اہمیت حاصل تھی۔ "امام محمد فرماتے ہیں۔ آپ کے اصحاب قیاسات میں برابر بحث کرتے رہتے تھے لیکن جب امام صاحب فرماتے "استحسن" تو سب خاموش ہو جاتے[1]

[1] ۔ ابو زہرہ صفحہ ۳۳۲

الاستحسان تسعة اعشار العلم[1] استحسان ۹/۱۰ علم ہے

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں

من استحسن فقد شرع[2] جس نے استحسان کو اختیار کیا اس نے شرع کو اختیار کیا۔

لیکن اس کے باوجود آج کل کے بعض نام نہاد محدث امام صاحب کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :-

دلائل شرع کتاب، سنت، اجماع، قیاس ہیں۔ یہ پانچویں حجت استحسان کہاں سے آگئی بلکہ یہ تو امام صاحب کی ہوائے نفس (نعوذ باللہ) کا نتیجہ ہے۔[3]

اس اعتراض کی حقیقت مذکورہ چند مثالوں سے بخوبی واضح ہے لہذا اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جب کوئی سوئے فہمی کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ایسے ہی کہا کرتا ہے۔

۱؎ ابو زہرہ ص ۳۴۲ ۲؎ ایضاً ۳؎ ایضاً

العرف

جیساکہ استحسان کے اقسام میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ " استحسانی صورت کبھی ضرورت کی وجہ سے بھی اختیار کی جاتی ہے"۔ اس سے اگرچہ ایک حد تک حنفی دستور کی انسانی ضروریات اور معاملات میں دور اندیشی اور خیر اندیشی کی طرف اشارہ ہو گیا ہے مگر اس جگہ مزید وضاحت کے لئے ہم یہ بات اور صاف کر دینا چاہتے ہیں کہ حنفی دستور انسانیت کی بہت بڑی خدمت کرتا ہے اس کا دامن انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر تنگ نہیں ہوتا بلکہ وہ مجبوریوں اور ضرورتوں کے پیش نظر دراز تر ہو جاتا ہے اور رب العالمین کی ربوبیت اور رحمت اللعالمین کی رحمت کا جس قدر اس سے مظاہرہ ہو سکتا ہے کرتا ہے۔

عرف (شہری یا ملکی رسم و رواج) یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے یکلخت علیحدہ بھی نہیں ہوا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس کی مناسب اصلاح کر کے اگر ضرورت ہوتی ہے، تو لوگوں کو اس سے نہیں روکتا۔ اسلام تو ان ہی معاملات اور رسم و رواج سے روکتا ہے جس کے ڈانڈے کفر یا شرک یا بدعت سے جا ملتے ہوں یا جا ملنے کا امکان ہو یا جس سے آئندہ کے لئے انسانیت کی کوئی تخریب نظر آتی ہو لیکن جہاں ایسا نہیں ہے وہاں شارع علیہ السلام نے صاف کہہ دیا ہے

انتم اعلم بامور دینکم — تم اپنے دنیوی معاملات میں زیادہ واقف ہو

لہٰذا ایک سیرت اور فقہ کا مطالعہ کرنے والا طالب علم "بیع السلم" (بدھنی) کو دیکھے کہ حضرت شارع علیہ السلام نے باوجود زمانہ جاہلیت کی بیع ہونے کے اس کو جائز ہی رکھا جب کہ اس کے مقابل بیع منابذہ، مخابرہ، ملامستہ کو ناجائز قرار دیدیا کیونکہ اس میں انسانی سوسائٹی کی عیاناً تخریب نظر آتی ہے، لیکن جہاں ایسا نہیں

ہے وہاں ارشاد ربانی ہے۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرج الآیۃ	تمہارے اوپر دین نے تنگی نہیں کی

حدیث شریف میں وارد ہے

وما راہ المسلمون حسنًا[1] فھو عند اللہ حسن	جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی چیز ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام اعظم نے شہروں اور ملکوں کے رسم رواج کو بھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ یہ کہہ دیا۔

الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی[2]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ گویا دلیل شرعی ہی سے ثابت ہے

بمسوط سرخسی میں ہے

الثابت بالعرف کالثابت بالنص	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ مثل نص کے ہے

لیکن حضرت امام صاحب نے اس کے مراتب مقرر فرما دیئے ہیں سہیل بن مزاحم کہتے ہیں

کلام ابی حنیفۃ اخذ بالثقۃ وفرار من القبح والنظر فی معاملات الناس وما استقاموا علیہ وصلحت علیہ امورھم یمضی الامور علی القیاس فاذا قبح القیاس بمضیھا علی استحسان ما دام یمضی لہ فاذا لم یمض رجع الی ما یتعامل المسلمون[3]	امام صاحب کا کلام " ثقہ کو اختیار، قبیح کو ترک، لوگوں کے معاملات میں غور کرنا ہے جب تک امور کی اصلاح اور استقامت رہے گی تو امور کو قیاس پر پیش کیا جائیگا اس کے بعد استحسان پر اور جب کوئی بھی چارۂ کار نہ رہے گا تو تعامل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

---

[1] لفظ مسلم کے معنی پیش نظر رہنا ضروری ہیں [2] ابو زہرہ ص ۳۵۱ [3] ایضا صفحہ ۳۵۰

اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب معاملات میں کوئی دلیل نصوص شرعیہ "کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان سے نہ مل سکے تو عرف کو دلیل مان لیا جائے گا، گویا کہ منجملہ طرق استنباط کے عرف بھی مصدر استنباط اور استدلال ہے۔ چنانچہ علماء کا ارشاد ہے۔

انہ دلیل حیث لا یوجد دلیل شرعی [1] — جہاں کوئی دلیل شرعی نہ ہو وہاں عرف دلیل ہے۔

عرف کیا ہے؟

ان تمہیدی کلمات کے بعد عرف کا مختصر تعارف پیش کرتا ہوں۔ عرف کی دو قسم ہیں۔ عرف عام اور عرف خاص عرف عام تو وہ ہے جو تمام شہروں یا پورے ملک میں رائج ہو اور عرف خاص وہ ہے جو بعض شہروں میں ہو بعض میں نہ ہو، چنانچہ اس تقسیم کے ماتحت عرف کے احکام میں فرق ہے۔ فقہا نے عرف عام کا اعتبار کیا ہے لیکن عرف خاص کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

فان العرف العام یصلح مخصصا — عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے
ویترک بہ القیاس [2] — اور اسکے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردیا جائیگا

چنانچہ فقہ کی کتابوں میں استصناع (کوئی چیز بنوانا) کے جواز کا مدار اسی عرف پر ہے ورنہ قیاس تو اس کے ناجائز ہونے کو کہتا ہے۔

اور عرف خاص وہ ہے جو کسی خاص طبقہ یا شہر کا ہو عمومیت اس میں موجود نہ ہو۔ اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

والخاص یترک بہ القیاس الظنی [3] — عرف خاص کے مقابلے میں قیاس ظنی کو ترک کردیا جائے گا۔

اس مختصر تعارف کے بعد عرف کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں

۱۔ اگر کسی شہر میں مختلف قسم کے سکے رائج ہوں۔ مثلاً روپیہ ہی کو لے لیجئے۔

---

[1] ابوزہرہ ص۱۵ [2] رد المحتار ص۳۔ [3] ابوزہرہ ص۳۵۳

کہ ہمارے یہاں اس وقت روپیہ کی صورت میں مخصوص دھات کا سکہ بھی رائج ہے اور روپیہ کا نوٹ بھی جاری ہے یا نئے پیسے اور پرانے پیسے دونوں جاری ہیں اگر کوئی آدمی پیسوں کے عوض کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور یہ متعین نہیں کرتا کہ کون سے پیسے مراد ہوں گے تو اغلب کو دیکھا جائے گا، اور اغلب میں نئے پیسے رائج ہیں، لہٰذا نئے پیسے مقرر ہو جائیں گے۔ صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق فرمایا ہے۔

لانہ ہو المتعارف — اس لئے کہ یہی متعارف ہیں

۲۔ اگر کسی شہر میں اشیاء زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کے ادھار پر فروخت ہوتی ہوں اور کوئی آدمی کوئی چیز ادھار خریدے اور تشریح نہ کرے تو یہی ایک ہفتہ مراد ہوگا اس لئے کہ

المعروف کالمشروط — معروف مشروط کے برابر ہے

۳۔ ہمارے یہاں اسلامیہ مدارس میں مدرسین کو ملازم رکھا جاتا ہے لیکن بعض دفعہ ایام تعطیل کی وضاحت نہیں کی جاتی، لیکن عرف یہ ہے کہ جمعہ، عیدین، عاشورہ اور رمضان کی چھٹی ہوتی ہے تو مدرس کی یہ چھٹیاں بلا ذکر کئے اسی عرف کی بنا پر متعین ہو جائیں گی[2]

۴۔ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا لیکن اس نے مچھلی کا گوشت کھا لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اگرچہ قرآن پاک میں مچھلی کے گوشت کو لحماً طریاً فرمایا گیا ہے لیکن عرفاً اس کو گوشت نہیں کہا جاتا[3]

۵۔ ہمارا عرف یہ ہے کہ شادی میں لڑکی کو جو جہیز دیا جاتا ہے وہ عاریۃً نہیں دیا جاتا بلکہ لڑکی کو مالک بنا دیا جاتا ہے لہٰذا لڑکی کے انتقال کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی۔

۶۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین نے وقف پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

---

[1] الاشباہ ص۳۷ [2] ایضاً ص۳۸ [3] ایضاً [4] ایضاً

لانہ یتکلم فی عرفہ واقف کلام عرفی میں بات کرتا ہے۔

اس لئے وہ جو کچھ کہہ دے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی درجہ میں اعتبار ہوگا جس درجہ میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کا ہوتا ہے[۱]

غرضکہ ان چند مثالوں سے عرف کی حیثیت بخوبی واضح ہوگئی۔ مزید مثالوں کے لئے الاشباہ اور دوسری کتابوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

عرف کی اسی اہمیت کے پیش نظر ایک مفتی کے لئے لازم قرار دیدیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے عرف سے پورے طور پر واقف ہو اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو فتویٰ دینے کا حق نہیں ہے[۲] کیونکہ فقہا کے اقوال اختلاف زمان و عرف کی وجہ سے بدلتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاملات میں حضرت امام اعظم اور اُنکے شاگردوں کا بہت کافی اختلاف موجود ہے کیونکہ امام صاحب کے زمانے میں جو عرف تھا صاحبین کے زمانے میں وہ باقی نہیں رہا بلکہ دوسرا ہوگیا، فقہانے بیان فرمایا ہے۔

لابد من معرفۃ عادات الناس فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اھلہ[۳]	مجتہد کے لئے لوگوں کی عادات سے واقف ہونا ضروری ہے کیونکہ بہت سے احکام اختلاف زمان کی وجہ سے مختلف ہوجاتے ہیں کیونکہ عرف بدل جاتا ہے

اسی وجہ سے فقہا کے اقوال کو بھی نص شارع کا درجہ کا حاصل ہوتا ہے

اقوال الفقھاء نصوص کنص الشارع یعنی فی الفھم والدلالۃ ولا فی وجوب العمل[۴]	فہم و دلالت میں اقوال فقہا، شارع علیہ السلام کی نص کی طرح ہوتے ہیں نہ کہ وجوب عمل میں۔

کیونکہ ان کے اقوال میں شریعت کے ساتھ اپنے زمانے کا عرف بھی موجود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک فقیہ جب تاریخ اور سیرت کو مدوّن کرے گا یا احادیث نبویہ کی شرح لکھے گا تو وہ زیادہ باوقعت ہوگی بہ نسبت غیر کے کیونکہ فقیہ کا

---

[۱] رد المحتار ۲۲۹ ج ۲ [۲] ابو زہرہ ص ۲۵۴ [۳] ایضاً [۴] رد المحتار ص ۲۲۹ ج ۲

اخذ و ترتیب اور تدوین شریعت کے مالہ و ماعلیہ پر تو مشتمل ہو گی ساتھ ہی اپنے دامن میں اس زمانہ کی معاشرت اور عادات الناس کو بھی سمیٹے ہو گی۔

بہر حال فقہاء احناف نے عرف کو دلیل شرعی مان کر اپنی اعلیٰ ترین بالغ النظری کا ثبوت دیا ہے اور عالم انسانیت کی عظیم ترین خدمت انجام دی ہے
گر مدعی داد حسد سے نہ دے، نہ دے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ

مرجوعات ابی حنیفہ

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ البدائع — از علامہ کاشانی

۲ فتح القدیر — از امام ابن ہمام

۳ ہدایہ — از امام کمال الدین

۴ درمختار — از علامہ علاؤ الدین

۵ الاشباہ — از ابن نجیم

مرجوعات ابی حنیفہ

یہ امر مسلم ہے کہ انسان کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی معلومات میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے چنانچہ سائنس دانوں نے زمین و آسمان اور خلا، عدم خلا و نیز اجرام فلکیہ کے متعلق جو رائے اب سے چند سال پہلے ظاہر کی تھی وہ اب نہیں ہے۔ اسی طرح مسند افتاء پر کام کرنے والوں کے متعلق عوارضات پیش آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے انھیں اپنے آراء اور فتاوی کو بدلنا پڑتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اب سے چند سال پیشتر فرنگیوں کے ابتدائے دور حکومت میں ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انگریزی تعلیم حاصل کرنا حرام تھا لیکن بعد میں جائز قرار دیدیا گیا ایسے ہی تحریک آزادی اور ترک موالات کے ایام میں سرکاری ملازمتوں کو حرام قرار دیدیا گیا تھا، لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی شاہی دور حکومت میں اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ کرنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا گیا۔ ایسے ہی پہلے لاؤڈ اسپیکر پر اذان، نماز وغیرہ پڑھنا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں اس سے رجوع کر لیا۔ پہلے ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال تسلیم نہیں کی جاتی تھی مگر اب تسلیم کرنے لگے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آئندہ کیا کیا تبدیلیاں ہوں۔

ان تمام چیزوں کا پس منظر اگر ملاحظہ فرمایا جائے گا تو چند چیزیں سامنے آئیں گی (۱) بدلے ہوئے حالات (۲) بدلے ہوئے عادات (عرف) (۳) علوم نبوت کی معلومات میں اضافہ (۴) ضروریات انسانیہ و حوائج اور عموم بلوی وغیرہ ذلک

ان ہی چیزوں سے امام صاحب کو بھی واسطہ پڑا، پھر تدوین فقہ کا کام

ایک دن کا تو تھا نہیں کہ جس کا نزول یکبارگی ہو جاتا بلکہ برسوں جاری رہا اور اسی کام کے ساتھ تتبع و تلاش جدوجہد کی وجہ سے معلومات روایات واصول شرعیہ میں بھی اضافہ ہوا اور اسی کے ساتھ ساتھ حالات اور عادات انسانیہ میں بھی تبدیلی ہوئی جس کی وجہ سے امام صاحب سے مختلف مسائل میں متعدد اقوال مروی ہیں اور امام شافعی صاحب کا تو یہ عالم ہے کہ ان کا پورا فقہ دو قول (قول جدید اور قول قدیم) سے بھرا پڑا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے

سطور ذیل میں ایک نقشہ کے ذریعہ حضرت امام اعظم کے مرجوعات کے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ تمام مرجوعات کا احصا میرے حد امکان سے باہر رہا ہے تاہم جو کچھ بھی ہے حاضر ہے۔ ان مرجوعات سے جہاں امام صاحب کے ارتقائے حیات، زہد و تقویٰ اور محتاط روی کا اندازہ ہوگا وہاں میرے معاصرین اور آنے والے اہل افتاء کے لئے بھی راہ کھلے گی اور اس سے روشنی پائیں گے اور روایت مرجوع پر فتویٰ دینے سے محفوظ رہیں گے انشاء اللہ وما توفیقی الا باللہ والیہ انیب۔

فہرست مرجوعات ابی حنیفہ

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	مارجع الیہ	کس کے قول کی طرف رجوع کیا	ماخذ
١	طہارت ″ ″	ربع داڑھی کا مسح واجب جبائر پر مسح جائز نہیں جبیرہ پر مسح مستحب ، نبیذ تمر سے وضو جائز ہے	کل داڑھی کا غسل جب جائز ہے واجب جائز نہیں تیمم کرنا چاہیے	امام محمد صاحب صاحبین چنانچہ مرض وفات میں خود بھی مسح کیا صاحبین	البدائع و فتح القدیر ″ الدر المختار و خلاصہ فتح القدیر، البدائع و فتح القدیر
٥ ٦	صلوٰۃ ″	فارسی میں قرأۃ جائز ہے میت کی ام ولد اسکو غسل دے سکتی ہے	جائز نہیں ہے نہیں دے سکتی	صاحبین امام زفر	ہدایہ البدائع
	زکوٰۃ	مضارب سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے عبد ماذون سے عاشر زکوٰۃ لے سکتا ہے۔	نہیں لے سکتا ″	صاحبین ″	ہدایہ فتح القدیر
٩ ١٠	صوم ″	مکرہ علی الجماع پر قضا اور کفارہ ہے صوم یوم نحر کی نذر منعقد ہو جائیگی لیکن کفارہ نہیں ہوگا	صرف قضا ہے کفارہ ہوگا	صاحبین وفات سے ۷ دن پیشتر رجوع کیا	فتح القدیر ″
١١	طلاق	انکار حمل سے لعان نہیں	لعان ہے بشرطیکہ مدت وضع حمل ٦ مہینہ سے کم ہو	امام محمد صاحب	فتح القدیر
١٢	یمین	کسی نے قسم کھائی کہ سری نہ کھائیگا تو اس کا اطلاق گائے اور بکری کی سری پر ہوگا	صرف بکری کے سر پر ہوگا۔ یہ اختلاف زمان کی وجہ سے ہوا۔ اب بھی عرف کو دیکھا جائے گا	صاحبین	فتح القدیر

نمبر شمار	عنوان	اقوال قدیم	مارجع الیہ	کس کے قول کی طرف رجوع کیا	ماخذ
۱۳	عتق	اگر ماں باپ (غلام) کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا نہ ہوگا	کفارہ ادا ہو جائیگا	صاحبین	ہدایہ
۱۴	حد	مکرہ پر حد زنا جاری ہوگی	جاری نہ ہوگی	صاحبین	البدائع
۱۵	"	اگر کسی پر چار گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے فلاں غائبہ سے زنا کیا ہے تو حد زنا جاری نہ ہوگی	جاری ہوگی	"	فتح القدیر
۱۶	"	حربی جو امن لیکر دار الاسلام میں آیا اور اس نے کسی مسلمان پر قذف کی تو اس پر حد قذف جاری نہ ہوگی	"		ہدایہ
۱۷	"	دو آدمیوں نے چوری کی اور اس پر شہادت قائم ہوگئی لیکن ایک غائب تھا تو دوسرے آدمی پر سرقہ جاری نہ ہوگا	"	"	فتح القدیر
۱۸	حج	صدقہ نفلی حج سے افضل ہے	حج افضل ہے	"	الاشباہ
۱۹	مضاربت	اگر راس المال میں اختلاف ہوا تو قول رب المال کا معتبر ہے	مضارب کا معتبر ہے	"	ہدایہ
۲۰	اجارہ	اجرت کا مستحق منزل مقصود پر پہنچانے کے بعد ہوگا	ہر منزل پر ہوگا	"	"
۲۱	بیع	بیع مالم یر میں بائع کا اختیار باقی رہتا ہے	ختم ہو جاتا ہے	"	"

تلاش بسیار کے بعد یہ چند مرجوعات پیش ہیں کل کا احصا میری قدرت سے باہر ہے اگر اور بھی ہوں تو اس سے انکار نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب نہم

افکار ــــ اور ــــ آراء

مآخذ و حوالہ جات

۱	فقہ الاسلام	از ڈاکٹر سید حسین احمد الخطیب
۲	صدق جدید	از مولانا عبدالماجد دریا آبادی
۳	چٹان لاہور	از شورش کاشمیری
۴	مکتوبات	از حضرت مجدد الف ثانی
۵	اونسخہ	از علامہ شوق نیموی
۶	مرقاۃ	از ملا علی قاری
۷	انوار الباری	از مولانا احمد رضا صاحب
۸	فیوض الحرمین	از شاہ ولی اللہ صاحب

افکار اور آراء

خراج عقیدت کے باب کے تحت ہم نے چند آراء کو بیان کیا ہے اس جگہ صرف مستشرقین اور جدید علماء کے افکار اور آراء کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات نے شریعت اسلامیہ اور دستور اسلامی کے مطالعہ کے بعد کیا تاثر لیا ہے اور اس کا اظہار کس طرح کیا ہے اس کو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے

ان افکار و آراء کے دریافت کرنے کے لئے مجھے بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑی ہے اور بڑی تلاش اور جستجو کو کام میں لانا پڑا ہے۔ تاہم میرا یہ کام ایک مصری عالم کی جدید تالیف نے بہت زیادہ سہل کر دیا جس کے لئے میں مصنف اور اس کتاب کے ناشر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آج کل مغربی علماء اور مستشرقین مشرقی علوم و فنون خصوصاً اسلامیات کے بارے میں بہت توجہ دے رہے ہیں خصوصاً میکگل یونیورسٹی کے پرنسپل ڈاکٹر اسمتھ کو اس سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ حال ہی میں ۱۹ ارفروری ۱۹۶۴ء کو نئی دلی میں مستشرقین کی کانفرنس بھی ہوئی تھی۔ جن میں سے بیشتر حضرات نے اسلامیات کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ اس جگہ ہم انصاف پسند مغربی اور مشرقی اہل قانون کے تاثرات کو ذکر کرتے ہیں۔

پروفیسر لامبیر مشہور فرانسیسی محقق پروفیسر لامبیر کہتا ہے

(۱) جو کتابیں اسلامی شریعت کے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ غیر فانی خزانہ اور لازوال سرچشمہ ہیں

(۲) قرون وسطیٰ میں اسلامی شریعت سے مسیحی تمدن نے مدد حاصل کی ہے اور اس کے عام اصولوں کو اخذ کیا ہے۔ لہٰذا موجودہ تہذیب و تمدن کی نشوو

ہیں یونانی اور رومی تمدن کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت اور اس کے تمدن نے بھی بہت حصہ لیا ہے [۱]

ڈاکٹر اٹریکو انسابابا اسلامی شریعت کو اپنے بہت سے مسائل میں مغربی قوانین پر فوقیت حاصل ہے بلکہ وہ دنیا کو سب سے زیادہ مستحکم اور پائیدار اصول عطا کرتی ہے [۲]

پروفیسر ہیوارکانز آپ نے مشورہ دیا ہے کہ اسلامی شریعت کے اصول اور مبادیات کو اختیار کیا جائے [۳]

ان کے علاوہ جرمنی کے ایک مشہور پروفیسر نے ہدایہ کا ترجمہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ جس کا ترجمہ اتنا اعلیٰ ہے وہ اصل کتاب اور اس کا مصنف کتنے بلند پایے کے ہوں گے۔

ڈاکٹر سانتیلانا ایک مشہور مستشرق فرماتے ہیں کہ اگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلامی فقہ تمام انسانیت کے لئے کافی ہے تو کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اسلامی مسلمانوں کے دیوانی قانون کے لئے بہت کافی ہے

ڈاکٹر سلیم بازجو آپ لبنان کے عیسائی عالم ہیں اور احکام الشرعیہ کے شارح بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلامی فقہ کے ذریعہ انسان کی تمام ضروریات پوری ہو جاتی ہیں خواہ وہ کاروباری معاملات ہوں یا دوسرے مقدمات ہوں سب کا حل اسی میں موجود ہے۔ فقہ اسلامی کی کتب کا ذخیرہ نہ صرف مصر اور دیگر اسلامی ممالک کے کتب خانوں میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ ہالینڈ کے شہر لیڈن، روم، برلن، پیرس، برٹش میوزیم نیز ویٹیکن محل میں بھی پاپائے اعظم کے کتب خانہ میں فقہ اسلامی کی کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ ان کتب خانوں میں جو کتابیں ہیں وہ ہزاروں علمائے اسلام کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہیں۔ کتابوں کا یہ وسیع ذخیرہ اس بات کا زبردست ثبوت

---

[۱] فقہ الاسلام ماخوذ مجلۃ الازہر ص۵۶۵ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۳] صدق جدید

ہے کہ اسلامی شریعت میں انسان کی تمام ضروریات اور مسائل و احکام کا حل موجود ہے اور ہر معاملہ میں کسی نہ کسی فقیہہ اور عالم کا قول ان کتابوں میں مل جاتا ہے[1]

پروفیسر دمبری ایک ترک ادیب کو مخاطب کرتے ہوئے پروفیسر دمبری نے کہا کہ تمہارا فقہ اسلامی اس قدر وسیع ہے کہ مجھے تعجب ہوتا ہے جب میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے کیوں نہیں اپنے ملک اور زمانے کے موافق احکام او رقانونی نظام، فقہ اسلامی سے اخذ کیا[2]

پروفیسر ہوکنگ آپ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں۔ فرماتے ہیں میں اپنے آپ کو حق و صداقت پر محسوس کرتا ہوں جب میں یہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اسلامی شریعت میں وہ تمام اصول اور مبادیات موجود ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہیں

ڈاکٹر عبدالرزاق آپ سابق پرنسپل قانونی کالج مصر ہیں۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ ہم جدید انداز کے مطابق اسلامی شریعت کے بارے میں تحقیقات کریں اور اس کا مغربی قوانین سے موازنہ کریں میں آپ سے یہ بات دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ کو اسلامی شریعت میں ایسے اصول مل جائیں گے جو اپنی وضع و ترتیب میں مغربی قوانین کے جدید ترین اصول اور نظریات سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام ذہنی مصر کے مشہور قانون داں اور مصر کی مخلوط اپیل کورٹ کے سابق مشیر فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں معاملات کے بارے میں نہایت مہذب اور دقیق اصول موجود ہیں۔ معاملات پر اس کے احکامات اس قدر زوردار ہیں اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ وہ علم قانون کے سنگ بنیاد کی حیثیت سے جدید قوانین کے معیار پر پورے اترتے ہیں[3]

یہ چند رائیں اپنے اور پرائے جدید مفکرین کی پیش ہیں۔ ان کے پڑھنے کے

---

[1] فقہ الاسلام صـ ۵۶۷ [2] ایضاً [3] ایضاً

بعد آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں، وہ حضرات (مثلاً ڈاکٹر محمد علی کریم چھاگلہ) جو اسلامی پرسنل لا میں ترمیم کے قائل ہیں اور اس کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں کہاں تک حق بجانب ہیں [1]

وان کریمر ایک جرمنی قانون داں کہتا ہے۔" امام ابو حنیفہ ہر آنے والے زمانے کے عظیم ترین قانون سازوں میں سے ایک ہیں [1]

چند اپنے حضرات

جدید مسلمان مفکرین اور غیر مسلم مستشرقین کے افکار و آرا پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند اپنے حضرات کے افکار و خیالات سے آگاہ کر دیا جائے، کیونکہ اس صورت میں اپنے حضرات کے افکار و تاثرات کی قیمت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور بات عقیدت کے دائرے سے نکل کر حقیقت بن جاتی ہے۔

علامہ کرمانی آپ بخاری شریف کے شارح ہیں۔ آپ نے بخاری شریف کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس کے مقلد نہ ہوئے ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب سے تقریباً چار سو سال ہوتے ہیں ان کے فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ اس میں اس کی صحت کی دلیل ہے [3]

دنیائے اسلام کے مسلمانوں کی تعداد ظاہر کرتے ہوئے ملا علی قاری نے بیان فرمایا ہے

[1] فقہ الاسلام ص۵۶۷ [2] چٹان دسمبر ۶۳ء [3] اوشحۃ

کل مسلمانوں میں حنیفہ کی تعداد دو ثلث ہے [۱]

مذہب حنفی کی اس مقبولیت اور اشاعت کے متعلق مضمون کی مناسبت سے اس جگہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کی ایک تحریر پیش کی جاتی ہے

کتاب مسالک الممالک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ واثق باللہ عباسی نے چاہا کہ سد سکندری کا حال معلوم کرے۔ چنانچہ اس نے اس کے لئے ۲۲۸ھ میں سلام نامی کو جو چند زبانوں کا ماہر تھا، پچاس آدمیوں کے ساتھ سامان رسد دے کر روانہ کیا۔ یہ لوگ بلاد آرمینہ، سامرہ، ترخان سے گزر کر ایسی سرزمین میں پہونچے جہاں سخت بدبو نکلتی تھی، پھر دو روز چل کر ایسی سرزمین میں پہونچے جہاں ان کو ایک پہاڑ نظر آیا۔ وہاں ایک قلعہ بھی تھا اور کچھ لوگ اس میں تھے مگر آس پاس آبادکاری کے نشانات تھے ۲۷ منزل وہاں سے آگے اور طے کیں اور ایک قلعہ پر پہونچے جہاں سے ایک پہاڑ قریب تھا اور اس کی گھاٹیوں میں سد یاجوج ماجوج تھی۔ اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحرا اور متفرق مکانات بہت تھے۔ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے۔ ان کا مذہب حنفی تھا، زبان عربی اور فارسی بولتے تھے [۲]

حضرت مجدد الف ثانی

حضرت مجدد صاحب حنفی المسلک ہیں آپ جابجا اپنے مکتوبات میں حنفی مسلک کی توصیف کرتے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب ہم گذشتہ ابواب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں ایک دوسرے مکتوب کا اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

مسئلہ توحید میں سراج الائمہ رئیس الموحدین امام ابو حنیفہ کا نظریہ نہایت بلند اور روشن اور سلجھا ہوا ہے، اُن کا ہر مسئلہ شرک کی رگ جاں پر ایک کاری ضرب کا کام دیتا ہے الخ حنفی مذہب نے شرک کے تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے،

---

[۱] مرقاۃ ص ۲۴ ج ۲ [۲] انوار الباری ص ۱۵۵ ج ۱

امام صاحب نے توحید کے مسائل جن کا ذکر کتب فقہ میں موجود ہے نہایت وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے بلکہ شرک کے تمام چور دروازے بند کر دیئے ہیں [۱]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ

شاہ صاحب فیوض الحرمین میں تحریر فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلعم نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک بہترین طریقہ ہے اور وہ بہت موافق ہے۔ اس طریقہ مسنونہ کے جو کہ مدوّن اور منقح کیا گیا بخاری اور اس کے اصحاب کے زمانہ میں [۲]

---

[۱] چٹان جنوری ۱۹۶۲ء [۲] فیوض الحرمین ص ۱۳۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

باب دہم

امام ابو حنیفہ اور علم الکلام

ماخذ اور حوالہ جات

۱- معجم المصنفین از علامہ ابن ابی الوفار

۲- ابو حنیفہ از ابو زہرہ مصری

۳- مہر انور از مولانا وکیل احمد صاحب بلند شہری

۴- انوا الباری از مولانا سید احمد رضا صاحب

۵- فتح الباری از علامہ ابن حجر

امام صاحب رح اور علم الکلام

علم کلام کو علم عقائد، اصول دین، فقہ اکبر، علم التوحید و الصفات، علم الاستدلال وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے[1]۔ اسماء کے اعتبار سے تعریف لفظی میں اگرچہ کچھ تغیر ہو تو ہو لیکن تعریف معنوی میں سب کا اتفاق ہے۔

وھو علم یقتدر معہ، علی اثبات العقائد الدینیۃ علی الغیر بایراد الحجج ودفع الشبہ[2]	یعنی وہ ایک علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے دوسروں پر عقائد دینیہ کو مدلل طور پر ثابت کیا جاتا ہے اور شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے

جہاں تک اصول دین وایمان کے اثبات اور کفر و شرک کے رد کا تعلق ہے قرآن پاک اور احادیث پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام میں وہ موجود ہے اس میں ہر چیز کو مدلل ثابت کیا ہے، کیونکہ کوئی دعوت دلیل سے خالی نہیں ہوتی۔ داعی جب کسی چیز کی طرف بلاتا ہے تو اپنی دعوت اور پیغام کے محاسن کو پیش کرتا ہے اور اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

حضرات صحابہ رض کا زمانہ وہ مقدس زمانہ ہے کہ جس میں جزوی چیزوں میں اختلاف اقوال کے باوجود اصول دین اور عقائد دین میں فنی باریکیاں پیدا نہیں ہوئیں تھیں لیکن جب حضرات تابعین رح کا زمانہ شروع ہوا اور بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی اس وقت اس علم کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اور حضرت امام اعظم رح کے انتقال کے بعد تو یہ فن معراج کمال پر پہونچ گیا اور فلسفیانہ نکتہ سنجیوں کا مجموعہ بن گیا۔ کیونکہ خلیفہ منصور کے زمانہ میں فلسفہ یونان کو عربی زبان میں منتقل کر دیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ تبع تابعین کے زمانہ کے مولفات علم کلام میں فلسفہ یونان کے

---

[1] معجم المصنفین ص۱۱ ج ۱ [2] ایضاً ص۱۱۱ ج ۱ [3] مثلاً سماع موتی، معراج منامی وجسدی وغیرہ

اصطلات بالذات بالعرض وغیرہ بکثرت ملتے ہیں۔

الحاصل علم کلام عہد تابعین میں ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا تھا، چنانچہ اس زمانے میں اس علم شریف کے ماہرین موجود تھے جنھوں نے اس علم کی بڑی خدمت کی اور کتابیں تصنیف کیں چنانچہ مورخین کی تحقیق کے مطابق شیخ اشعریؒ اس کے مؤلف اور مدون اول ہیں۔ ویسے اس فن کا وجود مذہبی گروہ بندی کی وجہ سے عمل میں آیا ہے لہ

اس جگہ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فروعات دین میں تو اختلاف کچھ بعید از قیاس نہیں ہے لیکن اصول دین خصوصًا ایمان اور لوازمات ایمان میں اسلام میں بہت زیادہ فرقے پیدا ہو گئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب علماء نے دیا ہے کہ گروہ بندی اور فرقہ سازی کی بنیادیں، خواہشات اور اتباع نفس پر قائم ہوتی ہیں ورنہ اختلاف آرار مذموم نہیں، لیکن اگر اختلاف رائے کو، بغض وحسد اور شقاق و نفاق اور ضد و عناد کا سہارا مل جائے گا تو یہیں سے تفریق کی راہیں پیدا ہو جائیں گی اور فرقوں اور جتھوں کا وجود عمل میں آنے لگے گا۔ اسی سے قرآن پاک نے روکا ہے۔

اقیموا الدین ولا تتفرقوا   دین کو قائم کرو اور تفریق پیدا نہ کرو

تاریخ اسلام میں حضرات شیخین کے زمانہ خلافت کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضؓ کی شہادت کا واقعہ ایسا سانحہ تھا جہاں سے اختلافات شروع ہو گئے، اور مسلمان دو گروہ میں تقسیم ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ جنگ صفین اور جنگ جمل جیسے سنگین واقعات نے جنم لے لیا، اسی سیاسی اختلاف نے بڑھتے بڑھتے فرقہ بندی کا روپ اختیار کر لیا، چنانچہ فرقہ شیعہ وہ سب سے پہلا فرقہ ہے جس نے اہل حق سے کٹ کر اپنا جدا دین بنا لیا اور اس کے اصول اپنی مرضی سے گھڑے۔

سطور ذیل میں ہم ان فرق باطلہ کا مختصر تعارف پیش کر رہے ہیں جو حضرت امام اعظم

لہ مثلاً سماع موتیٰ، معراج منامی وجسدی وغیرہ ص۱۱۱ ج۱

کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے اور جن کے متبعین سے امام صاحب کا واسطہ پڑتا رہا اور بسا اوقات مناظرہ تک کی نوبت آگئی۔

فرق باطلہ

(۱) شیعہ ان کی بائیس شاخیں ہیں۔ ابتداء میں ان کو سیاسی اختلاف تھا، جس نے بعد میں مذہبی صورت اختیار کرلی تھی حضرت علی رضؓ کی امامت کو نصاً اور وصیتہً کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ جلی ہو یا خفی، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت حضرت علی رضؓ کی اولاد میں رہے گی اور اگر ان سے نکلی تو کسی کے ظلم سے یا ان کے تقیہ سے نکلے گی۔ یہ لوگ امامت کو قضیہ اصولیہ جانتے ہیں جو رکن دین ہے اور رسول اللہ صلعم کو بھی (نعوذ باللہ) اس کا ترک جائز نہیں ہے[1]۔ یہ اپنے امام کو صغیرہ وکبیرہ سے معصوم مانتے ہیں[2]۔ ان میں ایک فرقہ غالیہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقۃً نبوۃ حضرت علی رضؓ کے لئے تھی، غلطی سے حضرت جبرئیل نے جناب رسول اللہ صلعم پر وحی اتار دی۔ ان میں سے بعض حضرت علی رضؓ کو الٰہ یعنی خدا مانتے ہیں[3]

شیعوں کے چند فرقے یہ ہیں (۱) سبیہ عبداللہ بن سبا کے متبعین (۲) کیسانیہ مختار بن عبید ثقفی کے مقلد یہ شخص پہلے خارجی تھا بعد میں شیعہ بن گیا۔

(۳) زیدیہ۔ اس فرقہ کے امام زید بن علی حسین رضؓ ہیں۔ اس فرقہ میں نسبتاً دوسرے فرقوں کے اعتدال ہے یہ فرقہ ائمہ کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء کے مرتبہ تک نہیں پہونچاتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر خالص توبہ نہ کرے تو مخلد فی النار ہوتا ہے (۴) امامیہ۔ یہ فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضؓ کی امامت بالنص ثابت ہے بعض حضرات نے ان کے ستر فرقے بتلائے ہیں، ان میں سب سے بڑے

---

[1] ابو زہرہ ص۱۰۱ [2] مہر انور ص۲۹ [3] ابو زہرہ ص۱۰۰ [4] ایضاً ص۱۰۱

فرقے دو ہیں۔ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ

(۲) خوارج | اس کی سات شاخیں ہیں یہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور اکثر صحابہؓ کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ فرقہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہ، حضرت ابن زبیرؓ پر طعن کرتا ہے اور جو بھی ان حضرات پر طعن کرتا ہے اس کو یہ اپنی جماعت میں داخل کر لیتے ہیں۔ انھوں ہی نے حضرت علیؓ کے مقابلہ میں یہ کلمہ بلند کیا تھا۔ لاحکم الا اللہ چنانچہ جب کبھی بھی حضرت علیؓ کو دیکھتے تھے یہی فقرہ کہہ کر طعن کرتے تھے۔ حضرت علیؓ ہی نے یہ فقرہ سنکر فرمایا تھا۔

کلمۃ الحق یرید بھا الباطل[۱] بات سچ ہے مگر منشا باطل ہے

ان کا عقیدہ ہے کہ جب امام سنت کے خلاف کرے تو اس پر خروج واجب ہے ان کے مقتدا وہ لوگ ہیں جنھوں نے تحکیم کے وقت خروج کیا تھا۔ یہ لوگ کوفہ میں محلہ حرورہ میں آباد تھے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھوں انھوں نے مقام نہروان پر شکست کھائی تھی۔ بارہ ہزار خوارج میں صرف دس پانچ آدمی بچ رہے تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن کوا تھا[۲]۔ ان کے چند فرقے یہ ہیں[۳]

(۱) ازارقہ۔ متبعین نافع بن ازراق

(۲) نجدات۔ نجدہ بن عویمر

(۳) صفریہ۔ زیاد بن اصفر

(۴) عجاردہ۔ عبدالکریم بن عجرد

(۵) اباضیہ۔ عبداللہ بن اباض

(۶) یزیدیہ۔ یزید بن انیسہ

(۷) میمونیہ۔ میمون عجردی

(۳) مرجیہ | ان میں پانچ فرقے ہیں یہ فرقہ حضرت عثمان کے آخری دور خلافت

۱؎ ابو زہرہ ص ۱۲ ۲؎ مہرانور ص ۲۹ ۳؎ ابو زہرہ ص ۱۳۳

میں پیدا ہوا۔ اور ابتداء اس کی اس طرح ہوئی کہ جب شیعہ نے اہل بیت کی فضیلت میں غلو کی راہ اختیار کی اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ تک کی تکفیر کر دی اور خوارج نے تمام مسلمانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا کیونکہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ کافر ہوتا ہے تو اس فرقہ نے اس زمانے میں تمام پیدا شدہ مسائل میں نفی کی راہ اختیار کی یعنی تمام فرقوں کے مقابلے میں منفی صورت اختیار کرلی۔ چنانچہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان اقرار و تصدیق اور معرفت و اعتقاد کا نام ہے۔ ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مضر نہیں ہے جیسا کہ کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں ہے۔ ان میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کو نہ دوزخی کہا جا سکتا ہے اور نہ جنتی۔

چونکہ یہ لوگ ایمان سے عمل کو جدا مانتے ہیں اس لئے ان کا کہنا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایمان ہے یعنی تصدیق و اعتقاد ہے تو اس کے لئے بتوں کی پوجا عملاً یہودی ہو جانا یا نصرانی، مضر نہیں ہے۔

یہ فرقہ چونکہ خوارج اور معتزلہ و شیعہ کے مد مقابل پیدا ہوا تھا، اس لئے یہ فرقہ ہر اس شخص کو مرجیہ قرار دے دیتا تھا جو ان کے مسلک کے خلاف ہوتا تھا، اسی بنا پر ان فرق باطلہ نے حضرت امام اعظم اور ان کے شاگردوں کو مرجیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ کیونکہ امام صاحب کا مسلک ہے کہ نفس ایمان میں کمی، زیادتی نہیں ہوتی اور مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہے بلکہ بقدر معصیت عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اسی پروپیگنڈہ کے ماتحت امام صاحب کے ساتھ ان حضرات کو بھی مرجیہ مشہور کر دیا گیا تھا۔ حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب رضؓ، سعید بن جبیر، طلق بن حبیب، عمرو بن ابی مرۃ، محارب بن دثار، مقاتل بن سلیمان، قدید بن جعفر، یہ سب حضرات ائمہ حدیث اور فقہ ہیں اور مرتکب کبیرہ کو نہ کافر کہتے ہیں اور نہ مخلد فی النار قرار دیتے ہیں۔

افسوس کہ امام بخاری جیسے امام الحدیث اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

جیسے بزرگ انسان نے غالباً اسی پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر امام ابو حنیفہ کو اپنی اپنی کتابوں میں مرجیہ کے نام سے یاد کیا ہے۔ امام بخاری نے تو اتنی شدت اختیار کی کہ اپنی پوری کتاب صحیح بخاری شریف میں قال بعض الناس کہہ کر امام صاحب کو ہدف بنایا ہے رحمہم اللہ تعالیٰ

(۴) جبریہ اس کی چار شاخیں ہیں ان کا مسلک ہے کہ بندہ مجبور محض ہے

انما ھو مجبور فی افعالہ لا قدرۃ لہ ولا ارادۃ ولا اختیار وانما یخلق اللہ تعالیٰ الافعال فیہ علی حسب ما یخلق فی سائر الجمادات

انسان مجبور محض ہے نہ اس کو کوئی قدرت ہے اور نہ ارادہ اور نہ اختیار، اللہ تعالیٰ اس میں افعال اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح جمادات کے افعال ہوتے ہیں۔

یعنی جس طرح جمادات ہوتے ہیں اگر کسی نے حرکت دیدی تو متحرک ہو گئے ورنہ نہیں، مورخین کا بیان ہے کہ اولاً یہ عقیدہ یہود میں پیدا ہوا انھیں سے ان لوگوں نے اس عقیدہ کو حاصل کیا ہے[۲]

(۵) جہمیہ یہ فرقہ جبریہ خالصہ کی ایک شاخ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔ یہ شخص خراسان کا رہنے والا تھا اور بنی راسب کے آزاد کردہ غلاموں میں سے تھا۔ عقیدہ کے اعتبار سے یہ فرقہ معتزلہ کے بہت قریب ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات ازلی نہیں ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو حی، عالم کہنا جائز نہیں۔ یہ لوگ خلق قرآن کے بھی قائل ہیں ان کا کہنا ہے[۳]

(۱) دوزخ اور جنت، دوزخیوں اور جنتیوں کے داخلہ کے بعد فنا ہو جائینگی

(۲) خلود فی النار یا خلود فی الجنۃ سے مراد طول مکث ہے

(۳) ایمان معرفت کا نام ہے اور کفر جہل کو کہتے ہیں

(۴) اللہ تعالیٰ کا علم اور کلام حادث ہے

(۵) انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے

---

[۱] ابو زہرہ ص ۱۳۹ [۲] ایضاً ص ۱۴۱ [۳] ایضاً ص ۱۴۲

(۶) کرامیہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی ہی صفات ثابت کرتے ہیں جیسی کہ انسانوں کے لئے ثابت کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان کا معبود عرش پر مستقر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے جسم مانتے ہیں جو تحول اور نزول سے متصف ہوتا ہے[۱]

(۷) معتزلہ یہ فرقہ زمانہ خلافت بنی امیہ میں پیدا ہوا اور خلافت عباسیہ میں پروان چڑھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت حسن رضی نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی اور امور خلافت امیر معاویہ رضی کے سپرد کئے تو یہ لوگ ان دونوں حضرات سے یہ کہہ کر کہ

نشتغل بالعلم والعبادۃ — اب ہم تحصیل علم اور عبادت میں مشغول ہونگے

علیحدہ ہوگئے۔ اسی (اعتزال) کی وجہ سے ان کو معتزلہ کہتے ہیں لیکن ان لوگوں نے اپنے لئے اہل توحید اور قدریہ کا لقب منتخب کیا۔ یہ لوگ مرتکب کبیرہ کو ایمان سے خارج مانتے ہیں اور قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رویت کا انکار کرتے ہیں آیات متشابہات کی تاویل کرنا واجب سمجھتے ہیں اور انسان کو اپنے تمام افعال کا خالق مانتے ہیں وغیرہ ذلک۔ امام محمد نے ان کی اقتداء میں نماز واجب الاعادہ ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ امام ابویوسف نے ان کو زندیق کہا اور امام مالک نے ان کی شہادت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا[۲]

امام صاحب پر اعتراضات مندرجہ بالا سطور سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہے کہ امام صاحب نے جو زمانہ پایا وہ اتفاق سے وہ زمانہ تھا کہ بہت سے فرقے جنم لے چکے تھے چنانچہ تاریخ کے طالب علم پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں کا زمانہ ہے

کان عصر العباسی عصر المناظرات[۳] — دولت عباسیہ کا زمانہ مناظروں کا زمانہ ہے

بازاروں کے چوک سے لیکر امراء اور رؤسا کی مجالس تک اور درسگاہوں سے لیکر محراب و ممبر تک مناظروں ہی کا بازار گرم رہتا تھا، کوئی مجلس ان تذکروں

۱۔ اوزہرہ ص۔ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

سے خالی نہیں تھی ایسے ماحول اور زمانہ میں جہاں بعض شخصیتیں اپنی فہم و فراست کی بنا پر اوپر ابھر کر آتی ہیں تو دوسری طرف اہل ہوا کی غنڈہ گردی سے غبار آلود بھی ہو جاتی ہیں ایسے وقت میں قابل اور لائق شخصیتوں کو فراموش کرنا یہ اہل حق اور اہل انصاف ہی کا کام ہوتا ہے۔

میری یہ گذارش اس وقت بہت اچھے طریقہ پر سمجھ میں آجائے گی جب آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی توجہات کو ہندوستان میں ۱۸۵۷ء تا ۱۹۳۰ء کے بعد کے ماحول کی طرف مرکوز کر دیں گے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جس میں مناظروں کا بہت شیوع رہا ہے۔ عیسائی، آریہ، قادیانی، غیر مقلد، بریلوی، دیوبندی غرضکہ بہت سے فرقے مناظرہ کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کا طالب علم اچھی طرح جانتا ہے کہ اہل ہوا نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہم اللہ کے خلاف کیسے کیسے فتوے صادر فرمائے اور کس کس طرح ان کو بدنام کیا۔ بایں ہمہ اہل خرد برابر ان حضرات کی قابلیت اور کاملیت کے معترف رہے

بالکل اسی طرح سے امام صاحب کے ساتھ حادثہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فہم رسا اور دماغ اکمل درجہ کا عطا فرمایا تھا۔ اپنے مخالفوں کو ان ہی کے الفاظ میں خاموش کر دینا امام صاحب کے نزدیک ایک معمولی کام تھا۔ لہذا طرح طرح کے اتہام لگا کر ان کو بدنام کرنا شروع کیا۔ کسی نے مرجی کہا تو کسی نے قیاس اور اہل الرائے ان کا نام رکھ دیا۔ دوسری طرف بعض معاصرین کو بھی ان کی ابھرتی ہوئی شخصیت سے حسد اور تعصب پیدا ہوا۔ غرضکہ اسی طرح رطب و یابس باتیں ایک دور سے لیکر دوسرے دور کی طرف منقول ہوتی رہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ اس گروہ میں بہت سے اہل عدل اور اہل انصاف بھی ہوئے جنھوں نے حالات اور واقعات کا تجزیہ کیا اور دودھ پانی کو علیحدہ علیحدہ کر کے دکھا دیا جس کی وجہ سے وہ علما جو گروہی تعصب میں

گرفتار نہیں ہوئے تھے روشنی میں ضرور آ گئے لیکن کچھ حضرات ایسے بھی ضرور رہے جو امام صاحب کی طرف سے اپنے دل و دماغ کو صاف نہ کر سکے اور یکطرفہ فیصلہ کرتے رہے اس کے علاوہ عراق، شام، بخارہ، سمرقند، مصر اور دوسرے ممالک وہ تھے جہاں اسلامی قانون میں فقہ حنفی ریاستی دستور قرار دیا جا چکا تھا، عدالتی نظام اسی فقہ کے علماء کے ہاتھ میں تھا جنھوں نے اپنے ہی فقہ کی روشنی میں مقدمات فیصل کیے لہٰذا وہ لوگ جو کسی دوسرے فقہ کے مقلد تھے یا صرف حدیث ہی پر اکتفا کیے ہوئے تھے، ان کے نزدیک یہ عدالتی فیصلے سراسر ظلم اور قرآن و حدیث کے خلاف ٹھہرے جس کی بنا پر حنفیہ پر سخت اور کافی تنقیدیں ہوئیں اور زبان سے قلم اور سینہ سے سفینہ کی طرف منتقل ہو گئیں، جس کی وجہ سے متاخرین علماء اور محدثین نے حنفیہ پر ضرورت سے زیادہ ہاتھ صاف کیا۔

امام بخاری اور امام ذہلی

امام صاحب پر بعض اعتراضات غلط فہمیوں اور قلت تحقیق کی بنا پر بھی ہوئے۔ چنانچہ امام بخاری اور اُن کے اُستاذ امام ذہلی کے درمیان شکر رنجی محض غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئی جس کو ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں جو ہماری گذارشات کیلئے مؤید ثابت ہوگی

امام بخاری ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لائے اور یہاں مدت تک قیام کیا اس اثنا میں وہ روزانہ درس دیتے تھے۔ امام محمد بن یحییٰ الذہلی کو جب امام بخاری کے نیشاپور تشریف لانے کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے شاگردوں اور دوستوں سے کہا کہ تم لوگ اس عالم مرد صالح کے پاس جاؤ اور ان سے احادیث کا سماع کرو، لوگ ان کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے امام کے درس حدیث میں شرکت شروع کر دی لیکن بعد میں اُن کی مجلس میں خلل پیدا ہو گیا۔ حاتم بن احمد محمود نے امام مسلم کے حوالہ سے جو روایت کی ہے وہ اس سے زیادہ تفصیلی ہے۔ فرماتے ہیں امام بخاری نیشاپور آئے تو ان کا استقبال اس قدر شاندار ہوا کہ ایسا استقبال نہ میں نے

کسی گورنر کا دیکھا اور نہ کسی اور حاکم کا، اہل نیشا پور شہر سے نکل کر دو تین منزل تک گئے۔ امام ذہلی نے اپنی مجلس میں فرمایا جو شخص امام بخاری کے استقبال کا ارادہ رکھتا ہو اسے ضرور جانا چاہئے۔ اور میں خود بھی ان کے استقبال کیلئے جاؤنگا چنانچہ نیشاپور میں چھوٹا بڑا کوئی ایسا عالم نہ تھا جو امام بخاری کے استقبال میں شریک نہ ہوا ہو، ان لوگوں کے علاوہ امام بخاری کے مشتاقان زیارت کا اتنا ہجوم تھا کہ مکانوں کی دیواریں اور چھتیں آدمیوں سے پٹی پڑی تھیں۔ آپ نے یہاں آکر دار البخاریین میں قیام فرمایا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو امام بخاری کے استقبال میں شرکت کی دعوت دینے اور اس میں خود شریک ہونے کے باوجود اپنے تلامذہ کو اس بات کی تاکید کردی کہ وہ امام ہمام سے کسی مسئلہ میں استفسار نہ کریں کیونکہ اگر انھوں نے اس کا جواب ان کے مسلک کے خلاف دیدیا تو فرق باطلہ کو شماتت کا بہانہ ہاتھ آجائے گا، لیکن لوگ کب بعض آنے والے تھے، امام بخاری نے دوسرے دن درس شروع کیا تو وہیں ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا، حضرت! الفاظ قرآن کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ ہمارے تمام افعال مخلوق اور حادث ہیں۔ اور ہمارے الفاظ ہمارے افعال ہی ہیں۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مجلس میں سخت اضطراب اور شور وغل پیدا ہوا، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، نوبت بایں جا رسید کہ گھر والوں کو مجبور ہو کر ان غل مچانے والوں کو گھر سے باہر نکالنا پڑا۔ انتہیٰ[1]

یہ ہے وجہ اختلاف امام بخاری اور امام ذہلی کے درمیان جس کو یار لوگوں نے خوب اچھالا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نہ امام ذہلی کو حسد پیدا ہوا اور نہ ہی امام بخاری قرآن کے مخلوق ہونیکے قائل ہیں، ایک غلط فہمی پیدا ہوئی اور اس نے خلیج پیدا کردی۔

اسی طرح سے امام صاحب کی طرف سے بعض علماء مثلاً امام بخاری کو

---

[1] مقدمہ فتح الباری صفحہ ۲۰۴ ج ۲

غلط فہمی ہوئی یا ان کو یکطرفہ معلومات پہونچی ورنہ ہم امام بخاری کو (باوجودیکہ ان کی تنقیدات نہایت سخت ہیں) پاک باطن ہی خیال کرتے ہیں اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔ انھوں نے اگر امام صاحب پر تنقید کی وہ جانیں اور اُن کا خدا، میرا اور میرے قلم کا ہرگز یہ مقام نہیں ہے کہ میں امام صاحب پر تنقید کروں یا ان کی تغلیط و تکذیب انھوں نے امام صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں وہ پاک باطن ہیں، ہاں یہ بات دیگر ہے کہ میں ان کی تنقید یا دیگر حضرات کی تنقید کو پسند نہ کروں اور تحقیقات کے معیار پر صحیح قرار نہ دوں، اسی کے ساتھ میں یہ بات بھی صفائی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ جن حضرات نے امام صاحب پر جو اعتراضات کئے ہیں ان سے امام صاحب کا مقام اور بلند ہوگیا، کیونکہ

رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

امام صاحب پر اس اعتراف کے بعد کہ وہ آئمہ مجتہدین میں صاحب مسلک و اجتہاد اور تابعی ہیں" اعتراضات خواہ وہ کسی بھی قسم کے ہیں تار عنکبوت ہو جاتے ہیں، اس لئے مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں گڑے ہوئے مردے اکھاڑوں، حق یہ ہے کہ امام صاحب پر اعتراضات ہی ان کے امام اعظم ہونے کی دلیل ہیں۔

امام صاحب نے علم کلام میں کون سی راہ اختیار کی عقائد میں ان کا کیا مسلک ہے اور اس پر بعض نے کیا اعتراضات کئے ہیں۔ اس تفصیل میں جانے کے بجائے امام صاحب کا ایک خط جو انھوں نے اپنے زمانے کے مشہور محدث عثمان بتی کے نام تحریر فرمایا تھا پیش کرتا ہوں۔ اس خط سے جہاں امام صاحب کا مسلک خود ان کے قلم سے واضح ہوگا، وہاں اس زمانے کے بعض علمار کی غلط فہمیوں کی طرف اشارہ ہوتے ہوئے امام صاحب پر اعتراضات کی تاریخی نوعیت بھی واضح ہو جائے گی

عثمان بتی امام صاحب کے زمانے کے ایک مشہور محدث تھے، ان کے پاس جب امام صاحب کے متعلق غلط خبریں پہونچیں تو انھوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ

آپ مرجیہ ہیں اور آپ کے نزدیک مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔ امام صاحب نے جو تفصیلی جواب دیا وہ سطور ذیل میں درج کیا جارہا ہے

مکتوب امام صاحب ابو حنیفہ کی طرف سے عثمان بتی کو سلام علیک! میں آپ کی طرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی حمد بھیجتا ہوں

بعد ازیں میں آپ کو تقویٰ واطاعت خداوند تعالیٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ حساب لینے والا اور جزا دینے والا کافی ہے۔ میری طرف جناب کا گرامی نامہ آیا، جو کچھ نصیحت آپ نے اس میں تحریر فرمائی تھی میں نے اس کو سمجھا، جناب نے اپنے والا نامہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میری خیر اور بھلائی کی وجہ سے ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ غالباً آپ کو میرے متعلق کہیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ " میں مرجیہ ہوں" اور میں مومن کو گمراہ کہنے کا قائل ہوں" اور یہ بات آپ کو بار خاطر ہے۔ لہٰذا میں قسمیہ عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ حالانکہ میرا عقیدہ قرآن کریم اور دعوت رسول اللہ صلعم اور آپ کے اصحاب پر ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ میرے نزدیک بدعت ہے، لہٰذا میرے اس عریضہ پر غور فرمائیے۔

اگر مجھے آپ کے متعلق یہ امید نہ ہوتی کہ آپ کو میرے اس عریضہ سے اللہ تعالیٰ کچھ نفع نہیں پہونچائے گا، تو میں یہ عریضہ ہرگز نہ تحریر کرتا۔ لہٰذا آپ نے جو رائے قائم کرلی ہے اس کو ترک کیجئے اور شیطانی وسواس سے بچئے۔ (اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ اور میں اسی سے اپنے لئے اور آپ کے لئے حسن توفیق اور رحمت خداوندی کو مانگتا ہوں۔

میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ " حضور صلعم کے مبعوث ہونے سے پیشتر انسان مشرک تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اس کا اقرار کرنے والے اسلام میں داخل ہو گئے۔ اور مومن ہو گئے، اور شرک سے بری ہو گئے، اور ان کا مال، جان دوسروں پر حرام ہوگیا، اور مسلمانوں پر ان کا حق قرار دیدیا گیا

حالانکہ اس اقرار سے قبل ... ... اس معاہدے (اقرار) کے تارک کے لئے یہ حکم نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس کا اسلام میں داخل ہونا مقبول تھا یا قتل یا جزیہ یعنی اسلام کی طرف بلوانے کے لئے یہ تین شرطیں تھیں،

اس کے بعد یعنی اسلام لانے کے بعد مومنین پر فرائض نازل ہوئے جن پر ایمان کی حالت میں عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

الذین امنوا وعملوا الصلحت — جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے۔

اور اس کے علاوہ مثل اس کے دوسری آیات قرآنیہ موجود ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ عمل کا ضائع کرنے والا ایمان ضائع کرنے والا (غیر مومن یا بالفاظ دیگر کافر) نہیں ہے، اور اگر ایسا قرار دیا جائے گا تو ایمان کے بجائے اس کا کوئی دوسرا نام تجویز کرنا ہوگا اور ایسے لوگ حرمت و حقوق ایمان سے خارج ہو کر اپنی حالت قدیم (شرک) کی طرف لوٹ جائیں گے، اور آپ اس کے فرق سے بخوبی واقف ہیں کہ لوگ ایمان میں تو مختلف المراتب نہیں، ہاں عمل میں مختلف المراتب ہیں۔

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

شرع لکم من الدین ما وصی	تمہارے لئے اسی دین کو مقرر کیا ہے جس کی
بہ نوحا والذی اوحینا الیک	وصیت حضرت نوح کو کی تھی، اور جو کچھ آپ
وما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی	کی طرف ہم نے وحی کیا، اور جس کی حضرت
ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ	ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ کو وصیت

کی تھی کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفریق پیدا نہ کرو

معلوم ہوا کہ ایمان باللہ و رسول کی ہدایت مثل فرائض اعمال کے نہیں ہے، یعنی یہ دونوں چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں معلوم نہیں آپ کو یہ اشکال کہاں سے پیدا ہو گیا، آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں، بس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے اعتبار سے

مومن ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کیئے ہیں۔ کیا آپ اسی شخص کو جو خدا اور اس کے رسول کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کے برابر قرار دیں گے جو مومن ہو، لیکن اعمال سے ناواقف ہو، اللہ تعالیٰ نے فرائض کی تعلیم کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ان تضل احدٰاھما فتذکر ایک گمراہ ہو (بھول گئی ہو) تو دوسری احدٰاھما الاخریٰ الآیۃ یاد دلادے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ارشاد فرمایا

فعلتھا اذاً وانا من الضالین جب میں نے یہ کام کیا تھا تو میں گمراہ الآیۃ (ناواقف تھا)

اس کے علاوہ اور بہت سی آئتیں ہیں جو اس دعوے کے لئے دلیل قاطع ہیں اور احادیث تو اور بھی زیادہ واضح ہیں۔ کیا آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے نہیں ہیں؟ "مومن ظالم"، "مومن مخطی"، "مومن عاصی"، "مومن جاہل"۔ "مومن مذنب" یہ ہوتا ہے کہ مومن ناواقف ہے لیکن گنہگار ہے (یعنی ناواقفیت کی وجہ سے لیکن باینہمہ عاصی ہے) اور خطاکار ہو لیکن ایمان کی وجہ سے باہدایت ہو۔ خطاکار بھی اور گمراہ بھی ہو۔ جب ہی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے (اپنے زعم باطل میں فرض کرکے) اپنے والد محترم کو کہہ دیا تھا۔

ان ابانا لفی ضلال مبین ہمارا باپ کھلی گمراہی میں ہے۔

یعنی اس معاملہ میں بھی وہ گمراہی میں مبتلا ہیں، نعوذ باللہ۔ یہ آپ پر اعتراض نہیں ہے۔ حاشا اللہ۔ آپ خود قرآن کے بڑے عالم ہیں۔ یعنی اس تقریر سے مقصود آپ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ الفاظ اور معنی اور حقائق کے فرق کو ظاہر کرنا مقصود ہے

(اور ملاحظہ فرمائیے) حضرت عمر رض، حضرت علی رض امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے یہ معنی تھے کہ وہ صرف اُن لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے۔ حضرت علی رض نے اہل شام کو (جو ان سے لڑے تھے)

مومن کہا، کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے، پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے، کیا آپ قاتلین، مقتولین دونوں کو برسرِ حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علی اور طرفداران علیؓ کو) برسرِ حق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اس کو خوب سمجھ لیجئے۔ اور غور کر لیجئے کہ میرا یہ قول ہے (اھل القبلۃ مومنون اہل قبلہ مومن ہیں۔ میں کسی فرض کے ترک کی وجہ سے کسی کو ایمان سے خارج نہیں کرتا ہوں۔ میں کہتا ہوں جس نے تمام فرائض کو ادا کیا وہ اہل جنت ہے۔ اور جس نے ایمان و عمل دونوں کو ترک کر دیا وہ کافر اور دوزخی ہوا، اور اگر کسی مومن نے کوئی فرض ترک کر دیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے اس کی مغفرت کرے اور چاہے اس کو عذاب دے۔

میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا آپس کا اختلاف اللہ تعالیٰ اس سے بہتر واقف ہے۔ اس بارے میں مجھے آپ کی رائے نہیں معلوم کہ کیا ہے اور آپ اہل قبلہ کو ترک فرائض کی وجہ سے کیا کہتے ہیں میں نے جو کچھ عرض کیا وہی اصحاب رسول اللہ صلعم کا مسلک ہے اور وہی سنت ہے اور وہی فقہ ہے۔ حضرت نافع نے بھی فرمایا ہے کہ یہی قول حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ہے اور عبد الکریم نے طاؤس نے اور انھوں نے ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہی حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اور انھوں نے اپنی کتاب القضاء میں دونوں جماعتوں کو مومن کہا ہے اور یہی عمر بن عبد العزیز نے فرمایا ہے۔ اسی قول کو میں نے اہل عدل سے اخذ کیا ہے۔

اگر مجھے کلام کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں آپ کی تسلی خاطر کے لئے اور زیادہ بسط سے تحریر کرتا۔ پھر اگر آپ کو شک رہے اور اہل بدع میری طرف سے آپ کو اور کوئی چیز منسوب کر کے بتلائیں تو آپ اس کی اطلاع مجھے ضرور دیں میں انشاء اللہ اس کا جواب دوں گا۔ واللہ المستعان رزقنا اللہ منقلبا کریما و حیاۃ طیبۃ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکات۔ والحمد للہ رب العلمین والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین[1]

---

[1] معجم المصنفین ص ۱۹۲ تا ۱۹۶، ج ۱

فقہ اکبر اور امام ابو حنیفہ

فقہ اکبر امام ابو حنیفہ ہی کی کتاب ہے لیکن افسوس۔ کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت ایمان میں اسی راہ کو اختیار کیا ہے، مجھے معلوم نہیں کہ وجہ انکار کیا ہے۔ ہاں راقم الحروف کے نزدیک فقہ اکبر امام صاحب ہی کی تصنیف ہے جس سے انکار مشکل ہے

فقہ اکبر حضرت امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے یا نہیں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر دو فریق (منکرین اور مثبتین) نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی تالیف سیرت نعمان میں فرمایا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں ہے اور آخر میں فرمایا ہے۔

ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے الخ

ظاہر ہے کہ یہ کوئی تسلی بخش جواب نہیں بلکہ اہل تحقیق کے لئے دعوت ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ رائے غلط ہے یا صحیح اس کا تجزیہ تو ہم ذیل میں کریں گے۔ لیکن اسی رائے کے مقابلہ میں دو رائیں اور پیش کر دیں۔

(۱) مولانا فقیر محمد صاحب لاہوری نے صاحب اتحاف النبلا کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب حدائق الحنفیہ میں تحریر فرمایا ہے

متعصب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابو حنیفہ سے کوئی تالیف بھی بسند صحیح ماثور نہیں اور ایک جماعت علماء نے اس سے انکار کیا ہے) پایۂ اعتبار سے بالکل عاری ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی اُن کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف

بعض معتزلہ لوگوں نے انکار کیا ہے۔ سو ان کا اعتبار قابل اعتبار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کی تالیف میں سے کتب فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم وکتاب الاوسط، کتاب الوصیۃ کتاب المقصود ایسی مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں۔ اگر ان کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابو زید کی کتاب الزکوٰۃ المخارج اور ابو سہل الغزالی کی کتاب طہارت کے باب الحیض اور ابو علی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدۃ اور ابو المنصور ماتریدی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوٰۃ السوائم اور کتاب الوکالت بالبیع والشراء اور ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کو دیکھو۔[1]

(۲) علامہ کردری نے مناقب کے صفحہ پر تحریر فرمایا ہے۔

فان قلت لیس لابی حنیفۃ کتاب مصنف قلت ھذا الکلام المعتزلۃ ودعواھم انہ لیس لہ فی علم الکلام تصنیف غرضھم بذلک نفی ان یکون الفقہ الاکبر وکتاب العالم والمتعلم لہ لانہ صرح فیہ باکثر قواعد اھل السنۃ والجماعۃ ودعواھم انہ کان من المعتزلۃ وذا الکتاب لابی حنیفۃ البخاری وھذا غلط صریح فانی رایت بخط العلامۃ مولانا شمس الملۃ والدین الکردری البرانیقی

اگر تو یہ کہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے تو میں کہتا ہوں یہ بات معتزلہ کی ہے کہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں کوئی کتاب نہیں۔ اس سے ان کی غرض فقہ اکبر اور العالم والمتعلم کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کرنا ہے، اس لئے کہ امام صاحب نے اس کتاب میں اہل سنت والجماعت کے بہت سے قواعد ذکر کئے ہیں اور معتزلہ کا دعویٰ کہ امام صاحب معتزلی تھے، اور یہ کتاب ابو حنیفہ بخاری کی ہے غلط ہے، کیونکہ میں نے علامہ کردری براتیقی العمادی کے

---

[1] حدائق الحنفیہ

العمادی هذین الکتابین و مکتب فیهما انهما لابی حنیفة وقد تواطؤ علی ذالک جماعة کثیرة من المشائخ	ہاتھ سے ان دونوں کتاب پر لکھا دیکھا ہے کہ یہ کتاب ابو حنیفہ کی ہے اور اسی پر مشائخ کی ایک جماعت کثیرہ نے اتفاق کیا ہے

علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابو حنیفہ بخاری، اور فقہ اکبر از امام ابو حنیفہ) کو علامہ برانقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا تھا، الفقہ الاکبر لابی حنیفہ، علامہ برانقی عمادی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ھ ہے۔ ایک معتبر فقیہ اور محدث ہیں۔ ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لابی حنیفہ لکھنے سے ہرگز نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابو حنیفہ بخاری کی ہیں بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابو حنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابو حنیفہ الکوفی ہیں۔ اور اسی بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جن کے مصنف علیحدہ علیحدہ مذکورہ دونوں صاحب ہیں، مشائخ کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے متعلق اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک خلجان پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے، اور رائیں کیا ہیں۔ کوئی فقہ اکبر کو امام صاحب کی کتاب بتاتا ہے کوئی فقہ اکبر کو ابو حنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابو حنیفہ بن یوسف کی اور ایک ابو مطیع بلخی کی ہے اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل و قرائن ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے کلام کریں اور اصل حقیقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کریں۔ (اس سے مقصود تحقیق ہے تنقید و تبصرہ نہیں ہے۔

فقہ اکبر کا تاریخی پس منظر

فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے مصنف کا نام بھی ابو حنیفہ ہے۔ فرق اتنا ہے

کہ ایک ابو حنیفہ بن نعمان بن ثابت الکوفی المعروف بالا امام الاعظم صاحب مسالک حنفیہ اور دوسرے ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے یعنی تمام مسائل اس کے حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں، جس کے راوی ابو مطیع البلخی ہیں جنھوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے

ابو مطیع بلخ کے رہنے والے ہیں اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور احادیث ابن عون ہشام بن حسان ابراہیم بن طہان سے روایت کرتے ہیں ان سے بھی ایک جماعت کثیر نے روایت کی ہے مثلاً احمد بن منیع وقلاد بن مسلم الصفار ابن مبارک ان کے علم اور فقہ کی قدر کرتے ہیں اور ان کے بہت زیادہ مداح ہیں ۱۶ سال تک بلخ کے قاضی رہے ۱۹۷ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا یہی فقہ اکبر کو امام صاحب سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ سطور میں ہم ان کے فقہ اکبر کو فقہ اکبر مرویہ کے نام سے یاد کریں گے الحمدللہ کہ اصل نسخہ ہمارے پاس موجود ہے جس کی ابتدائی سندیہ ہے۔ اخبرنا الشیخ الامام الزاھد الاستاذ سیف الحق والدین قامع البدعۃ والضلالۃ ابو المعین میمون بن المعتمد المکحولی النسفی انار اللہ برھانہ۔ قال الشیخ الامام ابو عبد اللہ الحسین ابی الحسین الکاشغری الملقب بالفضل قال ابو مالک نصران بن حسم الختلی قال حدثنا ابو الحسن علی بن الحسین بن محمد الغزالی قال حدثنا نصیر ابن یحی الفقیہ۔ قال سمعت ابا مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی قال سالت ابا حنیفۃ النعمان بن ثابت اور فقہ اکبر ابو حنیفہ بن یوسف بخاری کا طرز عبارت یہ نہیں ہے بلکہ اس کا طرز عبارت مابعد کے زمانہ کا ہے اس کے مصنف نے بہت سے مسائل اپنی طرف سے اضافہ کر دیئے اور جن مسائل کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے وہ اس کتاب میں اقتباس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرور ایام کی

وجہ اور کاتبین وناسخین کی غلطی سے بہت کچھ ردوبدل ہو گیا ہے۔ الحمد للہ کہ اس کا صحیح نسخہ ہمارے پاس ہے جس کو ہم امام صاحب کی طرف منسوب کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

فقہ اکبر اور علماء

صاحب کشف الظنون نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ابو مطیع بلخی نے فقہ اکبر کو خاص امام ابوحنیفہ سے روایت کیا اور اس کے بہت شراح ہیں۔ مثلاً محی الدین بن محمد سنہ ۶۵۶ھ مولی الیاس بن ابراہیم سینوبی مولی احمد بن محمد سنہ ۹۳۹ھ ابراہیم بن حسام الکرمانی سنہ ۱۰۱۶ھ۔ ملا علی قاری، صاحب کشف الظنون نے جن شروحات فقہ اکبر کا انتساب امام سے کیا ہے۔ وہ اگر غور سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر مشہور کی شروحات ہیں نہ کہ فقہ اکبر مرویہ کی۔ لوگ امام صاحب کی تصانیف کو پیاسوں کی طرح تلاش کر رہے تھے، اسی کو نعمت بار دہ سمجھا، اور بخاری کی کتاب کو امام صاحب کی تصنیف سمجھ لیا۔

علامہ عبدالرسول برزنجی نے تحریر فرمایا ہے کہ مجھے ابوحنیفہ کا صحیح نسخہ ملا ہے جس کی روایت ابو مطیع تک پہونچتی ہے، اور یہ فقہ اکبر سنہ ۶۵۱ھ کا کتابت کیا ہوا ہے علامہ برزنجی فرماتے ہیں کہ علامہ قاری نے جس فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے وہ ابوحنیفہ بخاری کا فقہ اکبر ہے۔ ابوحنیفہ بخاری کے فقہ اکبر کی عبارت اس طرح ہے قال الامام قد وثق الانام الکوفی۔ لہٰذا اس کتاب میں وہ مسائل بھی اضافہ ہیں جو امام صاحب سے مروی نہیں ہے۔ صاحب کشف الظنون نے یہ خیال نہ فرمایا کہ فقہ اکبر کی جن شروحات کا حوالہ انھوں نے دیا ہے وہ سب کی سب سنہ ۹۰۰ھ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ اگر یہ شروحات اصل فقہ اکبر کی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ متقدمین مثلاً ابواللیث سمرقندی امام طحاوی وغیرہ وغیرہ حضرات متقدمین نے کیوں نہ اس کی شروحات لکھیں لہٰذا فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

(۲) علامہ کردری برانیقی حمادی نے ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے

لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ علامہ بر انیقی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔ ایک ثقہ محدث وفقیہ ہیں۔ ان سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے غلط لکھ دیا ہے۔

(۳) فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع کی روایت سے مروی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور

(۴) فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں قال ابو حنیفہ قدوۃ الانام لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا اور بعض جگہ ناسخین کا تصرف ہے۔

(۵) جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر

(۶) ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کے جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

(۷) فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنیفہ نے بھی ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہیں [1]

(۸) شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت کی ہے [2]

(۹) حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ علو میں لکھا ہے روی ابو المطیع الحکم بن عبد اللہ فی الفقہ الاکبر۔ معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے [3]

(۱۰) ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے [4]

(۱۱) علامہ قونوی کی روایات بھی اسی قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

(۱۲) علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

---

[1] مہر انور [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

(۱۳) جو مسائل فقہ اکبر مشہور میں ہیں مثلاً کفر والدین رسول اللہ صلعم وہ مرویہ میں نہیں ہیں ۔ امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا ان پر افترا ہے۔ یہی حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں لکھا ہے

شبہات کا ازالہ

(۱) فقہ اکبر پر کچھ شکوک اور شبہات قائم کیے جاتے ہیں مثلاً علامہ شبلی اور ابو زہرہ مصری کو اشکال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکیف، بالعرض، بالذات کا ذکر ہے، اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں ان کا وجود نہیں تھا، بیشک لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جا سکتا ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے

(۲) مولانا شبلی کو یہ شک ہے کہ اگر فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے تو صاحبین نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ جواب اس کا ظاہر ہے۔ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں ہم ایسے مسائل بھی دکھلا سکتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے ان کو ذکر کیا ہے، لیکن امام محمد اس کی روایت قال بعض سے کرتے ہیں۔ اور امام ابو یوسف کا نام نہیں لیتے کیوں؟ اس کی وجہ اگر دریافت کرنی ہو تو حاشیہ طحطاوی علی المراقی اور کبیری میں زیر مسئلہ ذہ صلوٰۃ فسدت الخ دریافت کرنی چاہیے۔

غرضیکہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے اور یہی حق بھی ہے کیونکہ فقہ اکبر مرویہ کو اگر دیکھا جائے تو ابو مطیع کی حیثیت محض ایک سائل کی ہے۔ انھوں نے امام صاحب سے سوال کیا ہے اور امام صاحب نے اس کا جواب مدلل قرآن و حدیث سے دیا نہایت سیدھی اور صاف عبارت ہے نہ کوئی اصطلاحی لفظ ہے .. ..

.. .. اور نہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو ما بعد کی پیداوار ہے داگر مضمون کے طویل ہونے کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کے اقتباسات بھی پیش کر دیتے) فقہ اکبر مرویہ کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کوئی مستفتی سوال کرے اور مفتی اس کا جواب عنایت فرمائے۔ بعد میں یہ مستفتی ان سب فتاویٰ کو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دے تو اس سے وہ مستفتی کی کتاب نہیں ہوتی مثلاً

فتاویٰ امدادیہ کو حضرت تھانوی اور فتاویٰ رشیدیہ کو حضرت گنگوہی کی کتاب کہا جاتا ہے نہ کہ مستفتی صاحبان کی۔ اسی طرح مثال کے طور پر مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی کی کتاب ہے نہ کہ نجم الدین اصلاحی اور دیگر مکتوب الیہم کی۔ بس بالکل یہی حال فقہ اکبر مرویہ کا ہے ابو مطیع کا ایک لفظ بھی اس میں موجود نہیں ہے تو پھر کیا معنی ہیں کہ اس کتاب کو ابو مطیع کی کتاب قرار دیا جائے۔ حق اور انصاف یہی ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے لیکن مجھے اس رائے کے اوپر اصرار نہیں ہے اور نہ اس کے قبول کرنے پر کوئی مجبور ہے۔ میں اپنی رائے کو کسی کے سر نہیں تھوپنا چاہتا۔[1]

امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف اور کتابوں کے بارے میں ہم نے یہاں تک جو کچھ تحریر کیا ہے وہ نہایت تحقیق کے بعد تحریر کیا ہے اور اس کے وجوہات اور دلائل پیش کئے ہیں۔ لیکن ہمارے بعض معاصرین نے تحریر فرمایا ہے کہ ہم نے محض زبردستی کی ہے۔ لیکن اس کی وہ وجہ نہیں بیان کر سکے کہ زبردستی سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ ہم نے دوسروں کی کتابوں کو خواہ مخواہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا۔ جو امام محمدؒ نے کتاب الاوسط کے بارے میں تحریر فرمایا ہے

انہ استعاد منی کتاب الاوسط لابی حنیفۃ وحفظہ فی یوم ولیلۃ (مرقاۃ)	امام شافعی نے مجھ سے امام ابو حنیفہؒ کی کتاب الاوسط مانگی اور اسکو ایک دن رات میں یاد کر لیا

یہ ارشاد امام محمدؒ نے امام شافعی صاحبؒ کے محامد میں بیان فرمایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے پاس امام ابو حنیفہ کی کتاب الاوسط موجود تھی جس کو امام شافعی صاحبؒ نے طلب فرما کر یاد کیا۔ عربی زبان میں جب کسی کتاب

---

[1] علامہ کوثری فرماتے ہیں کہ فقہ اکبر کا ایک نسخہ بروایت حماد بن ابی حنیفہ بھی مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں موجود ہے، اس نسخہ میں علامہ ابراہیم کورانی کی سند بھی موجود ہے (از مولانا حبیب الرحمن اعظمی)

پر کسی مصنف کا نام لکھا جاتا ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ "لفلان" لکھا جاتا ہے۔ لام حرف جار کا یہی فائدہ اور اسی نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ لام اختصاص کے لئے بھی آتا ہے۔ مراد اس سے یہی ہے کہ "الاوسط" امام ابو حنیفہؒ کی کتاب ہے۔ اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی ہیں۔ خصوصاً فقہ اکبر کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ البتہ فقہ اکبر مروجہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا انتہائی نادانی اور لاعلمی کی بات ہے، اور یہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ فقہ اکبر مروجہ امام ابو حنیفہؒ کی کتاب نہیں ہے۔ یہ ابو حنیفہ بخاری کی کتاب ہے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب یازدہم

امام ابو حنیفہ کی عملی زندگی

تصوّف، عبادات، اخلاقیات، معاملات

مآخذ و حوالہ جات

۱ مناقب — از علامہ موفق

۲ سیرت النعمان — از علامہ شبلی

۳ مناقب — از علامہ کردری

۴ رسالہ چٹان — از شورش کاشمیری

۵ نفحات الانس — از مولانا عبدالرحمن جامی

۶ کشف المحجوب — از شیخ ہجویری

۷ مکتوبات — از حضرت مجدد الف ثانی

۸ مکتوب — از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

۹ الانتباہ — از شاہ ولی اللہ

۱۰ موضوعات کبیر — از ملا علی قاری

۱۱ تذکرۃ الخلیل — از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی

۱۲ لغات القرآن — از مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی

حُلیہ شریف

یوں تو سب ہی انسان اپنی تخلیق و تقویم میں تمام مخلوقات سے اشرف ہیں کوئی دوسری مخلوق دلربائی اور دل آویزی میں اس کی ہمسر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم الآیۃ — ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

وصورکم واحسن صورکم — تمہاری صورتیں بنائیں تو خوب اچھی بنائیں

اس احسنیت مشترکہ میں بھی انسانوں کے مراتب ہیں، کوئی ان میں سے یوسف ہے تو کوئی نہایت کریہہ المنظر اور زشت رو ہے۔ بایں تفاوت اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ظاہری زیب و زینت قبولیت کا مدا نہیں ہے بہت سے خوب رو نہایت بدخو ہوئے ہیں اور بہت سے بدرو خوش خو ہوتے ہیں اور اسی پر قبولیت اور شرافت کا مدار ہے۔ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سعد الاسودؓ اور حضرت عطا بن رباح (مشہور تابعی) ظاہراً کیسے تھے، لیکن باطناً ان کو وہ مقام حاصل ہے جس سے شرمندہ آفتاب و قمر ماہتاب ہے"

خاک کے پردے میں ہیرے کی کنی ہوتی ہے

حضرت امام ابوحنیفہ انھیں خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو ظاہری و باطنی ہر قسم کی دل ربائی حاصل ہے۔ آپ کا حلیہ بیان کرنے والے حضرات بیان کرتے ہیں۔

۱- امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب میانہ قد تھے یعنی نہ بہت پست

اور نہ بہت زیادہ دراز حسین صورت اور شیریں کلام تھے

۲۔ حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش لباس تھے اور اس قدر خوشبو استعمال کرتے تھے کہ ہم لوگ محض خوشبو ہی سے پتہ لگا لیتے تھے[۱] کوئی اس راہ سے ہو کر گیا ہے

۳۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ امام صاحب نہایت خوبصورت اور نہایت خوش لباس تھے۔ آپ کی ریش مبارک نہایت خوبصورت تھی، آپ جوتا اور کپڑا بہت عمدہ پہنتے تھے[۲]

۴۔ ابو مطیع بلخی کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب کو نہایت قیمتی چادر پہنے دیکھا، جس کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی[۳]

۵۔ ایک دن نصر بن محمد امام صاحب سے ملاقات کے لئے گئے۔ امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری فرما رہے تھے، ان سے کہا ذرا دیر کے لئے مجھے اپنی چادر دیجئے جب امام صاحب واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لے کر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ نصر کہتے ہیں کہ وہ چادر میں نے پانچ دینار کی خریدی تھی اور مجھ کو اس پر ناز تھا، اس لئے امام صاحب کی شکایت پر تعجب ہوا۔ دوسرے موقعہ پر جب میں نے امام صاحب کو دیکھا تو آپ تیس دینار کی چادر اوڑھے تھے تو میرا تعجب جاتا رہا[۴]

۶۔ امام صاحب گو درباریوں سے کوسوں دور رہتے تھے لیکن خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے جو ٹوپی مقرر کی تھی (جس کا رنگ سیاہ تھا)، یہ بھی آپ کے پاس بیک وقت سات سات ہوتی تھیں[۵]

امام صاحب کی یہ ظاہری نظافت اور طہارت ان کی نظافت طبع پر دلالت کر رہی ہے جس سے انسانی اخلاق و عادات کو معلوم کرنے میں کافی امداد ملتی ہے امام صاحب کے اخلاق و عادات، معاملات وغیرہ تمام چیزوں کا تذکرہ کرنے

۱؎ موفق صفحہ ۲؎ ایضاً ۳؎ سیرت النعمان صفحہ ۴؎ ایضاً ۵؎ النباء صفحہ

کے لئے ہم نے ایک جامع لفظ "تصوف" کو اختیار کیا ہے۔ اسی کے ضمن میں ہم تمام چیزوں کو بیان کریں گے، کیونکہ ہمارے نزدیک تصوف تمام چیزوں پر حاوی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جیسا کہ بعض جہال نے خیال کر رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے دین وفقہائے شرع متین میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو ایک ولی میں ہونا ضروری ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں

ان لم تکن فی الدنیا والاخرۃ العلماء والفقہا اولیاء اللہ تعالیٰ فلیس للہ ولیٌ قال اللہ تعالیٰ اللہ ولی الذین اٰمنوا والعلماء والفقہا اشد معرفۃ باللہ تعالیٰ[1]

اگر دنیا و آخرت میں علما و فقہا اولیاء اللہ نہیں ہیں تو اللہ کا کوئی ولی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ولی الذین آمنوا اور علماء و فقہا کو اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اس نقطۂ نظر کے تحت امام صاحب کا مقام ظاہر ہے

[1] کردری ص۱۷

امام ابوحنیفہ اور تصوف

تصوف متعارف اور اس کا نام قرن اول اور ثانی میں نہیں ملتا، اور حدیث و آثار صحابہ رضؓ میں بھی اس کا ذکر نہیں پایا جاتا یہ زیادہ سے زیادہ دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

ان ھذا التعبیر من الزاھد بالصوفی حدث فی اثناء المائتہ الثانیہ لان لباس الصوف کان یکثر فی الزھاد ومن قال انہ نسبۃ الی الصفۃ التی نسب الیھا کثیر من الصحابۃ ویقال فیھم اھل الصفۃ اونسبۃ الصفا اوالصف الاول او صوفۃ بن مروان بن ادبن طابخہ او صوفۃ القفا فھی اقوال ضعیف ـ[1]

زاہد کو صوفی کہنا یہ دوسری صدی کے درمیان سے ہے اس لئے کہ موٹے کپڑے زاہدوں میں زیادہ مستعمل ہوتے تھے اور جس نے یہ کہا کہ یہ صفہ کی طرف منسوب ہے جس کی طرف بہت سے صحابہ منسوب ہیں اور ان کو اہل صفہ کہا جاتا ہے یا یہ صفا یا صف اول یا صوفہ بن مروان بن ادبن طابخہ یا صوفۃ القفا کی طرف منسوب ہے تو یہ سب کے سب اقوال ضعیف ہیں۔

مولانا عبدالرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں

اول کسے کہ ویرا صوفی خواندند ابوھاشم بود بیش از وے کسے را بایں نام نخواندہ بودند[2]

وہ سب سے پہلا شخص جس کو صوفی کہا گیا ہے ابوہاشم ہیں۔ ان سے پہلے کسی کو اس نام سے نہیں پکارا گیا۔

---

[1] جلاء العینین صہ ۶۲ از ہفتہ وار چٹان لاہور [2] نفحات الانس صہ ۳۱

حضرت ابوہاشم صوفی کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے ان ہی کو امام سفیان ثوری نے صوفی کے نام سے یاد کیا ہے۔ فرمایا ہے اگر وہ نہ ہوتے تو ہم ریا کے دقائق سے واقف نہ ہوتے۔ اسی طرح امام حسن بصری نے بھی پہلے پہل اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

رایت صوفیا فی الطواف — میں نے ایک صوفی کو طواف میں دیکھا

بہرحال یہ لفظ دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ اس سے قبل اس کی حقیقت ضرور تھی اگرچہ اس وقت اس کا یہ نام نہ تھا۔ شیخ ہجویری نے کشف المحجوب میں شیخ ابوالحسن تولنجہ کا قول تحریر فرمایا ہے۔

التصوف الیوم اسم ولا — تصوف آج کل ایک بے حقیقت شے ہے اس سے
حقیقۃ وقد کان حقیقۃ ولا اسم[1] — قبل حقیقت تھا جس کا نام نہ تھا۔

شیخ ہجویری نے اس مقولہ کی شرح میں لکھا ہے "صحابہ وسلف کے زمانے میں یہ نام (تصوف) نہ تھا۔ لیکن اس کی روح اور حقیقت سب میں موجود تھی"۔ کیونکہ تصوف مومن کی عملی زندگی کا نام ہے یعنی شریعت حقہ پر کامل طور سے محض رضائے باری کے عمل کرنے کو تصوف کہتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کو اختیار کرنے کے دواعی کیا تھے۔

جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان ہی میں زہاد پائے جاتے ہیں، اس لئے خواص اہل سنت تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری صدی ہجری میں ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔[2]

اس عبارت میں تقریباً وہی چیز موجود ہے جو علامہ ابن تیمیہ وغیرہ حضرات نے اس کی ابتدا کے بارے میں فرمائی ہے۔ مزید برآں یہ کہ سبب ایجاد بھی معلوم ہو گیا دنیز یہ کہ اہل سنت ہی حقیقی معنی میں صوفی ہوتے ہیں نہ کہ اہل بدع، بہرحال اس کی ابتداء

---

[1] کشف المحجوب ص۳۱ [2] نفحات الانس

۱۶۰ھ یا ۱۶۵ھ ہے۔ اس زمانے میں ابو ہاشم کو صوفی کہا جاتا تھا اور امام صاحب کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہو چکا تھا میرے ایک مکتوب کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے تحریر فرمایا۔

متعارف سلوک تو صحابہ اور تابعین کے دور میں نہ تھا، البتہ اصل ہر چیز کی وہاں ملتی ہے۔ اس لئے امام صاحب کا سلوک بھی اسی نوع کا تھا جو نوع اس زمانے میں متعارف تھی۔ سلوک کے اہم اجزاء، ورع خشوع انابت الی اللہ، تجرد عن الخلق۔ تبتل الی اللہ کثرت عبادت، کثرت ریاضت یہ سب اجزاء امام صاحب کے سوانح میں بکثرت ملیں گے [1]

شریعت اور تصوف کے شہسوار اور ان دونوں چیزوں کے مسلم رہنما ہزارہ دوم کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی تحریر فرماتے ہیں

شریعت کے تین جزو ہیں، علم وعمل، اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہو گئی تو رضائے باری تعالی حاصل ہو گئی اور یہی دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے افضل ہے [2]

تصوف کی اصل یہ ہے جس کو آج کل کی اصطلاحات نے کیا سے کیا بنا دیا ہے میرے نزدیک ہندوستان میں تصوف سنیاسیت سے اتنا متاثر ہے جتنا اسلام سے نہیں۔

بیعت یا صحبت

تصوف کے باب میں صحبت کو بڑا دخل ہے اگر یہ حاصل نہ ہو تو شاید کچھ بھی حاصل نہ ہو۔ اسی صحبت کی وجہ سے حضرات صحابہ.. .. .. اس اعزاز کے مستحق ہوئے ہیں۔

---

[1] مکتوب حضرت شیخ الحدیث [2] مکتوب ۳۶ دفتر اول

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ — اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے

یہی اعزاز حضرات تابعین کو ملا

والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ — اور جنھوں نے صحابہ کی نیکیوں میں اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے

اسی صحبت کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق مقام صدیقیت پر فائز ہوئے اور اسی کی وجہ سے حضرت ابو ذر رضؓ کو مقام جذب و فنا حاصل ہوا غرضکہ صحبت کو تبدیل احوال اور تربیت اخلاق میں بڑا دخل ہے

حضرت امام ابو حنیفہ اسی مبارک زمانہ (خیر القرون) ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور اسی میں پلے بڑھے اور اسی دور میں وفات پا گئے۔ لہذا حضرات صحابہ کی صحبت، ان سے ملاقات، اسی طرح جلیل القدر تابعین کی صحبتیں اور ان سے ملاقات جس قدر امام صاحب کو حاصل ہوئیں کسی دوسرے کو شاذ ہی حاصل ہوئی ہوں گی۔ اور جبکہ مروجہ سلوک و تصوف کے متعلق گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے تو اب امام صاحب کے بیعت ہونے یا ان کے خرقۂ خلافت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر جبکہ خود امام حسن بصری کے بارے میں بھی سخت اختلاف موجود ہے۔ موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے تحریر فرمایا ہے

خرقۂ خلافت کی اصل

صوفیاء کا خرقہ پہنو اور حسن بصری نے اس خرقہ کو حضرت علیؓ سے پہنا ہے۔ ابن وجیہ..... .. .. اور ابن صلاح فرماتے ہیں یہ باطل ہے۔ اسی طرح امام عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس کی سندات میں کوئی بھی سند ایسی نہیں ہے جو ثابت ہو اور اس مضمون پر کوئی حدیث جو صحیح حسن یا ضعیف ہو موجود نہیں ہے کہ نبی کریم صلعم نے کسی صحابی کو اس فعل کا حکم دیا اور جو اس بارے میں روایتیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب باطل ہیں۔ پھر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان تہمت لگانے والوں کے جھوٹ میں یہ بات بھی موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ خرقہ حضرت حسن بصری کو پہنایا۔ حضرت حسن بصری ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں لیکن تمام

محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حسن بصری کو حضرت علیؓ سے سماع حاصل نہیں ہے کجا کہ حضرت علی رضؓ کا ان کا خرقہ پہنانا۔

علامہ سخاوی کہتے ہیں کہ اس میں ہمارے شیخ ہی منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے اس پر عمل کیا ہے جیسے دمیاطی، ذہبی، ابن حبان، علائیؒ، عراقی، ابن الملقن اور برہان وغیرہ، ایک قوم کی مشابہت اور ان کے طریقہ کو متبرک سمجھتے ہوئے کیونکہ انھیں جو صحبت متصلہ سے حصہ ملا ہے کمیل ابن زیاد کے واسطے سے اور وہ حضرت علی رضؓ کے ساتھ رہے۔

اور بعض سندات میں خرقہ کا تعلق اویس قرنیؒ سے بتایا جاتا ہے کہ حضرت اویسؓ حضرت عمر رضؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ جمع ہوئے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ایسے ہی صوفیا میں جو تلقین کی نسبت پائی جاتی ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح خرقہ کی نسبت حضرت اویسؓ کی طرف کہ نبی کریم صلعم نے اپنے خرقہ کی وصیت ان کے لئے کی اور حضرت عمر رضؓ اور حضرت علیؓ نے ان کے سپرد کیا، اور وہ اویس کے ذریعہ ان صوفیا تک پہونچا، اور اسی طرح چلتا رہا اس کی کوئی اصل نہیں ہے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

ارباب طریقت کے نزدیک حضرت حسن بصری حضرت علی رضؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ انتساب نہیں ہے[2]

یہ ہے متعارف تصوف کی اصل و حقیقت؟ اب ہم امام صاحب کے تصوف کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی ان اجزاء تصوف کو بیان کرتے ہیں جو تصوف کی روح ہیں۔

کثرت عبادت

امام صاحب کے تذکرے ایسے واقعات سمیٹے ہوئے ہیں کہ جن کی وجہ سے آج بھی قلب کو نورانیت، طمانیت حاصل ہوتی ہے ان میں سے چند روایتوں کو اس جگہ پیش کیا جا رہا ہے

---

[1] موضوعات کبیر مطبوعہ کراچی ص۲۰۱، ص۲۰۲ [2] الانتباہ ص۲۱

۱۔ امام صاحب رمضان میں ۶۰، قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، ایک دن میں اور ایک رات میں

۲۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کو دیکھا کہ انھوں نے نماز میں صرف اسی ایک آیت پر پوری رات گزار دی۔ آیت یہ ہے بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر

۳۔ حضرت محارب بن دثار کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے زیادہ اچھا شب بیدار نہیں دیکھا

۴۔ ابوعاصم نبیل کہتے ہیں کہ امام صاحب کو قیام صلوٰۃ اور کثرت عبادت کی وجہ سے میخ کہا جاتا تھا۔

۵۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایام حج میں مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں آیا۔

۶۔ یحیی بن ایوب زاہد کہتے ہیں کہ امام صاحب رات کو نہیں سوتے تھے

۷۔ اسد بن عمر کہتے ہیں امام صاحب نے چالیس سال تک عشا کی وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔ آپ اکثر ایک ہی رکعت میں قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔ ابن مبارک نے بھی اس روایت کی تائید کی ہے

۸۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے پورا قرآن شریف وتر میں ختم کیا ہے

۹۔ حسن بن عمارہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر رحم فرمائے کہ انھوں نے تیس سال تک نہ افطار کیا اور نہ چالیس سال تک رات کو بستر سے کمر لگائی۔

۱۰۔ ابوزایدہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب کے ساتھ ان کی مسجد میں عشا کی نماز پڑھی جب سب لوگ چلے گئے تو میں ایک طرف کو ہو کر بیٹھ گیا تو امام صاحب نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ اس آیت پر پہونچے فمن اللہ علینا ووقانا عذاب السموم تو اسی کی تکرار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی

۱۱۔ یزید بن کمیت کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اور امام صاحب نے عشا کی

نماز علی حسن موذن کے پیچھے پڑھی، اس نے سورۂ اذا زلزلت الارض کی قراۃ کی۔ نماز کے بعد سب لوگ تو چلے گئے، لیکن امام صاحب اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ٹھنڈی سانسیں لیتے رہے۔ میں آپ کی توجہ بٹ جانے کے خیال سے اٹھ کر چلا گیا اور روشنی کا قندیل (لالٹین) وہیں چھوڑ آیا، لیکن چونکہ اس میں تیل کم تھا، اس لئے اس کی روشنی دھیمی کر دی تھی، جب میں صبح ہوتے ہی پہونچا تو آپ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے رو رہے تھے اور فرما رہے تھے۔

اے وہ ذات! جو لوگوں کو ذرہ ذرہ نیکیوں کا بدلہ دے گی نعمان اپنے بندے کو آگ سے محفوظ رکھ! اور اپنی رحمت میں چھپالے

۱۲۔ امام صاحب تہجد کی نماز کے لئے بہترین کپڑا پہنا کرتے تھے اور اس کو خوشبو میں خوب بسا لیتے تھے۔

۱۳۔ آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں، نماز کا کوئی وقت ایسا نہیں آیا جس میں میں باوضو نہ ہوں۔

۱۴۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک دن میں امام صاحب کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک آدمی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا یہ ابو حنیفہ ہیں! رات بھر بیدار رہتے ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب پوری رات نماز اور دعا میں گذار دیتے تھے۔

۱۵۔ مسعر بن کدام کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے ایک قاری کو قرآن پڑھتے سنا تو مجھے بہت اچھا معلوم ہوا اور میں بیٹھ کر سننے لگا۔ میرا قیاس تھا کہ یہ قاری ایک منزل پڑھ کر ختم کر دے گا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا، بلکہ ایک ہی رکعت میں پورا ختم کر دیا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ ابو حنیفہ تھے [۱]

امام صاحب کے اوقات

آپ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے تھے (ارد گرد شاگردوں کا مجمع ہوتا تھا)، اور درس کا

---

[۱] ماخوذ از موفق و علامہ ذہبی متفرقاً

سلسلہ شروع فرما دیتے تھے۔ درمیان میں اگر باہر سے آنے والا کوئی سوال کرتا تو آپ جواب دیدیتے تھے۔ اس کے بعد مجلس تدوین فقہ منعقد ہوتی جس میں بڑے بڑے علماء شریک ہوتے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر آپ گھر تشریف لاتے اور ظہر سے لیکر عصر کے قریب تک آرام فرماتے، تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنی دوکان پر بھی تشریف لے جاتے اسی وقت آپ مریضوں کی عیادت بھی کرتے اور دوستوں سے ملاقات بھی، مغرب کی نماز کے بعد پھر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جاڑوں میں عشا کی نماز سے پہلے سو جاتے تھے اور پھر عشا کی نماز پڑھتے، اس کے بعد پھر نہ سوتے تھے۔[1]

محمد بن فرات کہتے ہیں۔ امام صاحب جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل ۲۰ رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ ابو اسماعیل کہتے ہیں آپ جمعہ کی نماز کے بعد ۶ رکعات پڑھا کرتے تھے

زہد و تقویٰ لغت میں تقویٰ کے معنی نفس کو ہر اس چیز سے بچانا ہے جو مضر یا نقصان دہ ہو کبھی کبھی تقوے کو خوف اور خوف کو تقوے کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ لسان شریعت میں نفس کو ہر اس چیز سے بچانا۔ جو گناہ کی طرف موصل ہو یعنی ممنوعات سے پرہیز کرنا لیکن اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مباحات سے بھی پرہیز کیا جائے، حضور صلعم ارشاد فرماتے ہیں۔

الحلال بین والحرام بین	حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور چراگاہ
ومن ارتع حول الحمی فحقیق	کے گرد جو چرائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ
ان یقع فیہ ـ الحدیث	اس میں مبتلا ہو جائے گا۔

دوسری حدیث میں اسی کو امور مشتبہات سے تعبیر کیا ہے

ان احادیث کی موجودگی میں علمائے اسلام نے تقوے کے تین مرتبے مقرر کئے ہیں۔ ۱۔ ادنیٰ، ۲۔ اوسط، ۳۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ درجہ کا تقویٰ ایمان لانا ہے کہ اس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب سے رہائی ہوگی۔ اوسط درجہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو

---

[1] اس ترتیب اوقات پر سوانح نگاروں کا اتفاق ہے۔

ترک کر دیا جائے جس کے ارتکاب سے آدمی گنہگار بن جائے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ باطن کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھا جائے جو ماسوی اللہ میں مشغول کرے یہ تقوی کا حقیقی درجہ ہے۔[1]

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آں گاہ نباشی

حضرت مجدد الف ثانی بیان فرماتے ہیں

ممنوعات سے پرہیز کرنا اور باز رہنا ہی حقیقت تقویٰ ہے اور دین کی اصل بنیاد ہے[1]

اس کے علاوہ بکثرت آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ تقوے کی فضیلت کے متعلق موجود ہیں۔ قرآن پاک نے جگہ جگہ اسی کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب قرار دیا ہے

اب امام صاحب کے متعلق چند اقوال کو پیش کیا جا رہا ہے جن سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کا تقویٰ کس درجہ کا تھا۔

اقوال اور رائیں

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ ہم بہت سے حضرات کے پاس بیٹھے اور بہت سے حضرات کو دیکھا لیکن ہم نے امام ابو حنیفہ جیسا آدمی نہ دیکھا اور نہ سنا، میں نے ان کو دیکھتے ہی جان لیا تھا کہ وہ متقی ہیں۔

۲- عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں کہ میں کوفہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا زاہد، سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ تو سب باتوں میں سب نے امام ابو حنیفہ کا نام لیا

۳- قیس بن ربیع کہتے ہیں امام صاحب بہت بڑے متقی ہیں وہ لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ احسان کرتے تھے لیکن ان کے ہم عصر ان سے حسد رکھتے تھے

۴- یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم سیکھا لیکن امام صاحب سے زیادہ متقی اور کم گو میں نے کسی کو نہیں پایا۔

---

[1] مکتوب ۹ دفتر سوم

۵۔ ابن جبلہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ کسی کو متقی نہیں دیکھا
۶۔ ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے زیادہ متقی اور فقیہ کسی کو نہیں دیکھا۔
۷۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اپنے علم، تقوی اور رفقہ کی وجہ سے ہم سب پر غالب رہتے تھے۔
۸۔ عبدالرحمن بن عابس کہتے ہیں کہ ہم نے امام صاحب جیسا متقی نہیں دیکھا
۹۔ وکیع کہتے ہیں کہ حدیث میں جس قدر تقوی امام صاحب اختیار کرتے تھے ہمیں میسر نہیں ہوا۔
۱۰۔ احمد بن بدیل کہتے ہیں کہ میں نے ابو بشر کو کہتے سنا ہے کہ میں نے امام صاحب جیسا قائم اللیل اور صائم النہار نہیں دیکھا۔
۱۱۔ معروف بن بکیر کہتے ہیں کہ جو امام صاحب کو دیکھ لیتا تھا وہ یقین کر لیتا تھا کہ یہ خیر ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں
۱۲۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ امام صاحب اتنے بڑے انسان تھے کہ ان سے علم، تقوی، سخاوت وغیرہ کے پہاڑ بنائے جاسکتے ہیں
۱۳۔ ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ دنیا کے دروازے ہمارے لئے بھی کھلے اور امام صاحب کے لئے بھی، لیکن امام صاحب نے آخرت کو اختیار کیا اور ہم نے دنیا کو[1]

جامع الصفات ایک دن ہارون رشید نے امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا۔ میں جہاں تک جانتا ہوں امام صاحب کے اخلاق یہ تھے کہ وہ نہایت پرہیزگار تھے۔ ممنوعات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے۔ کوئی شخص ان سے سوال کرتا تو جواب دیتے ورنہ اکثر سوچا کرتے تھے۔ نہایت فیاض تھے کسی کے پاس حاجت لیکر نہیں جاتے تھے۔ اہل دنیا سے احتراز کرتے اور دنیوی عزت و جاہ کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ دوسروں

---

[1] موفق متفرقاً

کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ ہارون رشید نے سنکر یہ کہا، صلحا کے یہی اوصاف ہوتے ہیں [1]

چند واقعات

یحییٰ بن زائدہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام صاحب کو ایک مکان کے قریب دھوپ میں کھڑے دیکھا۔ میں نے قسم دیکر دریافت کیا۔ حضرت! آپ اس دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہو جاتے فرمایا اہلخانہ پر میرا کچھ قرض چاہتا ہے، اس لیے میں اس کی دیوار کے سایہ سے منفعت حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھتا اور فرمایا میں دوسروں کو اس عمل کا مکلف قرار نہیں دیتا ہوں، ہاں عالم کو محتاط رہنا چاہیے۔

ایک دفعہ امام صاحب نے اپنے شریک حفص بن غیاث کو تجارت کی غرض سے باہر بھیجا اور ایک چیز کے بارے میں فرمایا اس میں یہ عیب ہے؟ جب فروخت کرو تو اس کا عیب بتلا دینا۔ اتفاق سے حفص بن غیاث خریدار کو یہ بتلانا بھول گئے اور یہ بھی یاد نہ رکھا کہ وہ کس کے ہاتھ فروخت کی ہے، جب قیمت امام صاحب کو لا کر دی تو امام صاحب نے اسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا تو حفص بن غیاث نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ امام صاحب نے فوراً ہی ان کو شرکت سے علیحدہ کر دیا اور کل سامان کی قیمت جو مبلغ تیس ہزار دینار ہوتی تھی صدقہ کر دی۔

ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت امام صاحب کی دوکان پر ایک ریشمی کپڑا خریدنے آئی اور کہا یہ کپڑا آپ کو جتنے میں پڑا ہو اتنے کو دیدیجئے! امام صاحب نے فرمایا اچھا تو آپ اس کے چار درہم دیدیجئے! بوڑھیا نے کہا آپ کیوں مذاق کرتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دو کپڑے تھے۔ دونوں کی قیمت اس قدر تھی ایک میں نے فروخت کر دیا۔ اب اس کپڑے کی قیمت چار درہم باقی رہ گئی تھی

ایک دفعہ امام صاحب کو کسی کپڑے کی ضرورت تھی۔ آپ ایک دوکاندار کے

---

[1] موفق متفرقاً

پاس گئے۔ اس نے امام صاحب کو رعایتاً کپڑے کی قیمت ایک ہزار درہم بتلائی۔ امام صاحب نے فرمایا، یہ کپڑا ایک ہزار درہم کا نہیں، بلکہ زیادہ کا ہے، اس طرح آپ اسکو آٹھ ہزار درہم میں خرید کر لائے۔[1]

وظیفہ خوری سے اجتناب تاریخ شاہد ہے کہ حق گوئی انہیں علماء کے حصّہ میں آئی جنھوں نے اپنے آپ کو وظیفوں، حکام رسی اور عہدوں اور نذرانوں سے محفوظ رکھا۔ امام صاحب اسی صفت کے انسان تھے۔

ایک دفعہ خلیفہ منصور نے امام صاحب کو تیس ہزار درہم نذر کرنا چاہے۔ امام صاحب نے انکار کر دیا، اور فرمایا میرے گھر میں اتنی جگہ نہیں ہے جو اس کثیر رقم کو اپنے گھر رکھ سکوں۔ جب امام صاحب کا انتقال ہوا تو تقریباً ۵۰ ہزار روپیہ امانتوں کے نکلے تب خلیفہ منصور نے کہا کہ یہ شخص ہمیشہ سے عذر ہی کرتا رہا لیکن بات صحیح تھی۔ اگر امام صاحب کا گھر امانتوں سے خالی ہوتا تب اس رقم کو رکھتے۔

ایک دفعہ منصور اور اس کی بیوی میں شکر رنجی ہو گئی۔ بیوی کو شکایت تھی کہ آپ عدل سے کام نہیں لیتے۔ منصور نے کہا میں عدل سے کام لیتا ہوں۔ بالآخر اس قضیہ کا حکم امام صاحب کو مقرر کیا گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ بیگم پس پردہ ہو بیٹھیں۔ منصور نے دریافت کیا ایک آزاد مرد کو کتنے نکاح کرنے جائز ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا بیک وقت چار، خلیفہ نے خاتون سے کہا آپ نے سنا! خاتون نے کہا جی ہاں۔ امام صاحب نے فرمایا یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب خاوند عدل سے کام لے ورنہ صرف ایک ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد امام صاحب گھر تشریف لائے، تو پیچھے سے ایک غلام نے حاضر ہو کر چار ہزار درہم کی تھیلی بیگم کی طرف سے پیش کی اور بیگم کی طرف سے سلام بھی پیش کیا۔ امام صاحب نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، جاؤ بیگم سے کہہ دینا میں نے اپنا فرض منصبی انجام دیا ہے۔

---

[1] موفق

ایک دفعہ کوفہ کے گورنر ابن ہبیرہ نے امام صاحب سے عرض کیا۔ حضرت کبھی کبھی تشریف لایا کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا تم سے مل کر کیا کروں گا۔ آؤں گا تو احسان کروگے تو میں تمہارے دام میں آجاؤں گا اور ناراض ہوئے تو اس میں میری ذلت ہے جو تمہارے پاس ہے اس کی مجھے حاجت نہیں اور جو میرے پاس (علم) ہے اس کو کوئی چھین سکتا نہیں۔

مشتبہات سے اجتناب امام صاحب اکل حلال کے نہایت سختی سے پابند تھے اس پراگراف مندرجہ واقعات سے کافی روشنی پڑ چکی ہے مگر یہاں بھی کچھ ذکر کئے جاتے ہیں

جن ایام میں امام صاحب نظر بند تھے۔ خلیفہ کے یہاں کا کھانا نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنے مکان سے ستو منگا کر کھایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ شہر میں کسی کی بکری گم ہو گئی۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے تحقیق فرمائی کہ بکری کتنے دن زندہ رہتی ہے۔ معلوم ہوا سات سال، چنانچہ آپ نے سات سال بکری کا گوشت نہیں کھایا

مولانا شبلی نے اگرچہ اس کا انکار کیا ہے لیکن امام صاحب جیسے متقی آدمی کے بارے میں تو کسی کی تنقید کی گنجائش نہیں جبکہ ایسے واقعات آج بھی پائے جاتے ہیں، ابھی سو سال کی بات ہو گی کہ مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے چار سال تک دلی میں رہتے ہوئے سالن سے روٹی نہیں کھائی، کیونکہ اس وقت دلی کے سالنوں میں آم کی کھٹائی ڈالی جاتی تھی اور آم کی بیع فاسد طور پر ہوتی تھی اس لئے آپ نے اجتناب کیا۔[1]

امانتداری امام صاحب نہایت امانتدار تھے عبدالرحمٰن بن مسعودی کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اچھا امین نہیں دیکھا۔ ان کا جس وقت انتقال ہوا تو ۵۵ ہزار کی امانتیں ان کے گھر میں موجود تھیں جن میں سے ایک درہم بھی ضائع نہیں ہوا تھا

[1] تذکرۃ الخلیل

ابوبکر زرنجری کہتے ہیں کہ ایک آدمی امام صاحب کے پاس ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم رکھ کر مر گیا، اس کے ایک لڑکی تھی جب وہ بالغ ہوئی تو امام صاحب نے وہ رقم اس لڑکی کے سپرد کر دی۔[۱]

حق ہمسائیگی امام صاحب کا ایک پڑوسی تھا۔ دن بھر کی مزدوری سے جو حاصل ہوتا اس کی شراب اور کباب خرید لاتا تھا اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لاتا، اور رات بھر اودھم مچاتا اور خوب گاتا۔ راوی کا بیان ہے ہم نے اس کے اشعار یاد کر لیے تھے۔ اُن اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ وسداد ثغر

یعنی لوگوں نے مجھے کھو دیا اور کتنے بڑے شخص کو کھویا، جو لڑائیوں اور رخنہ بندیوں میں کام آتا تھا۔ امام صاحب نے اسکو چند مرتبہ سمجھایا لیکن باز نہ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن حکومت کی پولیس اس کو گرفتار کر کے لے گئی اور جیل خانہ میں ڈال دیا۔ امام صاحب کو جب خلاف معمول اس کے اودھم کی آواز نہ سنائی دی تو دریافت کیا۔ لوگوں نے واقعہ بیان کر دیا۔ امام صاحب یہ سنکر بیچین ہو گئے، اور امیر کے پاس گئے، آپ کے ساتھ اہل مجلس بھی ہو لئے۔ جب دارالامارت کے قریب پہونچے تو امیر کو معلوم ہوا، وہ دوڑا ہوا استقبال کے لئے حاضر ہوا۔ امام صاحب نے آنے کی غرض بیان کی۔ امیر نے کہا حضرت! کسی خادم کو بھیجدیتے تب بھی تعمیل حکم ہوتی۔ بہرحال امیر نے جوان اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔ امام صاحب نے اس جوان سے فرمایا "دیکھا! ہم نے تجھے ضائع نہیں کیا"۔ اس شخص نے امام صاحب کے سر کو بوسہ دیا اور تائب ہو گیا، پھر تو اس کی یہ حالت ہو گئی کہ اکثر حلقہ درس میں شریک رہتا۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بھی علماء کی فہرست میں شمار ہونے لگا تھا۔ اس شخص کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ یہ قاضی ابن ابی لیلی کی عدالت میں ایک شخص کے باغ کے متعلق شہادت دینے گیا۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا بتلاؤ اس میں کتنے درخت ہیں؟ جب یہ

---

[۱] موفق

نہ لائے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی کو رد کر دیا جب انہوں نے امام صاحب سے واقعہ بیان کیا، تو امام صاحب نے فرمایا یہ جا کر کہو کہ آپ ۲۰ سال سے کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کیا کرتے ہیں بتلایئے اس میں کتنے ستون ہیں؟ اس نے یوں ہی جا کر کہہ دیا تو ابن ابی لیلی کو حیرت ہوئی اور اس کی شہادت قبول کر لی

ایک دفعہ امام صاحب کے ایک پڑوسی نے خواب دیکھا اور وہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے بصرہ امام ابن سیرین کے پاس گیا جب واپس آیا تو امام صاحب نے دریافت کیا، بھائی! کہاں رہے ہمیں تو آپ کی طرف سے بہت فکر تھا، اس نے واقعہ بیان کیا۔ امام صاحب نے فرمایا سبحان اللہ۔ بھائی اطلاع تو کرتے جاتے[1]

سخاوت امام صاحب بہت بڑے سخی انسان تھے اور ہمیشہ ضرورتمندوں کا خیال رکھا کرتے تھے علماء، صوفیا، فقہاء، طلباء، جلساء اور اہل جوار سب ہی آپ کی سخاوت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کیا جلیسوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے یہی وجہ سے آپ کے معاصرین کا قول ہے

کان اکرم الناس مجالسۃ — ہمنشینی میں وہ نہایت بہترین اور کریم انسان تھے۔

حسین بن سلیمان کہتے ہیں

مارایت احدًا اسخی من ابی حنیفۃ — میں نے کسی کو امام ابوحنیفہ سے زیادہ سخی نہیں دیکھا

آپ نے اپنے بیٹے حماد کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر پڑوسیوں کے یہاں پہونچا دیا کرو۔ امام ابو یوسف کو دس سال تک اپنے پاس سے خرچ دیکر پڑھایا آپ کو علم اور اہل علم کی خدمت کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی چنانچہ جس دن آپ کے صاحبزادے نے بسم اللہ شروع کی تو آپ نے پانچسو درہم معلم کی نذر کئے اور جس دن سورۂ فاتحہ ختم کی اس دن بھی پانچسو درہم نذر کئے اور معذرت پیش کرتے ہوئے فرمایا

---

[1] موفق متفرقا

واللہ لو کان عندی اکثر من — قسم خدا کی اگر اس سے زیادہ میرے پاس ہوتا
ذلک لدفعتہ تعظیماً للقرآن — تو قرآن کے احترام میں وہ بھی پیش کر دیتا۔

ایک آدمی نے آپ سے آکر عرض کیا میرے ذمہ پانچ ہزار درہم قرض ہیں اور دائن تقاضہ کر رہا ہے۔ آپ اس سے فرما دیجئے کہ وہ مجھے کچھ مہلت دیدے۔ آپ نے دائن سے کہا، اس نے جواب دیا، حضرت! آپ کی وجہ سے اپنا مطالبہ معاف کرتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا نہیں، لیجئے! یہ آپ کا مطالبہ ہے۔ اسی وجہ سے امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔

لا یکاد یسئل حاجۃ الا قضاھا — آپ سے جس ضرورت کے متعلق سوال کیا جاتا تھا
آپ اس کو پورا کرتے تھے

ایک دفعہ آپ کے ایک دوست آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے مگر شکستہ حال معلوم ہوتے تھے، جب جانے لگے تو آپ نے پانچ ہزار درہم پیش کئے، اس نے کہا حضرت میرے یہاں بہت کچھ موجود ہے میں غریب نہیں ہوں، تب آپ نے فرمایا

ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ — اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمتوں کا
علیٰ عبدہ — اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپ کے پاس بطور ہدیہ ایک ہزار جوڑے جوتے آئے۔ آپ نے سب اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور طلباء میں تقسیم فرما دیئے۔ اتفاق سے شام کو اپنے بیٹے حماد کے لئے ضرورت پیش آئی تو آپ نے اس کو بازار سے منگا دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ حضرت یہ کیا؟ تب آپ نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا

اذا اھدی الی الرجل فجلساءہ — جب کسی آدمی کے پاس کوئی ہدیہ آئے
شرکاءہ — تو اس کے ہمنشین اس کے شریک ہوتے۔

امام صاحب کی عادت شریفہ تھی کہ عیدین کے موقعہ پر اپنے دوستوں اور ملنے والوں کے یہاں تحائف بھیجا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے، غریب بچیوں کی شادیاں اپنے پاس سے کیا کرتے تھے جب اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز لاتے تو علماء، مشائخ اور پڑوسیوں کے لئے بھی اسی قدر لاتے تھے، بضاعت کے ذریعہ جو نفع آپ کو حاصل

ہوا کرتا تھا وہ سب طلبار اور علما پر صرف کر دیتے تھے۔ اگر کوئی آپ کا شکریہ ادا کرتا تو آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھ کر سنا دیتے۔

انما انا خازن اضعہ حیث امرت — میں تو خازن ہوں جہاں کا حکم ہوتا وہیں رکھ دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا میں چار ہزار درہم سے زیادہ کا کبھی مالک نہیں ہوا، جو آیا خرچ کر دیا کیونکہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔

اربعۃ الآلاف وما دونھا نفقۃ — چار ہزار اور اس سے زیادہ خرچ ہونا چاہیئے

یعنی کسی آدمی کو چار ہزار سے زیادہ کی پونجی رکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔[1]

سخاوت و مروت — سخاوت کے ساتھ مروت بھی آپ کا خصوصی وصف ہے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک مرتبہ مجھے ایک ضرورت لاحق ہوئی، میں نے آپ کی طرف سے فلاں تاجر کے نام ایک رقعہ لکھا کر وہ مجھے تیس اشرفیاں دیدے، چنانچہ میں اس تدبیر میں کامیاب ہوگیا۔ امام صاحب نے یہ سنا اور مسکرا دیئے۔

ایک دفعہ ایک شخص کی بیوی نے اس کو بہت تنگ کیا اور کہا "جاو لڑکی جوان ہے شادی کرنا ہے، فاقوں نے گھر بھر کو پریشان کر دیا ہے۔ امام صاحب سے جا کر کہو وہ ضرور آپ کی مدد کریں گے۔ یہ شخص امام صاحب کی مجلس میں گیا اور واپس آگیا۔ امام صاحب نے قیافہ سے اس کو تاڑ لیا جب یہ شخص چلا گیا تو اس کا گھر معلوم کر کے رات کو دروازہ میں سے پانچہزار درہم کی ایک تھیلی اس کے گھر میں ڈال آئے۔ آپ نے اس تھیلی میں ایک پرچہ بھی لکھ کر رکھ دیا تھا کہ اس کو بلا دریغ خرچ کریں، جب ختم ہو جائے پھر خبر کر دیں۔[2]

وقار اور حلم — ان تمام خصوصیات کے ساتھ آپ عالمانہ وقار و حلم کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں "ابو حنیفہ حلیم الطبع انسان تھے"۔ آپ کے بعض معاصرین آپ کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کرتے تھے لیکن آپ حلم و وقار کی تصویر

---

[1] موفق منفرقاً [2] ایضاً

بن جاتے تھے۔ ابو معاذ کہتے ہیں کہ میرا آنا جانا امام سفیان ثوری کی خدمت میں بھی ہوتا تھا اور میں امام صاحب کے حلقہ میں بھی شرکت کرتا تھا۔ سفیان ثوری کو یہ بات ناگوار تھی لیکن امام صاحب کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا۔ امام صاحب کی یہی ادائیں تو تھیں کہ جن کی بنا پر شیخ وقت ان سے محبت کرتے تھے۔ مسعر بن کدام فرماتے ہیں۔

قد جمع اللہ فیہ خصالاً شریفۃ
اللہ تعالیٰ نے ان میں بہترین خصلتیں جمع کر دی تھیں

ایک دفعہ مسجد کی چھت سے ایک سانپ گرا اور عین آپ کے برابر میں گرا سب لوگ تو اٹھ اٹھ کر بھاگ گئے، لیکن آپ بدستور بیٹھے رہے، راوی کہتا ہے

فعرفت انہ صاحب یقین
میں جان گیا کہ آپ صاحب یقین ہیں

ایک دفعہ ایک نوجوان آدمی امام صاحب کی مجلس میں حاضر ہوا، اور ایک گوشہ میں کھڑا ہو کر زور زور سے آپ پر تنقید کرنے لگا۔ لوگوں کو اس کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا لیکن آپ نے سب کو منع کر دیا کہ اس کو کچھ نہ کہا جائے جب امام صاحب اپنے دروازے پر پہونچے تو فرمایا بھائی! اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اور کہہ لو۔ اب میں اندر جاتا ہوں۔ یہ حلم دیکھ کر وہ آدمی شرمندہ ہوا اور معافی چاہی۔

عمرو بن الہیثم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں شعبہ کا رقعہ لیکر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت عصر کا وقت تھا، آپ نے مسجد ہی میں عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، اور بعد عشا مجھے ہمراہ لیکر دولت کدہ پر تشریف لائے۔ کھانا کھلایا، اور ایک بستر پر مجھے لٹا دیا اور خود ایک گوشہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور تمام رات پڑھتے رہے، جب صبح ہوئی تو مجھے اٹھایا اور وضو کا پانی لا کر دیا اور مسجد میں تشریف لائے صبح کی نماز پڑھ کر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہے، اسی اثنا میں ایک سانپ مسجد کی چھت سے آپ کے اوپر گرا اور آپ نے اس کے سر پر پیر رکھ دیا، اور بیٹھ گئے۔ جب سورج طلوع ہوا تو آپ نے یہ دعا پڑھی۔

الحمد للہ الذی اطلعہا من مطلعہا اللہم ارزقنا خیرہا وخیر ما طلعت علیہ
اس خدا کی تعریف جس نے سورج کو اس کے مطلع سے نکالا۔ اے اللہ! اس سے جس پر اس نے طلوع کیا ہے بہترین رزق عطا فرما۔

اس کے بعد آپ نے سانپ مارنے کا حکم فرمایا، اتنی دیر آپ نہایت سکون و وقار سے اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اشراق کی نماز پڑھ کر آپ نے مجھے ایک حدیث پڑھ کر سنائی، وہ یہ ہے۔

ومن صلی الفجر ولم یتکلم الا بذکر اللہ تعالیٰ حتی تطلع الشمس کان کالمجاھد فی سبیل اللہ	جس نے صبح کی نماز پڑھی اور سورج نکلنے تک سوائے ذکر خدا کے اور کچھ زبان سے نہ کہا وہ مثل مجاہد فی سبیل اللہ کے ہے۔

ان واقعات سے امام صاحب کے عالمانہ تحمل اور وقار کا پتہ لگایا جا سکتا ہے [1]

والدین کا احترام آپ کے والد محترم کا انتقال تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کی والدہ حیات تھیں۔ آپ نے ان کی بے حد خدمت کی اور اُن کی مرضی کا ہمیشہ احترام کیا، چنانچہ محمد بن قشر اسلمی کہتے ہیں کہ کوفہ میں دو ہی شخص سب سے زیادہ والدین کی خدمت کرنے والے تھے، ایک منصور کہ وہ اپنی ماں کے سر کی جوئیں چنتے اور سر دھلاتے اور دوسرے امام صاحب

جن دنوں کوفہ کا گورنر ابن ہبیرہ آپ کو قضا قبول کرنے کے لئے کوڑوں کی سزا دیا کرتا تھا ان دنوں کا ذکر ہے کہ ایک دن کوڑا آپ کے سر پر لگا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ متورم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر آپ رو دیئے۔ جلاد نے کہا قضا قبول کرلو، روتے کیوں ہو؟ امام صاحب نے فرمایا، میں مار کی وجہ سے نہیں روتا بلکہ اس وجہ سے روتا ہوں جب میری والدہ محترمہ اس چوٹ کا نشان دیکھیں گی تو اُن کو صدمہ ہوگا۔

کوفہ میں ذرعہ نامی ایک واعظ رہتا تھا، امام صاحب کی والدہ انکی بہت معتقد تھیں۔ ایک دن امام صاحب کی والدہ کو ایک مسئلہ کی ضرورت پیش آئی۔ انھوں نے

---

[1] موفق تفرقاً

امام صاحب سے فرمایا، جاؤ ذرعہ سے یہ معلوم کر آؤ، امام صاحب نے کہا اس کا جواب یہ ہے والدہ نے کہا میں تیرا جواب نہیں مانوں گی۔ ذرعہ ہی سے پوچھ کر آ۔ آپ گئے ذرعہ نے کہا —— حضرت! میں آپ کے سامنے کیا مسئلہ بیان کروں؟ آپ خود ہی بتلا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا ا،یہ کیا حکم ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحب کی والدہ سواری پر بیٹھ کر اور امام صاحب کو ساتھ لیکر ذرعہ کے پاس گئیں۔ تب ذرعہ نے کہا حضرت! آپ نے کیا جواب دیا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تو یہ جواب دیا تھا۔ تو ذرعہ نے کہا آپ نے صحیح فرمایا، تب کہیں امام صاحب کی والدہ کو اطمینان ہوا

کوفہ میں ایک واعظ اور تھا جس کا نام عمر بن ذر تھا۔ امام صاحب کی والدہ ان کی بھی بہت معتقد تھیں۔ ان کے پاس بھی آپ کو اپنی والدہ کے مسائل پوچھنے کے لئے آنا پڑتا تھا۔ اتفاق سے ان کا مکان بہت فاصلہ پر تھا۔ ایک دفعہ امام صاحب کی والدہ نے کہا عمر بن ذر سے یہ مسئلہ پوچھ کر آ۔ امام صاحب تشریف لے گئے تو عمر بن ذر نے کہا مجھے تو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے، البتہ آپ بتلا دیں۔ میں وہی آپ سے نقل کردونگا۔ پھر آپ اپنی والدہ کو جاکر بتلا دیں۔ امام صاحب نے ایسا ہی کیا۔ [1]

حُسنِ سلوک

یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں صاحب کمال سے محبت رکھنے والے ہوتے ہیں وہاں اس سے بغض وحسد رکھنے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی اس لئے امام صاحب سے حسد و بغض رکھنے والے بھی کم نہ تھے آج امام صاحب کے متعلق غلط روائتیں اور نا قدانہ اقوال کا وجود اسی بغض وحسد کی کرشمہ سازی ہے۔ احادیث کی متداول کتابوں میں جب ہم امام صاحب کی سند سے کم روائتیں دیکھتے ہیں، تو ہمیں محدثین کرام کے خلاف اپنے جذبات اور خیالات کو دبانے میں بڑے ہی ضبط سے کام لینا پڑتا، تب کہیں ہم اپنی سوءظنی کے رُخ کو بدل

---

[1] موفق متفرقاً

پاتے ہیں کیونکہ راوی کی اس سند کو ترک کر دیا جاتا ہے جس میں امام صاحب موجود ہیں حالانکہ حدیث کا ایک ہی مدار روایت ہے۔ اللہ بہتر جانے کیا معاملہ ہے وہ جانیں اور اُن کا کام " بعض الناس" کہہ کر امام صاحب کو نا قابل اعتنا سمجھنا یہ ان کے اپنے منصب کا تقاضہ ہوگا۔ دنیا تو امام صاحب کو امام اعظم ہی سمجھتی آئی ہے اور سمجھ رہی ہے اور انشاء اللہ یہی سمجھا جائے گا مزید برآں یہ کہ آج امام صاحب کا مسلک دنیا کے مسلمانوں کا سب سے بڑا مسلک ہے اور فریق مخالف کے کہیں دس بھی مقلد نہیں ہیں ؎

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

امام صاحب لوگوں کے اس رویہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

میں نے کبھی کسی کا بُرا نہیں چاہا اور نہ کسی کو بُرائی کے ساتھ یاد کیا، اس کے باوجود تم جانتے ہو کہ اہل مکہ نے مجھ سے کیوں بغض کیا؟ اس کی وجہ یہی تھی کہ میں بعض مدنی آیات کے ذریعہ بعض مکی آیات کو منسوخ الحکم قرار دیتا تھا۔ اور اہل مدینہ نے مجھ سے یوں بغض رکھا کہ میں نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے سے وضو کو ساقط قرار دیتا تھا، اور ایسی وضو کے ذریعہ نماز کو غیر صحیح قرار دیتا تھا۔ اہل بصرہ میرے اس وجہ سے مخالف تھے کہ میں ان کے معرکۃ الآرا مسئلہ قدر کا رد کرتا تھا۔ اور اہلِ شام نے میرے ساتھ اس وجہ سے بغض کو روا رکھا کہ میں حضرت علی رضہ کو حق پر سمجھتا تھا اور اہل حدیث میرے اس وجہ سے دشمن ہوئے کہ میں آل رسول (زید بن علی، جعفر صادق) کی حمایت کرتا تھا۔[1]

یحییٰ بن آدم سے دریافت کیا گیا کہ شریک کو امام صاحب کے اقوال پسند نہ تھے فرمایا، پسند تو کرتے تھے لیکن حسد کی وجہ سے اسکو قبول نہیں کرتے تھے۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کو دیکھ نہیں پاتے تھے۔ اسی بنا پر امام صاحب فرماتے ہیں " ابن ابی لیلیٰ میرے ساتھ اس سلوک کو روا رکھتے ہیں جو اپنی بلی

---

[1] موفق صفحہ ۹۔ ج ۲

کے ساتھ بھی روا نہیں رکھتے"۔ لیکن امام صاحب ان حالات اور واقعات کے باوجود اپنے معاصرین کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے اور اپنی عنایات سے کسی کو محروم نہ رکھتے، حسن سلوک کا یہ مقام نہایت بلند مقام ہے

مخالفوں کے ساتھ حسن سلوک کے اس عنوان کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور ان شرمناک واقعات کا تذکرہ کر کے گندگی اچھالنا پسند نہیں کرتے۔

خدا مجنوں کو بخشے مرگیا اور ہم کو مرنا ہے

یہ چند سطریں امام اعظم کے اخلاق و عادات اور عملی کمالات کے متعلق تحریر کی گئی ہیں جن سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ امام صاحب اعمال اور اخلاق میں بھی نہایت مکمل انسان تھے یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے انھیں نہایت مکمل ترین علم عنایت فرمایا تھا جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من عمل بما یعلم اتاہ اللہ علم مالم یعلم (الحدیث) — جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے کہ جو وہ ابتک نہیں جانتا تھا

چنانچہ امام صاحب پر فیضان الٰہی تھا کہ ان کو ایسا علم عطا ہوا کہ جس کی وجہ سے بقول امام شافعی صاحب بقیہ اُمت ان کی عیال ہے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، علم کلام قراءۃ، نحو، صرف، عربیت وغیرہ میں ایسے ایسے نکات پیدا کئے کہ آج دنیا محو حیرت ہے۔ مناظروں میں انھوں نے اپنے حریفوں کو انھیں کے الفاظ میں شکست دی۔ یہ سب کچھ عطیہ اور فیضان الٰہی ہے جو حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ان کی عملی زندگی اور بندگی سے خوش ہو کر ان پر نازل کیا۔ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء — بے کتاب و بے معید و اوستا

وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ عمل کی وجہ سے انسان کے قلب کو نورانیت اور روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا تعلق حق سبحانہٗ تعالیٰ سے قریب تر اور قوی تر ہو جاتا ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے اس کو وہ تمام کمالات تفویض ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سب کے سب محبوب اور پسندیدہ

ہوتے ہیں اور ان ہی میں سے علم بھی ایک ایسا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام
کمالات میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور اعلیٰ ہے۔

امام صاحب کے حالات اور اخلاقیات کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک غیر جانبدار
آدمی پر یہ بات روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ امام صاحب کی عملی اور علمی دونوں
زندگیاں عطیہ الٰہی کا بہترین نمونہ ہیں۔ جنھوں نے امام صاحب کو اس نظر سے
دیکھا وہ خود مقبول بارگاہ ہوئے اور جنھوں نے امام صاحب سے حسد وبغض کیا اور تنقید سے
کام لیا، آج تاریخ عالم کے صفحات پر ان کے واقعات سے حسد وبغض کیا اور تنقید سے
کام لیا، آج تاریخ عالم کے صفحات پر ان کے واقعات دوسروں کے لئے عبرت بنے
ہوئے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ آج امام صاحب کا مسلک اور ان کے نام لیوا اسی فرش زمین
پر کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور حاسدین وناقدین کے قول ومسلک پر دس مسلمان
بھی نماز پڑھنے والے شاید مشکل سے دستیاب ہوسکیں گے۔

جس کو راکھے سائیاں مار سکے نہ کوئے

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ — اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے
واعد لہم جنت تجری تحتہا — راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے
الانہار خالدین فیہا ابدا — باغیچے تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے نیچے نہریں
جاری ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتمۃ الکتاب

وصایا

اور

اقوالِ زریں

مآخذ و حوالہ جات

۱۔ الاشباہ والنظائر از علامہ ابن نجیم

۲۔ مقدمہ مسند امام اعظم

وصیت امام اعظمؒ

یہ وصیت امام ابوحنیفہ نے امام ابویوسف کو آخری وقت میں فرمائی تھی۔ علامہ ابن نجیم نے اپنی مایہ ناز کتاب الاشتباہ والنظائر میں اس کو ذکر کیا ہے اسی جگہ سے اس پورے وصیت نامہ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرت النعمان میں اس وصیت کو ذکر کیا ہے لیکن وہ وصیت نامہ مکمل نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا اے یعقوب (نام امام یوسف) بادشاہ کی عزت کر، اور اس کو بڑا سمجھ، اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور جا بے جا وقت اسکے پاس آنے جانے سے گریز کر، ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کثرت آمد و رفت سے وہ تجھ سے بے پرواہ برتے گا اور تجھے حقیر سمجھے گا، تو اس سے اس طرح منتفع ہو جس طرح آگ سے (بقدر ضرورت انتفاع کیا جاتا ہے) اس وجہ سے کہ بادشاہ جیسا اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا، اور بادشاہ کے سامنے کثرت کلام سے بھی گریز کرنا، کیونکہ وہ اس پر گرفت کر سکتا ہے، اس صورت میں وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے سامنے اپنے کو اعلم اور تجھے مخطی اور کم درجہ کا ثابت کر دے گا، جس وقت بادشاہ کے پاس جائے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبہ میں امتیاز کرنے والا ہو ایسے وقت نہ داخل ہونا کہ اس کے پاس ایسے اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے نا آشنا ہیں، اگر وہ تجھ سے کم درجہ ہیں تو اپنے آپ کو بڑے درجہ کا ثابت کریں گے۔ اور تجھے نقصان پہنچائیں گے اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کریں گے۔

جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کرتا کہ علم اور حلم میں وہ تیرے مذہب اور فیصلے کو پسند کرے ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑ جائے گا

بادشاہ کے احباب اور خدام سے دوستی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں وقت ضرورت ان سے ملاقات میں کچھ حرج نہیں ہے لیکن خداموں سے دوری ہی بہتر ہے اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا۔

عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں جتنا وہ تم سے دریافت کریں کیونکہ زیادہ کلام سے وہ یہ محسوس کریں گے کہ کہیں تم ان کے اموال کی طرف تو راغب نہیں ہو؟ اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے ہو؟ عوام کے سامنے زیادہ ہنسنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ بازاروں میں بھی زیادہ نہیں جانا چاہیے اور امرد لڑکوں سے بھی بات نہ کرو کیونکہ وہ فتنہ ہوتے ہیں۔ ہاں بچوں سے کلام کرنے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں مضائقہ نہیں۔

مشائخ اور عوام کے ساتھ سڑکوں پر بھی نہ چلو کیونکہ اگر تم ان سے آگے چلے تو ان کی تحقیر اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی، کیونکہ وہ تم سے عمر میں بڑے ہیں اور اور رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا۔

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا لیس منا — جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کی ہم میں سے نہیں ہے

دیکھو! شاہراہ پر ہرگز نہ بیٹھنا ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجدوں میں بیٹھو، بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سقایہ سے سقوں کے ہاتھ سے پانی نہ پینا (کیونکہ معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو)

دیکھو! دوکان پر نہ بیٹھو۔ اور زیورات اور ریشمین کپڑا نہ پہنو، کیونکہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے

وقت فراش اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو، ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں، اس سے زیادہ بوس وکنار بھی نہ کرو، ہاں اس سے صحبت کرو تو اللہ کا نام لے کر کرو۔ اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کردے گی۔ بیوہ اور ماں باپ، بال بچے والی عورت سے

نکاح مت کرو، مگر اس کے ساتھ کہ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر آجا سکیں (کیونکہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دیدے گی) اور حتی الامکان اپنی سسرال میں بھی نہ رہو۔ خبردار اپنی سسرال میں اپنی بیوی سے ہرگز صحبت نہ کرنا، کیونکہ تم اس صورت میں پھنس جاؤ گے اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر تمہارا مال مفت میں اڑائیں گے، خبردار! اولاد والی عورت سے ہرگز شادی نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا سب مال ان کو کاٹ کاٹ کر دیدے گی، کیونکہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی۔

ایک گھر میں دو سوکنوں کو بھی نہ رکھنا، اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تم اس قابل نہ ہو جاؤ کہ اس کی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکو۔ پہلے علم طلب کرو، پھر حلال طریقے سے مال جمع کرو پھر شادی کرو۔ اس لئے کہ اگر تحصیل علم کے وقت تم نے مال فراہم کرنا شروع کر دیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے، اپنے مال سے باندیاں غلام نہ خریدو کیونکہ پھر تم ان کی ہی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے، اور تمہارا وقت ضائع ہوگا اور علم سے کورے رہ جاؤ گے۔ عنفوان شباب میں فارغ الطلب ہو کر علم حاصل کرو

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور ادائے امانت اور ہر خاص و عام کو نصیحت کرنا اپنے اوپر لازم کر لو، کسی انسان کو ذلیل اور اپنے کو باعزت نہ سمجھو، عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو، البتہ بقدر تعلیم و تعلم کچھ حرج نہیں، اس لئے کہ اگر کوئی ان میں سے اہل ہے تو تحصیل علم میں لگ جائے گا ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا، عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کبھی تم سے کوئی فتویٰ دریافت کرے تو بقدر سوال جواب دو، ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا، اگر تم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست رہو تو علم سے ہرگز اعراض نہ کرو، کیونکہ اس صورت میں تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی، جو طلبا تم سے فقہ حاصل کریں، ان سے اولاد کی طرح برتاؤ کرنا، کیونکہ اس سے ان کی رغبت فی العلم زیادہ ہوگی۔ عوام اور بازاری لوگوں

سے ہرگز جھگڑا نہ کرو، اس سے تمہاری عزت ریزی ہوگی۔ حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو جب تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو، اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا اس لئے کہ عوام تمہیں زیادہ کرتے نہ دیکھیں گے تو خیال کریں گے تمہیں اپنے علم سے اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا انھیں اپنے جہل سے ہوگیا۔

جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لئے مخصوص نہ کر لینا کہ تم ہی تنہا اس میں صاحب اقتدار ہو بلکہ اور اہل علم کی طرح رہو تاکہ وہ خیال کریں کہ تم کو ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے ورنہ وہ سب مل کر تمہیں نکالنے کی کوشش کریں گے اور تمہارے مسلک میں طعن کرنا شروع کر دیں گے اور تم بلا وجہ مطعون ہو کر رہ جاؤ گے اگر تم سے وہ استفتا کریں تو جواب بلا دلیل بیان نہ کرو۔ ان کے اساتذہ میں بھی عیب نہ نکالو۔ عوام سے پرہیز اور اللہ تعالیٰ سے ظاہراً و باطناً یکساں معاملہ رکھو، کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اندر قابلیت علم پیدا ہوگی۔

بادشاہ تمہارے سپرد جب کوئی کام کرے تو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرو جب تک اس کی قابلیت تمہارے اندر نہ ہو۔ جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو کلام نہ کرو، کیونکہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہو جائے گا اور زبان بوجھل ہو جائے گی کثرت ضحک سے پرہیز کرو، کیونکہ اس سے قلب مر جاتا ہے۔ راستہ میں وقار اور طمانیت سے چلو، امور میں جلد بازی نہ کرو، جو تمہیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔ ۔۔ کیونکہ چوپاؤں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے۔ جب کلام کرو تو چیخ کر اور بلند آواز سے نہ کرو اور نہ زیادہ حرکت ہی کرو (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے)

لوگوں کے درمیان کثرت سے ذکر اللہ کرو، نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا کرو، خصوصاً تلاوت قرآن، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو، اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں صبر اور شکر اور دوسری نعمتیں عنایت فرمائی ہیں۔ ہر مہینہ چند دن روزے بھی رکھا کرو تاکہ لوگ تمہاری اتباع کریں، نفس سے محاسبہ کرتے رہو، دوسروں کی حفاظت کرو

تاکہ وہ تمہاری دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہو سکیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے سوال ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو، کیونکہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمہارے پاس ڈھیر لگا دیں گے۔ اگر تم ان کے پورا کرنے کی سعی کروگے تو تمہاری توقیر ہوگی اور اگر نہ پوری کرسکے تو لوگ تمہارا تمسخر کریں گے۔

خطا میں لوگوں کی اتباع مت کرو بلکہ صواب میں کرو، جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شریر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو، خیر کا تذکرہ کرو، وہاں دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو خبردار کردو تاکہ لوگ اس سے بچنے لگیں اور اس کی اتباع نہ کریں، جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے

اذکروا الفاجر بما فیہ حتی یحذرہ الناس وان کان ذا جاہ ومنزلۃ

فاجر میں جو عادتیں ہوں، اس کو ظاہر کردو تاکہ لوگ اس سے پرہیز کریں۔ اگرچہ وہ فاجر صاحب اقتدار ہی کیوں نہ ہو

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے اگر ایک مرتبہ ایسا کردیا تو فجا تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی بھی اظہار بدعت پر دلیری نہ کرسکے گا جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف امر دیکھو تو اس کی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کردو، کیونکہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے۔ یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں ہم آپ کے تابع ہیں، لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں کہ جو علم دین کے موافق نہیں معلوم ہوتی ہے۔ پس اگر ایک مرتبہ بھی کہہ دیا ہے تو کافی ہے ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے وہ تم پر غصہ ہو جائیگا۔ جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک دوگے تو امر بالمعروف میں تم کو حریص سمجھے گا، اس سے زیادہ، اگر روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں اس کے پاس جاکر نصیحت کرو، اگر اس کا رجحان طبع بدعت کی طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو، اور کتاب و سنت سے متعلق تمہارے پاس جو علم ہے اس پر پیش کردو۔ اگر وہ تم سے قبول حق کرلے تو فبہا، اور اگر انکار کردے تو اللہ سے سوال کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

موت کو یاد رکھو، اپنے استاذ کے لئے استغفار کرتے رہو، تلاوت قرآن پر

ملازمت اور مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہو۔ عوام الناس میں سے جو رویا رصالحہ دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھیں اس کو رد نہ کرو۔ فساق و فجار کے پاس نہ بیٹھو۔ ہاں تبلیغ دین کے لئے مضائقہ نہیں ہے کھیل کود اور سب وشتم سے پرہیز کرو۔ جب موذن اذان دے تو مسجد کے لئے تیاری کرو تاکہ عوام تم سے اس معاملہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ بادشاہ کے پڑوس میں مکان نہ بنانا، پڑوسی کی عیب پوشی کرنا، لوگوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ کرنا، جو تم سے مشورہ طلب کرے تو اپنے علم کے مطابق دینا۔

(حضرت امام اعظم نے) فرمایا میری وصیت کو قبول کرو، اس کے ذریعہ سے موجودہ اور آنیوالوں کو فائدہ پہونچے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) فرمایا بخل سے پرہیز کرو، اس کے سبب سے مبغوض ہو جاتا ہے جھوٹے اور لالچی نہ بنو بلکہ اپنی مروتوں کا تمام امور میں خیال رکھو، سفید لباس پہنو اپنے کو حریص نہ ہونے کے لئے اپنے آپ کو ہر وقت غنی ظاہر کرو اگرچہ تم فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ صاحب ہمت بنو، اس لئے کہ دون ہمت کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ نظر کو زمین پر قائم رکھو۔ جب حمام میں داخل ہو (یا مزدوروں سے کوئی کام کراؤ) تو اجرت میں اور لوگوں کی مساوات نہ کرو بلکہ دستور سے کچھ زیادہ دو تاکہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں، کوئی چیز پیشہ ور اور دستکار کے سپرد نہ کرو بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں اعتماد ہو غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو۔ درہم و دنانیر کو نہ تولو، روپیہ پیسہ کو شمار نہ کرو، بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو۔ دنیا کی اہل علم کے لئے تحقیر کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے بہتر ہے۔ اپنے امور میں دوسروں کو شریک کرو، تاکہ علم حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت بچ جائے۔ خبردار! بیوقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور اہل علم کے دلائل کو نہ سمجھیں۔ طلب جاہ کے لئے کوشاں ہوں اور تمہارے شرمندہ کرنے کے لئے مسائل یاد کریں۔ ان سے ہرگز بات نہ کرو، اس لئے کہ اگر وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کریں گے جب روسا کے پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو، جب تک تم کو وہ اس جگہ

نہ بٹھائیں جب کسی قصبہ میں پہنچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ بنائیں نماز نہ پڑھانا حمام میں صبح اور دوپہر کو داخل نہ ہو۔ تفریح گاہ میں نہ جاؤ۔ مظالم سلطانیہ پر حاضر نہ ہونا، ہاں جب یہ یقین ہو کہ تمہاری بات سن لی جائے گی تو مضائقہ نہیں۔ خبردار! مجلس علم میں غضبناک نہ ہونا، عوام میں قصہ گوئی نہ کرنا، اس لئے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا۔ جب کسی اہل علم کے اعزاز میں کوئی مجلس علم منعقد کرو تو اس کے استقبال کے لئے بہ نفیس خود حاضر ہونا، اور جو کچھ معلوم ہو بیان کرنا ورنہ نہیں تاکہ تمہاری موجودگی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم تصور کریں۔ حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوگا جس کے تم مالک ہو۔ کسی آدمی کو مسند درس پر نہ بٹھاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے درس دے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو تاکہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں، مجلس وعظ اور اس مجلس میں جو تیرے اعزاز یا تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لئے منعقد کیا ہو نہ جانا (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لئے اور اظہار شیخیت کے لئے ایسا کر رہا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا) نکاح کے معاملات کو اپنے محلہ کے نکاح خواں اسی طرح عید اور جنازہ کی نماز کو اس کے مستحق کے لئے چھوڑ دو (کہ وہی نماز پڑھائے) جو آدمی تمہارے لئے دعا کرے اس کو فراموش نہ کرنا، میری اس نصیحت کو قبول کرو، جس کو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت اور فائدہ کے لئے کہا ہے۔

دیگر زریں نصیحتیں

۱۔ جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ

۲۔ روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو

۳۔ کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جایا کرو۔

۴۔ لہو لعب سے پرہیز کیا کرو

۵۔ پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو

۶۔ تقوے اور امانت کو فراموش مت کرو

۷۔ جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو اسے ہرگز مت قبول کرو۔

۸- اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو اس کی غلطی کا اعلانیہ اظہار کرو تاکہ عوام کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے۔

۹- تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو

۱۰- جو آدمی کچھ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو، اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو

۱۱- شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں۔

۱۲- جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو[۱]

شکر کہ ایں نامہ بعنواں رسید
پیشتر از عمر بپایاں رسید
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

بالخیر

[۱] مقدمہ مسند امام اعظم مطبوعہ کراچی، از مولانا سعد حسن

زندگی بنانے کا بہترین ذخیرہ

تذکرہ مخدوم علی احمد صابر کلیری حضرت صابر صاحب کلیریؒ کے اولاً تو حالات زندگی دستیاب ہی نہیں ہوتے اور جو ہوتے ہیں وہ غیر مستند ہیں، ہم دعوے کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ مستند حالات کسی دوسری کتاب میں نہ ہونگے۔ قیمت ۳ روپیہ

تفسیر رشیدی اورنگ زیبؒ کے استاذ محترم ملا جیونؒ کی کتاب "تفسیر احمدی" فن تفسیر اور فقہ میں مشہور کتاب ہے، لیکن اردو میں اس کا جواب تفسیر رشیدی ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی جملہ تصانیف سے تفسیری مضامین کو تفسیر کے طرز پر جمع کر کے اردو دینی لٹریچر میں بالکل جدید اضافہ کیا ہے۔ محض تشہیر کے لئے۔ ہدیہ ۲ روپیہ ۵۰ پ

ولی کامل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہم کے مکمل حالات زندگی، اور اخلاقیات اور دیگر بہترین اور مستند معلومات کا خوبصورت حسین مجموعہ، سائز متوسط صفحات ۳۲۰۔ قیمت غیر مجلد ۵ روپیہ

تذکرہ شیخ الہندؒ حضرت شیخ الہندؒ کی مکمل سوانح حیات۔ جو قدیم اخبارات رسائل اور مکاتیب سے مرتب ہوئی ہے۔ سیاست ہند پر بے لاگ تبصرہ، رہنما اور یادگار قسم کی کتاب قیمت ۴ روپیہ ۵۰ پیسہ

تذکرہ مشائخ دیوبند اکابر مشائخ حلقۂ دیوبند کے مفصل حالات۔ اس کتاب میں میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی سے لیکر حضرت محمد یوسف تک تیس سے زائد مشائخ طریقت کے حالات ہیں، مسلک دیوبند، تحریکات سیاسی و مذہبی، بنائے دارالعلوم، مظاہر علوم پر سیر حاصل تبصرہ، یورپ اور امریکہ میں مقبول کتاب قیمت مجلد آٹھ روپیہ

ترجمہ زاد المعاد

سیرت پر اسلامی لٹریچر میں ابتک اس سے زیادہ بہترین کتاب وجود میں نہیں آئی، اس کا مکمل ترجمہ، اختلافی مسائل پر بحث، نے کتاب کو حنفی مسلک میں ڈھال دیا ہے قیمت اول [illegible]

[illegible]

انفاس قدسیہ — حضرت مدنیؒ کی مشہور زمانہ سیرت جس کے کئی اڈیشن طبع ہو کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔ قیمت تین روپیہ

سوانح حضرت جی — حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ مکمل اور مفصل سوانح حیات، بیرونی ممالک کے اجتماعات کے تفصیلی حالات، ہزاروں کی تعداد میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے والی مقبول عام کتاب ہے قیمت تین روپیہ

ملنے کا پتہ

مدنی دار التالیف رجسٹرڈ بجنور (یوپی)

دوسرا پتہ

مجیدیہ بکڈپو مسجد قبروں والی، شاہتارا اسٹریٹ

اجمیری گیٹ دھلی ۶